الرّفیقُ الفصِیح
لمشکوٰۃ المَصَابِیح
جلد ۷
افادات
حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہٗ
شیخ الحدیث مفتاح العلوم جلال آباد
مرتب
محمد فاروق غفرلہٗ
ڈیزائننگ وکمپوزنگ
مجیب الرحمٰن قاسمی 7895786325
pasbanehaq

الرفیق الفصیح

لمشکوٰۃ المصابیح

جلد ۷

افادات

حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہٗ

شیخ الحدیث مفتاح العلوم جلال آباد

مرتب

محمد فاروق غفرلہٗ

خادم جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی) ۲۴۵۲۰۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفصیلات

نام کتاب ...... الرفیق الفصیح لمشکوٰۃ المصابیح ج:۷

افادات ...... حضرت علامہ رفیق احمد صاحب قدس سرہ

مرتب ...... محمد فاروق غفرلہٗ خادم جامعہ محمودیہ میرٹھ

کمپوزنگ ...... محمد ساجد لاھیم پوری شعبہ کمپیوٹر جامعہ ہذا

سن اشاعت ...... ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۰۱۲ء

صفحات ۵۳۷

قیمت

ناشر

مکتبہ محمودیہ

جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی) ۲۴۵۲۰۶

فہرست
الرفیق الفصیح
لمشکوٰۃ المصابیح
جلد ہفتم

اجمالی فہرست

الرفیق الفصیح لمشکوٰۃ المصابیح

جلد ہفتم

نمبر شمار	مضامین	رقم الحدیث	نمبر صفحہ

فہرست

الرفیق الفصیح لمشکوٰۃ المصابیح ۷

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار

نمبر شمار	مضمین	صفحہ نمبر
۱۳۲	حدیث نمبر ﴿۸۳۷﴾ کثرت سجود کی فضلیت	۱۸۱
	الفصل الثانی	
۱۳۳	حدیث نمبر ﴿۸۳۸﴾ سجدہ میں جانے کا طریقہ	۱۸۳
۱۳۴	اختلاف ائمہ مع دلائل	۱۸۴
۱۳۵	حدیث نمبر ﴿۸۳۹﴾ ایضاً	۱۸۵
۱۳۶	حدیث نمبر ﴿۸۴۰﴾ دونوں سجدوں کے درمیان کی دعاء	۱۸۶
۱۳۷	حدیث نمبر ﴿۸۴۱﴾ جلسہ میں پڑھی جانے والی دعاء	۱۸۷
	الفصل الثالث	
۱۳۸	حدیث نمبر ﴿۸۴۲﴾ سجدہ میں جلد بازی کی ممانعت	۱۸۸
۱۳۹	حدیث نمبر ﴿۸۴۳﴾ دونوں سجدوں کے درمیان اقعاء ممنوع ہے	۱۹۱
۱۴۰	**فائدہ:** نصیحت کا ادب	۱۹۲
۱۴۱	حدیث نمبر ﴿۸۴۴﴾ رکوع وسجدہ میں پیٹھ سیدھی رکھنا	۱۹۲
۱۴۲	حدیث نمبر ﴿۸۴۵﴾ سجدوں میں ہاتھوں کے رکھنے کا بیان	۱۹۳
	باب التشهد	
۱۴۳	**﴿تشہد کا بیان﴾**	۱۹۷
۱۴۴	تشہد کے معنی	۱۹۷
۱۴۵	تشہد میں بیٹھنے کی کیفیت	۱۹۸
	الفصل الاول	
۱۴۶	حدیث نمبر ﴿۸۴۶﴾ تشہد میں بیٹھنے کا بیان	۱۹۸
۱۴۷	انگشت شہادت کو سبابہ کہنے کی وجہ	۲۲۰
۱۴۸	اشارہ بالسبابہ کا طریقہ	۲۰۰

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	مضمین	نمبر شمار
۳۳۲	اسم اعظم..................................	۲۸۵
۳۳۲	حدیث نمبر ﴿۸۹۹﴾ نماز کے بعد دعا ءو استغفار..................	۲۸۶
۳۳۳	فائدہ..................................	۲۸۷
۳۳۳	حدیث نمبر ﴿۹۰۰﴾ نماز کے بعد کی ایک اور دعاء..................	۲۸۸
۳۳۴	حدیث نمبر ﴿۹۰۱﴾ نماز کے بعد ذکر..................	۲۸۹
۳۳۶	حدیث نمبر ﴿۹۰۲﴾ کلمات تعوذ کا بیان..................	۲۹۰
۳۳۷	اولاد حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ..................	۲۹۱
۳۳۸	جبن و بخل..................................	۲۹۲
۳۳۸	ارذل عمر..................................	۲۹۳
۳۳۹	حدیث نمبر ﴿۹۰۳﴾ تسبیح فاطمی کی فضیلت..................	۲۹۴
۳۴۲	فائدہ: نیکی میں حرص..................	۲۹۵
۳۴۲	فائدہ: شکر گذار مالدار..................	۲۹۶
۳۴۲	حدیث نمبر ﴿۹۰۴﴾ تسبیحات پڑھنے والا محروم نہیں ہوگا..................	۲۹۷
۳۴۳	حدیث نمبر ﴿۹۰۵﴾ تسبیحات سے گناہوں کی مغفرت..................	۲۹۸
	الفصل الثانی	
۳۴۵	حدیث نمبر ﴿۹۰۶﴾ قبولیت دعاء کا وقت..................	۲۹۹
۳۴۵	فائدہ: ۱؍ فرض نماز کے بعد دعاء..................	۳۰۰
۳۴۵	فائدہ: ۲؍ اجتماعی دعاء..................	۳۰۱
۳۴۶	فائدہ: ۳؍ فرض نماز کے بعد جہراً دعا..................	۳۰۲
۳۴۵	حدیث نمبر ﴿۹۰۷﴾ دعاء کے بعد معوذتین پڑھنا..................	۳۰۳
۳۴۶	حدیث نمبر ﴿۹۰۸﴾ نماز کے بعد ذکر کی فضیلت..................	۳۰۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب القراءۃ فی الصلوۃ

رقم الحدیث:...... ۷۶۵ تا ۸۰۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب القراءۃ فی الصلوۃ

(نماز میں قراءت کا بیان)

قراءت نماز کے ارکان میں سے ایک عظیم رکن ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فاقرؤا ماتیسر من القرآن" اس آیت سے قراءت کی فرضیت ثابت ہورہی ہے، اس باب کے تحت جو احادیث ہیں ان میں قراءت کی فرضیت پانچوں نمازوں میں مقدار قراءت اور بعض نمازوں میں بعض مخصوص سورتیں پڑھنے کی اہمیت سے متعلق احادیث مذکور ہیں۔

قراءت کی فرضیت میں اختلاف

جاننا چاہئے کہ قراءت فی الصلوۃ فرض ہے، پھر آگے تفصیل ہے۔ "فعندالشافعی واحمد فی جمیع الرکعات وعند مالک فی الاکثر" اور "عندالحنفیۃ فی رکعتین وعند زفر والحسن بصری فی رکعۃ واحدۃ" اور ابوبکر اصم وسفیان بن عیینہ اور ابن علیہ کے نزدیک قراءت فی الصلوۃ فرض نہیں بلکہ سنت ہے۔ (الدرالمنضود: ۲/۲۶۸)

قراءت کی فرضیت

اگر کوئی شخص منفرد تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے لئے قراءت کرنا فرض ہے، اسی طرح امام نماز پڑھا رہا ہے تو اس کیلئے بھی قراءت کرنا فرض ہے، لیکن مقتدیوں کے لئے قراءت کی ممانعت ہے، مقتدیوں کی قراءت امام کی قراءت سے ہی ہو جاتی ہے، ان کے الگ سے قراء ت کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "**واذا قری القرآن فاستمعوا له وانصتوا**" [جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنو اور خاموش رہو] نیز آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "**من کان له امام فقراة الامام له قراءة**" [جس کا امام ہو تو امام کی قراءت ہی مقتدیوں کی قراءت ہے۔] (رواہ احمد کذا فی فتح القدیر: ۱/۲۹۵)

مقتدیوں کے لئے قراءت کی ممانعت کی وجوہ

(۱)...... امام کے ساتھ مقتدی بھی تلاوت کریں گے تو امام کو پریشانی لاحق ہوگی۔

(۲)...... مقتدی پڑھنے میں مشغول ہوگا، تو قرآن میں غور وفکر نہ کر سکے گا۔

(۳)...... قرآن کا ادب یہ ہے کہ جب پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنا جائے، سننے کے بجائے خود بھی پڑھیں گے تو یہ خلاف ادب بات ہوگی، یہ تینوں وجوہات باب کے تحت آنے والی احادیث سے مدلل ہیں۔

سری اور جہری نمازوں کی وجوہ

فجر کی نماز میں مغرب کی دو رکعتوں میں، اور عشاء کی دو رکعتوں میں، جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں جہراً قراءت کی جائے گی، بقیہ نمازوں میں سراً قراءت کی جائے گی۔ یہی طریقہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وغیرہ سے ثابت ہے۔

جہری اور سرّی قراءت کی حکمت

سوال: اصلاً تو نمازوں میں جہراً قراءت ہونی چاہئے تھی، کیونکہ جس طرح تمام ارکان کا اظہار ضروری ہے، اسی طرح قراءت کا اظہار بھی ضروری ہے، پھر پر بعض میں سر اور بعض میں جہر کیوں ہے؟

جواب: اس کی دو اہم وجوہات نقل کرتے ہیں، ایک تو وہ جس کو بہت سے مفسرین اور علماء نے ذکر کیا ہے، اور جو مشہور ہے اور دوسری وہ وجہ جس کو حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں ذکر کیا ہے۔

(۱)......ابتدائے اسلام میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام نمازوں میں جہر فرماتے تھے، مشرکین قراءت سن کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایذاء پہونچاتے تھے، اس پر قرآن پاک کی آیت "**ولا تجهر بصلاتک ولا تخافت بها وابتغ بين ذلک سبيلا**" نازل ہوئی۔ یعنی آپ نہ تو تمام نمازوں میں جہر فرمائیں اور نہ تمام نمازوں میں اخفاء کریں، بلکہ ان دونوں کے درمیان راہ اختیار فرمائیں، اس آیت کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ظہر اور عصر کی نمازوں میں اخفاء شروع کردیا، کیوں کہ یہی دونوں وہ اوقات تھے، جن میں کفار آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایذارسانی کے درپے رہتے تھے، اور مغرب کے وقت کفار کھانے پینے میں اور عشاء اور فجر کے وقت راحت اور آرام میں لگے رہتے تھے، اس وجہ سے ان تینوں اوقات میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جہر فرماتے تھے، اور جمعہ اور عیدین کی نماز مدینہ منورہ میں قائم ہوئیں، اس لئے وہاں کفار کا کوئی مسئلہ نہیں تھا، اس وجہ سے ان میں بھی جہر ہے، اور مدینہ منورہ میں اگرچہ کفار کا غلبہ ختم ہوگیا تھا، لیکن

اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظہر اور عصر میں اخفاء ہی فرماتے رہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ بقائے حکم بقائے سبب سے مستغنی ہے، جیسے کہ رمل کا جو سبب تھا وہ ختم ہو گیا، لیکن طواف کے دوران اب بھی رمل کیا جاتا ہے۔

(۲)......حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ سر اور جہر کی وجہ لکھتے ہوئے رقم طراز ہیں: "والسر فی مخافتة الظهر والعصر ان النهار مظنة الصخب واللغط فی الاسواق والدور، واما غيرهما فوقت هدو الاصوات، والجهر اقرب الی تذكر القوم واتعاظهم" (حجة الله البالغة: ۲/۴۳) مطلب یہ ہے کہ دن کے وقت بازاروں اور گھروں میں بہت شور شرابہ رہتا ہے۔ ایسے وقت میں جہری قراءت میں کوئی خاص فائدہ نہیں تھا، اس وجہ سے سر کا حکم ہے، اسکے برخلاف رات میں اور فجر کے وقت ماحول پر سکون رہتا ہے، اس وجہ سے اس میں جہراً قراءت کا حکم دیا گیا ہے، نماز جمعہ اور عیدین خاص مواقع پر پڑھی جاتی ہیں، عام طور پر لوگ کاروبار وغیرہ ترک کر کے مسجد آ جاتے ہیں، اس وجہ سے ان میں بھی جہراً قراءت ہے۔

﴿الفصل الاول﴾

نماز میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت

﴿۷۶۵﴾ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔ (متفق عليه) وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَصَاعِداً۔

حوالہ: بخاری شریف: ۱۰۴/ ۱، باب وجوب القراءۃ، کتاب الاذان، حدیث نمبر:۷۵۶،مسلم شریف: ۱۶۹/ ۱، باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۳۹۴۔

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (بخاری، مسلم) مسلم کی ایک روایت میں یہ ہے کہ جو شخص سورۂ فاتحہ اور مزید کچھ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی ہے۔

تشریح: اس حدیث شریف سے بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ہر نماز میں تمام نمازیوں کے لئے ’’سورۂ فاتحہ‘‘ پڑھنا ضروری ہے، نماز سری ہو یا جہری، اسی طرح نماز پڑھنے والا امام ہو یا مقتدی، مسافر ہو یا مقیم، اس پر سورۂ فاتحہ پڑھنا لازم ہے، بغیر سورۂ فاتحہ کے نماز نہیں ہوگی، اسی حدیث کے تحت جو دوسری روایت ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ کے ساتھ مزید کچھ اور تلاوت کرنا لازم ہے۔

لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب: جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہ ہوگی، حدیث کے اس جزء سے دو مسئلے متعلق ہیں:

(۱)......سورۂ فاتحہ کی رکنیت۔ (۲)......قراءت خلف الامام۔

سورۂ فاتحہ کی رکنیت تو حدیث باب سے یوں ثابت ہوتی ہے کہ حدیث میں اس کی تلاوت کے بغیر نماز کی صحت کی نفی ہے،

اور قراءت خلف الامام کا مسئلہ یوں ثابت ہوتا ہے کہ ’’لا صلوۃ‘‘ کے عموم سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ بغیر فاتحہ کی قراءت کے کسی کی بھی نماز نہ ہوگی، خواہ امام ہو یا مقتدی، معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے مقتدی کے لئے بھی قراءت لازم ہے۔

رکنیت فاتحہ اور مذاہب ائمہ

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب: امام صاحبؒ کے نزدیک مطلق قراءت فرض ہے، سورۂ فاتحہ اور دوسری سورت کا ملانا واجب ہے۔

دلیل: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فاقرؤا ماتیسر من القرآن" [قرآن میں سے جو آسان ہو پڑھو] یہاں لفظ "ما" عام ہے، اس سے مطلق قراءت کی فرضیت ثابت ہوتی ہے، خبر واحد کے ذریعہ مطلق کو مقید کرنا درست نہیں۔

اشکالات مع جوابات

اشکال: "ماتیسر" میں کلمہ "ما" مجمل ہے، اور حدیث باب اس کی تفسیر ہے، لہٰذا فاتحہ کے فرض قرار دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

جواب: لفظ "ما" عام ہے، مجمل نہیں ہے، لہٰذا اشکال درست نہیں ہے۔

اشکال: حدیث باب خبر واحد نہیں ہے؛ بلکہ خبر مشہور ہے، لہٰذا اس کے ذریعہ کتاب اللہ پر زیادتی درست ہے۔

جواب: علامہ عینیؒ نے لکھا ہے کہ اس روایت کو خبر مشہور قرار دینا درست نہیں ہے، کیونکہ خبر مشہور وہ ہوتی ہے جسے عہد تابعین میں تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہوگیا ہو، اور یہاں ایسا نہیں ہے کیونکہ زیر بحث مسئلہ تابعین کے زمانہ میں بھی اختلافی رہا ہے، لہٰذا یہ خبر مشہور نہیں ہے۔

شوافع کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک سورۂ فاتحہ کی قراءت ہر نماز میں فرض ہے، اور سورت کا ملانا مستحب ہے۔

دلیــــل: شوافع کی دلیل حدیث باب ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب" یہاں فاتحہ نہ پڑھنے کی صورت میں نماز کی نفی کی گئی ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ کی قراءت فرض ہے۔

جواب: (۱)......خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں ہے، لہٰذا جو قرآن سے ثابت ہو وہ فرض ہے، اور جو حدیث باب سے ثابت ہو وہ واجب ہے۔

(۲)......"لا صلوٰۃ" میں "لا" نفی کمال کے لئے ہے، اس پر قرینہ یہ ہے کہ ابن ماجہ میں روایت ہے: "من صلی صلوۃ لم یقرأ فیھا بام القرآن فھی خداج غیر تمام" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ ترک کرنے سے نماز کا کمال فوت ہو جاتا ہے، نفس نماز درست ہو جاتی ہے۔

(۳)......اسی حدیث میں مسلم شریف کے حوالہ سے جو روایت ہے اس کے الفاظ ہیں: "لمن لم یقرأ بام القرآن فصاعداً" اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو حکم سورۂ فاتحہ کی تلاوت کا ہے، وہی حکم سورۂ فاتحہ کے بعد ضم سورت کا ہے، لہٰذا امام شافعیؒ کا سورۂ فاتحہ کو فرض قرار دینا اور ضم سورت کو مستحب قرار دینا صحیح نہ ہوگا، اقرب الی الصواب مذہب حنفیہ ہی کا ہے، کہ انہوں نے مطلق قراءت کو فرض قرار دیا ہے، اور سورۂ فاتحہ وضم سورت کو واجب قرار دیا ہے۔

وجہ ترجیح: حنفیہ کے مذہب کے راجح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے مسلک میں تمام احادیث پر عمل ہو جاتا ہے، اور دوسرے مسلک پر عمل کرنے میں بعض احادیث پر عمل ہوتا ہے، اور بعض کا ساقط کرنا لازم آتا ہے، نیز احناف کی مؤید احادیث زیادہ ہیں، اور صریح محکم غیر محتمل ہیں۔

قراءت خلف الامام اور مذاہب ائمہ

قراءت خلف الامام کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی فاتحہ پڑھے گا یا نہیں، اس میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے، جس کو مختصراً نقل کیا جاتا ہے۔

امام صاحبؒ کا مذہب: امام صاحبؒ کے نزدیک مقتدی کیلئے سورۂ فاتحہ پڑھنا جائز نہیں، نماز جہری ہو یا سری اور مقتدی خواہ امام کی قراءت سن رہا ہو یا نہ سن رہا ہو۔

دلیل: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **"واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا"** [جب قرآن پڑھا جائے تو تم لوگ اس کی طرف کان لگایا کرو، اور خاموش رہا کرو] اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر امام زور سے قراءت کر رہا ہے تو مقتدی کو چاہئے کہ امام کی قراءت سنے اور اگر امام آہستہ قراءت کر رہا ہے تو مقتدی کے لئے خاموش رہنا لازم ہے۔

قرآن مجید کی اس آیت کے علاوہ بہت سی احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مقتدی کے لئے قراءت نہیں ہے، ایک حدیث ہے: **"من كان له امام فقراءة الامام له قراءة"** [جو شخص مقتدی بن کر نماز پڑھ رہا ہے، تو امام کی قراءت اس کی قراءت شمار ہوگی] معلوم ہوا کہ مقتدی کے ذمہ سورۂ فاتحہ یا اس کے علاوہ کسی بھی چیز کی قراءت نہیں ہے۔

شوافع کا مذہب: امام شافعیؒ کے نزدیک مقتدی کے لئے جہری وسری ہر طرح کی نماز میں سورۂ فاتحہ کی قراءت واجب ہے۔

دلیل: **"لا تفعلوا الا بام القرآن فانه لا صلوة لمن لم يقرأ بها"** [ایسا نہ کرو البتہ سورۂ فاتحہ مستثنیٰ ہے، کیونکہ اسے پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی] آنحضرت صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بات اس وقت فرمائی جب لوگ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے قراءت کرنے لگے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز کے بعد حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ارشاد فرمایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ آپ لوگ امام کے پیچھے قراءت کرتے ہیں، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ جی ہاں ہم قراءت کرتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مطلقاً قراءت سے منع کیا، البتہ سورۂ فاتحہ کی اجازت دیدی، حدیث بالا سے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے۔

جواب: اس حدیث سے مقتدی پر فاتحہ کا وجوب ثابت نہیں ہوتا، بلکہ صرف جواز معلوم ہوتا ہے، کیونکہ حدیث باب میں نہی سے استثناء ہے، اور نہی سے استثناء اباحت کے لئے ہوتا ہے، وجوب کے لئے نہیں ہوتا ہے۔

تعارض مع جواب

تعارض: ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا منع ہے، اور شوافع کی دلیل میں جو روایت گذری اس سے کم از کم جواز معلوم ہوتا ہے، تو جواز اور ممانعت میں تعارض ہے کیونکہ ممانعت نام ہے عدم جواز کا۔

جواب: جواز کا حکم منسوخ ہو چکا ہے، شروع اسلام میں مقتدی فاتحہ اور سورت سب پڑھتے تھے، اولاً سورت پڑھنے کی ممانعت وارد ہوئی، اور فاتحہ کا جواز باقی رہا، پھر جب قرآن مجید کی آیت "**اذا قری القرآن فاستمعوا له وانصتوا**" نازل ہوئی تو فاتحہ کا جواز بھی ختم ہو گیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے:

"صلی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فقرأ خلفه قوم فنزلت واذا

قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا" (اخرجه البیهقی عن محمد بن کعبؓ)
[نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز پڑھی، چند لوگوں نے آپ کے پیچھے قراءت کی پس آیت کریمہ: "واذا قرئ القرآن الخ" نازل ہوئی] معلوم ہوا کہ قراءت فاتحہ کا جواز منسوخ ہوگیا، اور یہیں سے مذکورہ تعارض بھی دفع ہوگیا۔

اشکال مع جواب

اشکال: امام شافعیؒ نے جو دلیل پیش کی اس کے ایک جزء "لاتفعلوا الا بام القرآن" سے تو سورۂ فاتحہ کا صرف جواز معلوم ہورہا ہے، اور اس پر بحث ہو بھی گئی، لیکن دوسرے جزء "فانه لا صلوة لمن لم یقرأ بها" اس سے تو سورۂ فاتحہ کا وجوب ثابت ہورہا ہے، اس پر بحث نہیں ہوئی۔

جواب: حدیث کا یہ دوسرا جزء اس حدیث کا جزء نہیں ہے، بلکہ وہ حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوسری مستقل حدیث ہے، حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دونوں کو اپنے طور پر یکجا کردیا ہے، اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اگر ایسا نہ مانا جائے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شروع وآخر کے فرمان میں تعارض پیدا ہوجائے گا، کیونکہ "الا بام القرآن" سے سورۂ فاتحہ کی اباحت ہورہی ہے، اور "لا صلوة" سے وجوب ثابت ہورہا ہے، اور دونوں میں تعارض ظاہر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ "فانه لا صلوة لمن لم یقرأ بها" کا تعلق مقتدی سے نہیں ہے، کیونکہ مقتدی کے لئے تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا" یعنی مقتدی کچھ بھی قراءت نہیں کریگا، بلکہ خاموش کھڑا ہوکر امام کی قراءت سنے گا، حدیث باب میں موجود سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم امام اور منفرد کے حق میں

ہے، چنانچہ اس کی وضاحت ترمذی کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ "من صلی رکعة لم یقرأ فیھا بام القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام" [جس شخص نے سورۂ فاتحہ کے بغیر رکعت پڑھی اس کی نماز نہیں ہوئی الا یہ کہ وہ امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو] معلوم ہوا کہ مقتدی کے لئے سورۂ فاتحہ کی قراءت لازم نہیں ہے، منفرد اور امام کے لئے سورۂ فاتحہ کی قراءت واجب ہے، حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں "لمن لم یقرأ الخ" کو عام قرار دے کر مقتدی کو اس کے تحت داخل کرنا درست نہیں ہے۔

نیز سب کے نزدیک مدرک رکوع مدرک رکعت شمار کیا جاتا ہے، حالانکہ اس نے حقیقۃً قراءت نہیں کی، لہٰذا ماننا پڑے گا کہ امام کی قراءت سے حکماً اس کی قراءت ہوگئی۔

سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز ناقص ہے

﴿۷۶۶﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی صَلٰوةً لَمْ یَقْرَأْ فِیْهَا بِاُمِّ الْقُرْآنِ فَهِیَ خِدَاجٌ ثَلَاثاً غَیْرَ تَمَامٍ فَقِیْلَ لِاَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اِنَّا نَکُوْنُ وَرَاءَ الْاِمَامِ قَالَ اِقْرَأْ بِهَا فِیْ نَفْسِكَ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی قَسَمْتُ الصَّلٰوةَ بَیْنِیْ وَبَیْنَ عَبْدِیْ نِصْفَیْنِ وَلِعَبْدِیْ مَا سَأَلَ فَاِذَا قَالَ الْعَبْدُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، قَالَ تَعَالٰی حَمِدَنِیْ عَبْدِیْ وَاِذَا قَالَ الرَّحْمٰنِ

الرَّحِیْمِ، قَالَ تَعَالیٰ اَثْنٰی عَلَیَّ عَبْدِیْ وَاِذَا قَالَ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ قَالَ مَجَّدَنِیْ عَبْدِیْ وَاِذَا قَالَ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ قَالَ هٰذَا بَیْنِیْ وَبَیْنَ عَبْدِیْ وَلِعَبْدِیْ مَا سَأَلَ فَاِذَا قَالَ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ، قَالَ هٰذَا لِعَبْدِیْ وَلِعَبْدِیْ مَا سَأَلَ۔ (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱۶۹ / ۱۷۰ / ۱، باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۳۹۵۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص نماز پڑھے اور اس میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت نہ کرے تو وہ نماز ناقص ہے۔ (فھی خداج [یعنی وہ نماز ناقص ہے]) تین بار فرمایا: وہ نماز نامکمل ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ جب ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں اس وقت بھی کیا ایسا ہی ہے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس وقت اپنے دل میں سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کرو، بلاشبہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کر دیا ہے، اور میرے بندے کو وہ ملے گا جو اس نے مانگا، چنانچہ بندہ جب ''الحمد للہ رب العالمین'' [تمام تعریفیں سارے جہان کے رب کے لئے ہیں] کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''حمدنی عبدی'' [میرے بندے نے میری تعریف کی] اور جب بندہ کہتا ہے: ''الرحمن الرحیم'' [اللہ تعالیٰ بے حد مہربان اور نہایت رحم والا ہے] تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اثنی علی عبدی'' [میرے بندے نے میری تعریف کی] اور جب بندہ کہتا ہے: ''مالک یوم الدین'' [روز جزا کا مالک ہے] تو

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "مجدنی عبدی" [میرے بندے نے میری بزرگی اور بڑائی بیان کی] اور جب بندہ کہتا ہے: "ایاک نعبد وایاک نستعین" [تیری ہی ہم بندگی کرتے ہیں، اور تجھ ہی سے ہم مدد چاہتے ہیں] تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "ھذا بینی وبین عبدی الخ" [یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے، اور میرے بندے کے لئے وہ ہے جو اس نے مانگا] اور جب بندہ کہتا ہے: "اھدنا الصراط المستقیم الخ" [ہتلا ہم کو راہ سیدھی، راہ ان لوگوں کی جن پر تو نے فضل فرمایا، جن پر نہ تیرا غصہ ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔] تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "ھذا لعبدی ولعبدی ما سأل" [یہ میرے بندے کے واسطے ہے، اور میرے بندے کو وہ ملے گا جو اس نے مانگا۔]

تشریح: اس حدیث شریف میں خاص طور پر تین چیزیں مذکور ہیں:

(۱)...... آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تاکید کے ساتھ یہ بات فرمائی ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز ناتمام ہے، اس سے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے، کیونکہ واجب چھوٹنے ہی سے نماز نامکمل ہوتی ہے، فرض چھوٹنے سے تو سرے سے نماز ہی نہیں ہوتی ہے۔

(۲)...... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ امام کے پیچھے ہونے کی صورت میں بھی سورۂ فاتحہ پڑھی جائے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اجتہاد سے جواب دیا کہ امام کے پیچھے ہونے کی صورت میں چپکے چپکے دل میں سورۂ فاتحہ پڑھی جائے، یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنا اجتہاد ہے، جو کہ احادیث مرفوعہ کے مقابل میں حجت نہیں۔

(۳)...... حدیث قدسی سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نماز کے ایک جزء سورۂ فاتحہ کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان بایں طور تقسیم کرلیا ہے کہ شروع کی تین آیتیں خود

باری تعالیٰ سے متعلق ہیں، ان میں باری تعالیٰ کی بندے کی جانب سے حمد وثنا بیان کی گئی ہے، چوتھی آیت بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان مشترک ہے، آدھی آیت میں اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کا اعتراف ہے، اور آدھی آیت میں بندے کی طلب حاجت ہے، اور آخیر کی تین آیات بندے سے متعلق ہیں، جس میں بندے نے اپنے لئے ہدایت کی دعا مانگی ہے، حاصل یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کی سات آیتوں میں سے ساڑھے تین آیات اللہ تعالیٰ سے متعلق ہیں، اور ساڑھے تین آیات بندے سے متعلق ہیں، اور یوں یہ سورت اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان مشترک ہے۔

من صلی صلوۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فہی خداج: جس نے نماز میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی تو اس کی نماز ناقص ہے۔ "خدجت الناقۃ" اس وقت بولا جاتا ہے جب اونٹنی وقت سے پہلے بچہ جن دے، اگر چہ تام الخلقت ہو، اور "اخدجت" اس وقت بولا جاتا ہے جب کہ بچہ ناقص جنا ہو، اگر چہ کامل وقت گذرنے کے بعد جنا ہو، اہل لغت کی ایک جماعت اس بات کے قائل ہے کہ "خدجت" اور "اخدجت" دونوں ہی اس وقت بولے جاتے ہیں جب کہ اونٹنی نے ناتمام بچہ جنا ہو۔ (فتح الملہم: ۲/۲۷۶)

حدیث باب میں سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز کو خداج سے تعبیر کیا ہے، اور اس کی وضاحت یا تاکید "غیر تمام" سے بھی کردی گئی، معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز ہو جائے گی، لیکن ناقص اور ناتمام ہوگی، چنانچہ حنفیہ کے نزدیک فریضہ ساقط ہو جائے گا، لیکن نماز قابل اعادہ رہے گی۔

اقرأ بہا فی نفسک: جب امام کے ساتھ نماز پڑھو تو دل ہی دل میں سورۂ فاتحہ پڑھو، حدیث کا یہ جزء حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنا اجتہاد ہے، جو کہ حدیث مرفوع کے مقابلہ میں حجت نہیں ہو سکتا، نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کا

مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بغیر تلفظ کے دل ہی دل میں سورۂ فاتحہ پڑھی جائے، یا پھر یہ مطلب ہوسکتا ہے کہ سورۂ فاتحہ کے معانی کا استحضار رکھا جائے، نہ کہ الفاظ کا اور یہ ہمارے خلاف نہیں ہے۔ (مرقاۃ:۲/۲۸۴)

قسمت الصلوۃ: "صلوۃ" سے مراد سورۂ فاتحہ ہے، سورۂ فاتحہ نماز کا جزء ہے، یہاں کل بول کر جزء مراد لیا گیا ہے، یا پھر "قراءۃ الصلوۃ" تھا، مضاف کو حذف کر کے صرف صلوۃ کہہ دیا۔

هذا بینی وبین عبدی: نماز تو صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے، لہٰذا اس جزء سے بھی خوب اچھی طرح وضاحت ہوگئی کہ نماز سے مراد سورۂ فاتحہ ہے، سورۂ فاتحہ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان بٹی ہوئی ہے، کچھ آیات میں اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے، اور کچھ میں بندے کی طلب اور حاجت ہے۔

نماز میں بسم اللہ پڑھنا

﴿۷۶۷﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا كَانُوْا یَفْتَتِحُوْنَ الصَّلٰوةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شریف: ۱/۱۷۲، حجة من قال لایجهر بالبسملة، کتاب الصلوة. حدیث نمبر: ۳۹۹.

ترجمه: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نماز کو "الحمد للہ رب العالمین" سے شروع فرماتے تھے۔

تشریح: نماز میں قراءت سورۂ فاتحہ سے شروع کی جائے گی۔یہی طریقہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا،حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دیگر اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تھا۔سورۂ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ اور ثناوغیرہ کو آہستہ سے پڑھا جائے گا۔

کانوا یفتتحون الصلوۃ: حدیث کے اس جزء سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سورۂ فاتحہ کی تلاوت شروع کرنے سے پہلے "بسم اللہ" نہیں پڑھتے تھے،کیونکہ حدیث میں قراءت کی شروعات میں "الحمد للہ" پڑھے جانے کا ذکر ہے نہ کہ "بسم اللہ" کا حالانکہ امام مالکؒ کے علاوہ دیگر ائمہ سورۂ فاتحہ کی تلاوت سے پہلے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" پڑھے جانے کے قائل ہیں،یہ الگ بات ہے کہ بعض لوگ آہستہ پڑھنے کے قائل ہیں،اور بعض آواز کے ساتھ پڑھنے کا حکم کرتے ہیں۔

درحقیقت یہاں دو مسئلے ہیں:

(۱)...... "بسم اللہ" قرآن کا جزء ہے یا نہیں؟

(۲)......نماز میں سورۂ فاتحہ سے پہلے "بسم اللہ" پڑھی جائے گی یا نہیں۔

حدیث نمبر:۷۴۵ر کے تحت دونوں مسئلوں پر تفصیلی بحث گذر چکی ہے۔

سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہنا

﴿۷۶۸﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمَّنَ الْاِمَامُ فَاَمِّنُوْا فَاِنَّهٗ مَنْ وَافَقَ تَأْمِيْنُهٗ تَأْمِيْنَ الْمَلٰئِكَةِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔ (متفق علیہ)

وَفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ فَقُوْلُوْا آمِیْنَ فَاِنَّهٗ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهٗ قَوْلَ الْمَلٰئِکَةِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِیِّ وَلِمُسْلِمٍ نَحْوُهٗ وَفِیْ اُخْرٰی لِلْبُخَارِیِّ قَالَ اِذَا اَمَّنَ الْقَارِیُّ فَاَمِّنُوْا فَاِنَّ الْمَلٰئِکَةَ تُؤَمِّنُ فَمَنْ وَافَقَ تَاْمِیْنُهٗ تَاْمِیْنَ الْمَلٰئِکَةِ غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔

حوالہ: (پہلی روایت)بخاری شریف:۱۰۸/۱، باب جهر الامام بالتأمین، کتاب الاذان، حدیث نمبر:۷۸۰۔مسلم شریف:۱۷۶/۱، باب التسمیع والتحمید والتأمین، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۴۱۰۔(دوسری حدیث)بخاری شریف:۹۵۷/۲، باب التأمین، کتاب الدعوات، حدیث نمبر:۶۴۰۲۔مسلم حوالہ بالا۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’جب امام آمین کہے تو آمین کہو، اس لئے کہ جس شخص کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگئی تو اس کے سابقہ سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔(بخاری، مسلم) اور ایک روایت میں ہے کہ جب امام ”غیر المغضوب علیهم و لا الضآلین“ کہے تو آمین کہو، اس لئے کہ جس کا کہنا فرشتوں کے کہنے کے موافق ہوگیا تو اس کے سابقہ سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے، یہ بخاری شریف کے الفاظ ہیں، اور مسلم میں بھی اسی کے مثل الفاظ ہیں، بخاری کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب قاری آمین کہے تو تم لوگ بھی آمین کہو، اس لئے کہ فرشتے بھی آمین کہتے ہیں، تو جس شخص کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہو جائے گی اس کے سابقہ سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

تشریح: اس حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مقتدیوں کو

اس بات کی ترغیب دی ہے کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، اس روایت سے آمین کہنے کی فضیلت خوب اچھی طرح معلوم ہورہی ہے، کیونکہ آمین کہنے کا ثمرہ یہ ہے کہ اگر کسی کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوئی تو اس کے پچھلے تمام گناہ معاف ہوجائیں گے، سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد آمین کہنا فقہاء کے نزدیک سنت ہے، البتہ زور سے آمین کہا جائے یا آہستہ سے اس میں اختلاف ہے۔

اذا امن الامام فامنوا: مطلب یہ ہے کہ جب امام آمین کہنے کا ارادہ کرے تو تم آمین کہو، امام آمین کہنے کا ارادہ کررہا ہے یہ کیسے معلوم ہو؟ اس کی وضاحت آگے حدیث میں ہے کہ جب امام "ولا الضالین" کہے تو سمجھ لو کہ امام آمین کہنے جارہا ہے، اسی وقت مقتدی بھی آمین کہیں، تاکہ امام اور مقتدی دونوں کی آمین ساتھ میں ہوجائے، اور دونوں کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوجائے، اور دونوں کے گناہ معاف ہوجائیں۔

اگر "فأمنوا" کی فا کو تعقیب کیلئے مانیں اور یہ مراد لیں کہ امام کے آمین کے بعد مقتدی آمین کہیں تو ایسی صورت میں فرشتوں کے ساتھ امام و مقتدی کی موافقت نہیں ہوسکے گی۔

فانہ من وافق تامینہ: جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوجائے گی اس کے سابقہ سارے گناہ معاف ہوجائیں گے، موافقت اخلاص کے اعتبار سے ہے، یا قبولیت کے اعتبار سے ہے، اور یہاں فرشتوں سے مراد "حفظہ" فرشتے ہیں۔

مسئلہ آمین اور اختلاف ائمہ

آمین کے سلسلہ میں پہلا اختلاف یہ ہے کہ آمین کس کا وظیفہ ہے؟ دوسرا اختلاف یہ ہے کہ آمین آہستہ سے کہا جائے یا بلند آواز سے کہا جائے؟ دونوں طرح کے اختلافات کو ترتیب وار نقل کیا جاتا ہے۔

آمین کس کا وظیفہ ہے؟

جمہور کا مذہب: جمہور کے نزدیک مقتدی اور امام دونوں کے لئے آمین کہنا سنت ہے۔

دلیل: "اذا أمن الامام فأمنوا" (رواہ ابو داؤد) [جب امام آمین کہے تو تم لوگ بھی آمین کہو] معلوم ہوا کہ امام اور مقتدی دونوں آمین کہیں گے۔

امام مالکؒ کا مذہب: امام مالکؒ سے ایک روایت تو جمہور کے قول کے مطابق ہے، لیکن زیادہ مشہور روایت کے مطابق ان کا مذہب یہ ہے کہ آمین صرف مقتدی کا وظیفہ ہے، امام کا نہیں۔

دلیل: امام مالکؒ کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوع روایت ہے: "ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال اذا قال الامام غیر المغضوب علیہم ولا الضآلین فقولوا آمین الخ" [جب امام "غیر المغضوب علیہم ولا الضآلین" کہے تو تم لوگ آمین کہو]

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امام اور مقتدی کے کاموں کو تقسیم کر دیا ہے، امام کا کام "ولا الضآلین" کہنا ہے، اور مقتدی کا کام "آمین" کہنا ہے۔ "والقسمة تنافي الشركة" (قواعد الفقه)

جواب: جمہور اس کا جواب دیتے ہیں کہ امام مالکؒ کی طرف سے جو حدیث پیش کی گئی ہے اس میں امام اور مقتدی کے وظائف کی تقسیم نہیں ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ امام اور مقتدی دونوں کی آمین بیک وقت ہو جائے، اس کا طریقہ یہ بتایا گیا کہ امام جب "ولا الضآلین" کہہ لے تو دونوں حضرات "آمین" کہیں، تاکہ دونوں کی آمین بیک

وقت ہو جائے اور فرشتوں کی آمین کے موافق ہو سکے، اسی کو ایک حدیث میں کہا گیا ہے: "فان الامام یقول آمین" [امام بھی آمین کہتا ہے۔] (نسائی شریف: ١٠٧)

آمین سراً کہی جائے یا جہراً

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب: امام صاحبؒ کے نزدیک امام و مقتدی سب کے لئے آمین سراً کہنا سنت ہے۔

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ کا مفتی بہ مذہب یہ ہے کہ آمین جہراً کہنا سنت ہے، یہی امام احمد کا مذہب ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے دلائل: (١)......"ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال اذا قال الامام ولا الضآلین فقولوا آمین، فان الامام یقولها" (کذا فی الفتح لابن حجر: ٢/٥١٤) [جب امام "ولا الضآلین" کہے تو تم لوگ (مقتدی) آمین کہو، اس لئے کہ امام بھی آمین کہتا ہے] حدیث کے اس جزء سے "ان الامام یقولها" سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ امام سراً آمین کہے گا، اسی وجہ سے تو یہ بتایا گیا ہے کہ امام بھی آمین کہتا ہے، اور جب امام سراً کہے گا تو مقتدی بھی سراً کہیں گے۔

(٢)......حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس کے الفاظ ہیں: "خفض بها صوته" [آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آمین کہتے وقت آواز پست کر لی۔]

(٣)......حضرت امام نخعیؒ کا قول ہے کہ امام پانچ چیزیں آہستہ کہے گا۔ (١) ثناء۔ (٢) تعوذ، (٣) بسم اللہ۔ (٤) آمین۔ (٥) تحمید۔

(٤)......ابو داؤد شریف میں حضرت سمرہ اور حضرت عمران رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا واقعہ موجود ہے، حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا ہے کہ مجھے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم سے دو سکتے یاد ہیں، ایک سکتہ تکبیر تحریمہ کے بعد، دوسرا سکتہ ''ولا الضآلین'' کے بعد، حضرت عمران رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوسرے سکتہ کا انکار فرمایا ان دونوں حضرات نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف رجوع کیا، حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بات کو صحیح قرار دیا، معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ''ولا الضآلین'' کے بعد بھی کچھ دیر کیلئے خاموش ہوتے تھے۔

پہلا سکتہ: ''ثناء'' کے لئے تھا، اور دوسرا سکتہ: ''آمین'' کے لئے تھا، اور جب آمین کے لئے سکتہ ثابت ہوگیا تو یہ بات خود بخود ثابت ہوگئی کہ آمین آہستہ آواز سے کہا جائے گا۔

امام شافعیؒ کی دلیل: امام شافعیؒ کی سب سے مضبوط دلیل حدیث باب ہے، اس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **''اذا امن الامام فامنوا''** [جب امام آمین کہے تو تم لوگ بھی آمین کہو] اس حدیث میں امام کے آمین کہنے کے ساتھ مقتدی کو آمین کہنے کا حکم دیا گیا ہے، اور ظاہر سی بات ہے کہ مقتدی کو امام کے آمین کہنے کا علم اسی وقت ہوگا جب امام جہراً آمین کہے گا، معلوم ہوا کہ امام جہراً آمین کہے گا اور جب امام جہراً آمین کہے گا تو اس کی پیروی کرتے ہوئے مقتدی بھی جہراً آمین کہیں گے۔

جواب: امام شافعیؒ کا یہ استدلال اس وقت درست ہوسکتا ہے، جب امام کی آمین کے علم کا کوئی اور ذریعہ نہ ہو اور امام کے آمین کہنے کے وقت کی تعیین کے لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کوئی اور طریقہ نہ بیان کیا ہو، حالانکہ روایات کا جائزہ لینے سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امام کے آمین کہنے کا وقت واضح طور پر بیان کردیا ہے، چنانچہ متن میں حدیث موجود ہے:

"اذا قال غیر المغضوب علیهم ولا الضآلین فقولوا آمین" یعنی جب امام "ولا الضآلین" کہہ چکے تو مقتدی آمین کہیں، اسی وقت امام بھی آمین کہے گا اور دونوں کی آمین کا وقت ایک ہو جائے گا، اگر یہ تشریح نہ لی جائے اور یہ کہا جائے کہ امام آمین کہے اس کے بعد مقتدی آمین کہیں تو اس صورت میں امام اور مقتدی کا توافق باقی نہیں رہے گا، اور حدیث کا اصل مقصد (کہ امام و مقتدی کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہو جائے) فوت ہو جائیگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام کیلئے زور سے آمین کہہ کر مقتدی کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ مقتدی امام کے "ولا الضآلین" کہتے ہی خود سمجھ لیں گے کہ آمین کہنے کا وقت ہو گیا۔

اشکال مع جواب

اشکال: حدیث باب میں "فقولوا آمین" ہے، خطاب کے موقعہ پر مطلق قول بولا جائے تو اس سے جہر ہی مراد ہوتا ہے، لہٰذا آپ کا یہاں آمین کے بارے میں آہستہ کہنے کا حکم لگانا ضابطہ کے خلاف ہے۔

جواب: جو ضابطہ پیش کیا گیا ہے وہ کلی نہیں ہے، چنانچہ شوافع بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں، چنانچہ دیکھئے روایت میں آتا ہے کہ "اذا قال الامام سمع الله لمن حمده فقولوا اللهم ربنا لک الحمد" (متفق علیه) دیکھئے یہاں "قولوا" کہہ کر خطاب کیا گیا ہے ضابطہ کے مطابق "اللهم ربنا لک الحمد" جہراً کہنا چاہئے، لیکن جہراً کہنا کسی کا مذہب نہیں ہے۔

امام شافعیؒ کے مذہب کے مطابق ایک دلیل نقل کی گئی ہے، اس کے علاوہ بھی جہراً کہے جانے کے بارے میں روایات نقل کی جاتی ہیں، لیکن جہراً آمین کہنے کے بارے میں جو

روایت صریح ہیں وہ صحیح نہیں ہیں، اور جو صحیح ہیں وہ صریح نہیں ہیں۔

جہراً آمین کہنا تعلیم کے لئے تھا

روایات جہراً آمین کہنے کے بارے میں بھی ہیں اور سراً کہنے کے بارے میں بھی ہیں، لیکن اگر عمیق نظر سے دیکھا جائے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اصل سنت آمین میں یہ ہے کہ ''آمین'' سراً کہا جائے کیونکہ آمین ایک دعا ہے، چنانچہ امام بخاریؒ نے عطا کا قول نقل کرتے ہوئے کہا ہے: ''آمین دعاءٌ'' اور دعا میں افضل سر ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب بھی زور سے آمین کہا ہے تو وہ لوگوں کو تعلیم دینے کے لئے کہا ہے، چنانچہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے: ''**فقال آمین یمد بھا صوتہ ما اراہ الا لیعلمنا**'' (**فتح الملہم: ۲/۳۴۲/۳**) [حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آمین کہی اور آمین کہتے وقت آواز کھینچی، میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقصد تعلیم دینا تھا۔] جس طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں باہر سے کچھ لوگ دین سیکھنے کیلئے آئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی تعلیم کیلئے ثناء زور سے پڑھی تھی، اسی طرح آنخضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی کبھی سری نمازوں میں ایک دو آیتیں زور سے تلاوت کرتے تھے، تاکہ لوگ یہ جان لیں کہ سری نمازوں میں تلاوت کی جائے گی۔

حاصل یہ ہے کہ زور سے آمین کہنا بطور تعلیم تھا، اصل آمین آہستہ سے کہنا ہے۔

وجوہ ترجیح: حنفیہ کا مذہب راجح ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مؤید بالقرآن ہے، جیسا کہ گذرا کہ آمین ایک دعا ہے، اور دعا کا قرآن میں آہستہ سے کرنے کا حکم دیا گیا ہے، نیز احناف کے دلائل صریح اور صحیح ہیں، جب کہ شوافع کے دلائل جو صحیح ہیں وہ صریح نہیں اور جو صریح ہیں وہ صحیح نہیں ہیں، اسی طرح ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آمین

قرآن کا جزء نہیں ہے، جس طرح "تعوذ" قرآن کا جزء نہیں ہے، لہٰذا جس طرح "تعوذ" سراً ہے اسی طرح آمین بھی سراً ہے۔

تنبیہ: یہ جو اختلاف گذرا یہ افضل اور غیر افضل ہونے کا اختلاف ہے، جواز اور عدم جواز کا اختلاف نہیں ہے، لہٰذا اس کے بارے میں جواز اور عدم جواز کی بحثیں چھیڑنا قطعی درست نہیں ہے۔

صف کی درستگی کا حکم

﴿۷۶۹﴾ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلَّیْتُمْ فَاَقِیْمُوْا صُفُوْفَکُمْ ثُمَّ لِیَؤُمَّکُمْ اَحَدُکُمْ فَاِذَا کَبَّرَ فَکَبِّرُوْا وَاِذَا قَالَ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ فَقُوْلُوْا آمِیْنَ یُجِبْکُمُ اللّٰہُ فَاِذَا کَبَّرَ وَرَکَعَ فَکَبِّرُوْا وَارْکَعُوْا فَاِنَّ الْاِمَامَ یَرْکَعُ قَبْلَکُمْ وَیَرْفَعُ قَبْلَکُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَتِلْکَ بِتِلْکَ وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ فَقُوْلُوْا اَللّٰہُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ یَسْمَعِ اللّٰہُ لَکُمْ۔ (رواہ مسلم) وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَہٗ عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ وَقَتَادَۃَ وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا۔

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۱۷۴، باب التشہد فی الصلوۃ، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۴۰۴۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ جب تم نماز پڑھو تو اپنی صفوں کو درست کرلو،

پھر چاہئے کہ تم میں سے کوئی شخص تمہارا امام ہو جائے تو وہ جب تکبیر کہے تو تم لوگ بھی تکبیر کہو، اور جب وہ کہے: "غیر المغضوب علیهم ولا الضآلین" تو تم لوگ آمین کہو، اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول کریگا، پھر جب امام "الله اکبـــــر" کہہ کر رکوع کرے تو تم لوگ بھی "الله اکبر" کہتے ہوئے رکوع میں جاؤ، بلاشبہ امام تم سے پہلے رکوع میں جاتا ہے، اور تم سے پہلے رکوع سے اٹھتا ہے، پھر حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تو یہ اس کے بدلہ میں ہے، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اور جب امام "سمع الله لمن حمده" کہے، تو تم لوگ "اللهم ربنا لک الحمد" کہو، اللہ تعالیٰ تمہاری سنے گا۔ (مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ الفاظ بھی منقول ہیں: "واذا قرا فانصتوا" [جب امام قراءت کرے تو خاموش رہو]

تشریح: اس حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مقتدیوں کو چند باتوں کی ہدایت فرمائی ہے:

(۱)...... جماعت شروع ہونے سے پہلے صفوں کی درستگی کا اچھی طرح سے اہتمام کرلینا چاہئے، شریعت کی نگاہ میں صفوں کی درستگی کی بڑی اہمیت ہے۔

(۲)......مقتدیوں کو اپنے میں سے کسی ایسے شخص کو امام مقرر کرلینا چاہئے جو امامت کا اہل ہو۔

(۳)......امام جب سورۂ فاتحہ کی تلاوت سے فارغ ہوجائے تو آمین کہنا چاہئے، آمین کہنے سے اللہ تعالیٰ دعا ضرور قبول فرماتے ہیں۔

(۴)...... امام کے رکوع میں جانے کے بعد مقتدیوں کو رکوع میں جانا چاہئے۔ اسی طرح امام کے رکوع سے اٹھنے کے بعد مقتدیوں کو اٹھنا چاہئے، امام رکوع میں پہلے جاتا ہے، اور پہلے ہی رکوع سے واپس بھی ہو جاتا ہے، اس طرح امام اور مقتدیوں دونوں کے رکوع کی مقدار برابر ہو جاتی ہے۔

(۵)......امام رکوع سے اٹھتے وقت "سمع اللہ لمن حمدہ" کہے گا، مقتدیوں کو چاہئے کہ "اللھم ربنا لک الحمد" کہیں۔

اذا صلیتم فاقیموا صفوفکم: مطلب یہ ہے کہ جب نماز کا ارادہ کرو تو اپنی صفیں درست کرلو، صفوں کو اس طور پر درست کرنا مسنون ہے کہ اس میں کجی یا کشادگی باقی نہ رہے۔

صفوں کی درستگی کی فضیلت

صفوں کی درستگی کی اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بڑی تاکید فرمائی ہے، اور صفوں کی کجی پر بہت سی وعیدیں سنائی ہیں، ایک موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: "سووا صفوفکم فان تسویة الصفوف من اقامة الصلوة" (متفق علیہ) [صفوں کو سیدھا رکھو، اس لئے کہ صفوں کو سیدھا رکھنا نماز کو قائم رکھنے کا حصہ ہے۔]

ایک موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: "اقیموا الصف فی الصلوة فان اقامة الصف من حسن الصلوة" (رواہ البخاری) [نماز میں صف کو سیدھا رکھو، اس لئے کہ صف کا سیدھا رکھنا نماز کے حسن میں شامل ہے۔]

ایک روایت میں ہے: "یسوی صفوفنا حتی کأنما یسوی بھا القداح" (رواہ مسلم: ۱۸۲/۱) [آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صفوں کو اس طرح سیدھا کرتے تھے، گویا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے ذریعہ سے تیروں کو سیدھا کررہے ہیں۔]

صفوں کی کجی پر وعید

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صفیں ٹیڑھی کرنے والوں کی شدید مذمت فرمائی ہے، ایک موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اقیموا صفوفکم ثلاثا واللہ لتقیمن صفوفکم او لیخالفن اللہ بین قلوبکم" (ابوداؤد: ٩٧) [آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا کہ اپنی صفوں کو سیدھا رکھو، اللہ کی قسم اپنی صفوں کو ضرور سیدھا کرو، ورنہ اللہ تمہارے دلوں کے اندر اختلاف ڈال دے گا۔]

ایک روایت میں "بین قلوبکم" کے بجائے "بین وجوھکم" ہے، اس صورت میں یہ وعید ہو جائے گی کہ اللہ تمہارے چہروں کو مسخ کر دے گا۔

ایک موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لا تختلفوا فتختلف قلوبکم" (رواہ مسلم: ١٨١/١) صف میں آگے پیچھے ہو کر اختلاف مت ڈالو، ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔

ایک موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "فو الذی نفسی بیدہ انی لأری الشیطان یدخل من خلل الصف" (ابوداؤد: ٩٧) [قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میں شیطان کو دیکھتا ہوں کہ وہ صف کی کشادگی میں داخل ہو جاتا ہے۔] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صف کے درمیان جگہ بھی نہ چھوڑنا چاہئے۔

صفوں کی درستگی میں غیر مقلدین کا طریقہ

جب اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صف کی درستگی کی اتنی تاکید فرمائی تو حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین صفوں کی درستگی پر بہت زیادہ توجہ دینے لگے،

چنانچہ روایت میں آتا ہے: "کان احدنا یلزق منکبہ لمنکب صاحبہ وقدمہ بقدمہ" [ہم میں سے ہر شخص صف میں اپنے شانہ کو اپنے ساتھی کے شانہ اور اپنے قدم کو اپنے ساتھی کے قدم سے ملا دیتا تھا۔] یہ بخاری میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، ابوداؤد میں نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ذرا اور وضاحت ہے، "فرأیت الرجل یلزق منکبہ بمنکب صاحبہ ورکبتہ برکبۃ صاحبہ وکعبہ بکعبہ" [میں نے دیکھا کہ آدمی اپنے کاندھے کو اپنے ساتھی کے کاندھے سے اپنے گھٹنے کو اپنے ساتھی کے گھٹنے سے اور اپنے ٹخنے کو اپنے ساتھی کے ٹخنے سے ملا دیا کرتا تھا۔]

ہمارے نزدیک ان روایتوں کے معنی یہ ہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ایک دوسرے سے مل کر کھڑے ہوتے تھے، اسی طرح مل کر کھڑے ہونے کو "الزاق" سے تعبیر کیا ہے، یہاں "الزاق" کے حقیقی معنی مراد نہیں، کیونکہ "الزاق" کے معنی چپکانے کے ہیں، ظاہر سی بات ہے یہاں حقیقی معنی مراد لینا ممکن نہیں ہے، چنانچہ مجازی معنی اختیار کئے جائیں گے، اور مجازی معنی "قریب" ہوں گے، جیسے کہ "الزاق" کے ہم معنی لفظ "الصاق" کے نحوی کتب میں مذکور ہیں، نحو کی کتابوں میں آتا ہے، "الباء للالصاق" اور اس کی مثال "مررت بزید" ذکر کی جاتی ہے اور اس کی وضاحت کرتے ہوئے یہ بات کہی جاتی ہے، "ای مررت بمکان یقرب منہ زید" دیکھئے یہاں "الصاق" سے قرب ہی مراد لیا گیا ہے، لیکن غیر مقلدین حضرات ان باتوں کی طرف توجہ نہ دے کر بتکلف پیروں سے پیروں کو ملا کر کھڑے ہوتے ہیں، اور ان کا استدلال انہیں احادیث بالا سے ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ ابوداؤد کی حدیث میں "منکبہ بمنکب صاحبہ ورکبتہ برکبۃ صاحبہ" کے الفاظ ہیں، اب دیکھئے کیا یہ ممکن ہے کہ صف میں ہر ایک دوسرے کے کندھے سے کندھا ملا کر ہی کھڑا ہو، اس صورت میں صف میں کھڑے ہونے والے تمام لوگوں کے

قدموں کا برابر ہونا ضروری ہوگا، اور یہ بات محال ہے، نیز حدیث میں آگے "کعبه بکعبه" ہے، یہاں "بکعب صاحبه" نہیں فرمایا ہے، جیسا کہ اوپر "بمنکب صاحبه" اور "برکبة صاحبه" فرمایا ہے، معلوم ہوا کہ اپنے بغل میں کھڑے ہوئے ساتھی کے ٹخنے سے ٹخنا ملانا مراد نہیں ہے، اور پھر اگر مان بھی لیا جائے کہ اپنے ساتھی کے ٹخنے مراد ہیں تو بھی حافظ ابن حجرؒ کے قول کے مطابق یہ مبالغہ پر محمول ہوگا، کیونکہ بغل میں کھڑے ہوئے ساتھی کے ٹخنے سے ٹخنے ملانا ممکن ہی نہیں ہے، لہٰذا غیر مقلدین جو ایک دوسرے کے پیر سے پیر چپکا کر کھڑے ہوتے ہیں وہ طریقہ منشأ حدیث کے مطابق نہیں ہے، نیز یہ طریقہ ہیئت صلاۃ کے خلاف بھی ہے، اور اس صورت میں کشادگی بھی درمیان میں ہو جاتی ہے، جبکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سدّ خلل یعنی کشادگی کو بند کرنے کا حکم دیا ہے۔ "الزاق" والی حدیث کا صرف یہ مطلب ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک ہی خط پر کھڑے ہوتے تھے، اور ایک دوسرے سے مل کر کھڑے ہوتے تھے۔

ثم لیؤمکم احدکم: پھر تم میں سے کوئی شخص تمہارا امام ہو جائے یہ اس صورت میں ہے جب کہ تمام مقتدی عمر اور فضیلت میں برابر ہوں، ورنہ جو امامت کا زیادہ اہل ہوگا اس کو امام بنا دیا جائے گا۔

فاذا کبر فکبروا: یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ امام کی موافقت لازم ہے، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں یہیں سے معلوم ہوا کہ مقتدی کو تمام تکبیرات میں امام کی تکبیرات سے کچھ تاخیر کرنا چاہئے، اگر وہ امام سے آگے بڑھ گیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

واذا قال غیر المغضوب علیهم ولا الضالین فقولوا آمین: اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب امام سورۂ فاتحہ کی قراءت کرے تو مقتدی خاموش رہیں اور سنیں، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہیں سے امام اور مقتدی کے آمین

کہنے میں مقارنت کا استحباب مستفاد ہو رہا ہے، اس لئے کہ یہ بات معلوم ہے کہ امام کے لئے سورۂ فاتحہ سے فراغت کے بعد آمین کہنا مستحب ہے، اور مقتدی سے پہلے رکوع میں چلا جاتا ہے، اور مقتدی سے پہلے رکوع سے واپس بھی آجاتا ہے۔ لہٰذا امام اور مقتدی کی رکوع کی مقدار یکساں ہو جاتی ہے۔

و اذا قرأ فانصتوا: حدیث کے اس جزء سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے خاموش کھڑا ہوگا، قراءت نہیں کرے گا۔

نماز میں قراءت کا ذکر

﴿٧٧٠﴾ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقْرَأُ فِی الظُّهْرِ فِی الْاُوْلَیَیْنِ بِاُمِّ الْکِتَابِ وَسُوْرَتَیْنِ وَفِی الرَّکْعَتَیْنِ الْاُخْرَیَیْنِ بِاُمِّ الْکِتَابِ وَیُسْمِعُنَا الْآیَةَ اَحْیَانًا وَیُطَوِّلُ فِی الرَّکْعَةِ الْاُوْلٰی مَالَا یُطِیْلُ فِی الرَّکْعَةِ الثَّانِیَةِ وَهٰکَذَا فِی الْعَصْرِ وَهٰکَذَا فِی الصُّبْحِ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ١٠٧/١، باب یقرأ فی الآخرین بفاتحة الکتاب، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ٧٧٦۔ مسلم شریف: ١٨٥/١، باب القراءۃ فی الظهر والعصر، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ٤٥١۔

ترجمه: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی شروع کی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے تھے، اور اخیر کی دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے، اور کبھی کبھی ہمیں کوئی آیت سنا دیتے تھے، اور پہلی

رکعت جتنی لمبی فرماتے تھے، دوسری رکعت اتنی لمبی نہیں فرماتے تھے، اسی طرح عصر میں اور اسی طرح فجر میں۔ (پہلی رکعت کے مقابلہ دوسری رکعت لمبی نہیں فرماتے تھے۔)

تشریح: اس حدیث شریف میں چند باتیں خصوصیت سے بیان کی گئی ہیں۔

(۱)......آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظہر میں یعنی چار رکعت والی نماز میں شروع کی دو رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ کسی دوسری سورت کی بھی قراءت فرماتے تھے، اور بقیہ دو رکعت میں صرف سورۂ فاتحہ کی تلاوت فرماتے تھے۔

(۲)......کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سری نمازوں میں بھی ایک آدھ آیت جہراً تلاوت کرنا بطور تعلیم کے ہوتا تھا، مقصود یہ تھا کہ مقتدی بھی جان لیں کہ سری نمازوں میں بھی قراءت ہے۔

(۳)......شروع کی جن دو رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ مزید سورتوں کی تلاوت ہوتی ہے ان دو رکعتوں میں سے پہلی رکعت کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عموماً دوسری رکعت کے مقابلہ میں دراز فرماتے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ جو لوگ پیچھے رہ گئے ہیں وہ لوگ بھی شامل ہو جائیں۔

وسورتین: مطلب یہ ہے کہ شروع کی دو رکعتوں میں سے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور ایک سورت کی تلاوت فرماتے تھے، مجموعی طور پر دو رکعتوں میں دو سورتیں ہو جاتی تھیں۔

احیاناً: سری نماز میں جہراً ایک آدھ آیت سنانا بھی نادر الوقوع عمل تھا۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سورۂ فاتحہ یا سورت کے بعض کلمات سنا کر پڑھتے تھے، (انہی بعض کلمات کے سنانے کو "الآیۃ" سے تعبیر کیا ہے) تاکہ علم ہو جائے کہ کون سی سورت تلاوت کی جارہی ہے، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ سری نماز میں

آپ کا جہراً پڑھنا بغیر قصد کے تھا، یا بیان جواز کے لئے تھا، یا اس لئے تھا کہ لوگوں کو قراءت کا علم ہو جائے یا پڑھی جانے والی سورت کا علم ہو جائے۔

صاحب مرقاتؒ لکھتے ہیں کہ حافظؒ نے جہراً قراءت کی وجوہ میں سے ایک وجہ بیان جواز بیان کی ہے، ہمارے نزدیک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سری نماز میں جہراً پڑھنا بیان جواز کے لئے نہیں ہو سکتا، اس وجہ سے کہ امام پر جہری نمازوں میں جہر، سری نمازوں میں سر واجب ہے۔

ہاں بیان جواز سے یہ مراد لیا جا سکتا ہے کہ ایک یا دو آیتوں کا جہراً تلاوت کرنا اور بقیہ آیات کا سراً تلاوت کرنا سراً ہی شمار ہوتا ہے۔

ویطول فی الرکعة الاولی: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دوسری رکعت کے مقابلہ میں پہلی رکعت طویل فرماتے تھے، اس کی وجہ حافظ ابن حجرؒ بیان فرماتے ہیں کہ پہلی رکعت میں نشاط زیادہ ہوتا ہے، تو خشوع وخضوع بھی زیادہ ہوگا، لہٰذا پہلی رکعت دراز کی جائے گی، اس کے علاوہ رکعتیں ہلکی رکھی جائیں گی تا کہ اکتاہٹ نہ ہو۔

آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کا حکم

آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شوافع وحنابلہ شروع کی دو رکعتوں کی طرح آخری رکعتوں میں بھی فاتحہ ضروری قرار دیتے ہیں، حنفیہ کے یہاں مشہور قول یہ ہے کہ آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کی قراءت واجب نہیں ہے، بلکہ مسنون ہے۔

سری نمازوں میں جهراً قراءت: حدیث باب کے اندر راوی نقل کرتے ہیں، "**یسمعنا الآیة احیاناً**" سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سری نماز میں کبھی کبھی ایک آدھ آیت جہراً بھی تلاوت فرماتے تھے۔

حنفیہ کے یہاں جہری نمازوں میں جہراً اور سری نمازوں میں سراً قراءت کرنا واجب ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسی پر مواظبت فرمائی ہے، اگر کوئی شخص سری نماز میں جہر کرتا ہے یا جہری نماز میں سر کرتا ہے تو اگر یہ بھولے سے ہے تو واجب چھوٹنے کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہوگا، لیکن اگر سری نماز میں جہراً یا جہری نماز میں سراً "ما یجوز به الصلوة" کی مقدار سے کم ہے تو وہ معاف ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سری نمازوں میں جو جہر فرماتے تھے وہ "مایجوز به الصلوة" کی مقدار سے کم ہوتا تھا، لہٰذا ایسی صورت میں کوئی اشکال نہیں رہا، اور اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "مایجوز به الصلوة" کی مقدار تلاوت فرمائی تو یہ کہا جائے گا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تلاوت فرمانے کا مقصد تعلیم تھا، جس طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آمین کو تعلیم کی غرض سے زور سے کہا ہے، جیسا کہ وائل بن حجرؓ کی روایت گذر چکی۔ "یمد به صوته ما اراه الا لیعلمنا" [آمین کہتے وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی آواز بلند کی، میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ کا مقصد ہمیں تعلیم دینا تھا] اسی طرح سری نماز میں آپ تعلیم کی غرض سے جہر فرماتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم.

پہلی رکعت کی طوالت

حدیث باب کے الفاظ "کان یطول فی الرکعة الاولیٰ" سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہلی رکعت کو طویل فرماتے تھے۔ حدیث باب میں ظہر، عصر اور فجر کا تذکرہ ہے، بقیہ نمازوں کو بھی اسی پر قیاس کیا جائے گا، کیونکہ پہلی رکعت کو طول دینے کی جو علت ہے وہ مشترک ہے، یہ علت کیا ہے؟ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ہی کی روایت جو کہ ابو داؤد میں ہے اس کی صراحت ہے، وہ بیان کرتے ہیں: ''فظننا انه یرید بذلک ان یدرک الناس الرکعة الاولیٰ'' [ہم یہ سمجھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ لوگ پہلی رکعت پالیں] یہی جمہور کا مذہب ہے، امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ صرف فجر کی پہلی رکعت کو طویل کیا جائے گا کیونکہ یہ نیند اور غفلت کا وقت ہے، دیگر نمازوں میں قراءت کے اعتبار سے پہلی اور دوسری رکعتوں کا طول برابر رہے گا۔

اور جن احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مطلقاً پہلی رکعت طویل ہوگی اس کی توجیہ یہ کی جاتی ہے کہ رکعت اولیٰ میں ثناء تسمیہ وغیرہ کا اضافہ ہے، اس لئے وہ طویل ہوتی ہی ہے، ورنہ اصل قراءت کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

مسلم شریف کی روایت ہے: ''کان یقرأ فی صلوة الظهر فی الرکعتین الاولیین فی کل رکعتین قدر ثلاثین آیة وفی الاخریین قدر خمس عشر آیة'' (رواہ مسلم: ۱/۱۸۶) [آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظہر کی نماز میں شروع کی دو رکعتوں میں سے ہر رکعت میں تیس آیتوں کے بقدر تلاوت فرماتے تھے، اور اخیر کی دو رکعتوں میں سے ہر رکعت میں پندرہ آیتوں کی بقدر تلاوت فرماتے تھے۔]

حدیث بالا سے واضح ہوگیا کہ شروع کی دو رکعتوں میں قراءت کے اعتبار سے کمی بیشی نہیں ہے، البتہ فجر کی نماز دیگر احادیث کی بنا پر اس سے مستثنیٰ ہے۔

ظہر اور عصر میں قراءت کی مقدار

﴿۷۷۱﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ کُنَّا نَحْزُرُ قِیَامَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ الظُّھْرِ

وَالْعَصْرِ فَحَزَرْنَا قِيَامَهُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ قَدْرَ قِرَاءَةِ الٓمٓ تَنْزِيْلُ السَّجْدَةِ وَفِي رِوَايَةٍ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ قَدْرَ ثَلَاثِيْنَ آيَةً وَحَزَرْنَا قِيَامَهُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ قَدْرَ النِّصْفِ مِنْ ذٰلِكَ وَحَزَرْنَا فِي الرَّكْعَتَيْنِ مِنَ الْعَصْرِ عَلٰى قَدْرِ قِيَامِهِ فِي الْأُخْرَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَفِي الْأُخْرَيَيْنِ مِنَ الْعَصْرِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ ذٰلِكَ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۱۸۵/۱۸۶، باب القراءۃ فی الظہر والعصر، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۴۵۲۔

حل لغات: نَحزرُ حزر (ن) حزرا اندازہ کرنا، تخمینہ لگانا۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ظہر اور عصر کی نماز میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کا اندازہ لگاتے تھے، چنانچہ ہم نے اندازہ لگایا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظہر کی شروع کی دو رکعتوں میں "الٓم تنزیل" کی قراءت کے بقدر قیام فرماتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ ہر رکعت میں تیس آیات کی تلاوت کے بقدر قیام فرماتے ہیں، اور آخر کی دو رکعتوں کے قیام کا ہم نے اندازہ لگایا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے نصف کے بقدر قیام فرماتے ہیں، اور ہم نے عصر کی نماز کی پہلی دونوں رکعتوں کے بارے میں اندازہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان دونوں رکعتوں میں ظہر کی آخری دو رکعتوں کے بقدر قیام فرماتے ہیں، اور عصر کی آخری دو رکعتوں میں شروع رکعتوں کے نصف حصہ کے بقدر قیام فرماتے ہیں۔

تشریح: اس حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظہر اور عصر کی رکعتوں میں قیام کی مقدار کا ذکر ہے، حدیث باب سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظہر کی شروع کی دو رکعتوں میں اتنی دیر قیام فرماتے تھے جتنی

دیر میں سورۂ "الٓم تنزیل السجدۃ" کی تلاوت کی جاتی ہے، اور سورۂ سجدہ میں کل انتیس آیات ہیں، تو حاصل یہ نکلا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انتیس (۲۹) آیات تلاوت کرنے کے بقدر قیام فرماتے تھے، اسی مفہوم کی وضاحت اس حدیث میں ہے۔ اور اوپر بھی مذکور ہوئی، یعنی "کان یقرأ فی صلوۃ الظھر فی الاولیین فی کل رکعۃ قدر ثلثین آیۃ" اور یہ تو ظہر کی شروع کی دو رکعت کا معاملہ تھا، آخر کی دو رکعتوں میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قیام شروع کی رکعتوں کے مقابلہ میں نصف ہوتا تھا، معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی کبھی آخر کی رکعتوں میں بھی سورۂ فاتحہ کے علاوہ بھی قراءت فرماتے تھے، اور آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے علاوہ بھی قرأت فرمانا بیان جواز کے لئے تھا۔

اور عصر کی نماز میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی شروع کی دو رکعت میں ظہر کی آخری دو رکعتوں کے بقدر قیام فرماتے تھے، اور عصر کی آخری دو رکعتوں کا قیام شروع کی دو رکعت کے قیام کے نصف کے بقدر رہوتا تھا۔

نماز ظہر میں "واللیل" پڑھنے کا ذکر

﴿۷۷۲﴾ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ بِاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى وَفِي رِوَايَةٍ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَفِي الْعَصْرِ نَحْوَ ذٰلِكَ وَفِي الصُّبْحِ اَطْوَلَ مِنْ ذٰلِكَ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱۸۷/۱، باب القراءۃ فی الصبح، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۴۵۹۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر میں "واللیل اذا یغشیٰ" کی تلاوت فرماتے تھے، اور ایک روایت میں ہے کہ "سبح اسم ربک الاعلیٰ" کی قراءت فرماتے تھے، اور عصر میں بھی اس مقدار میں قراءت فرماتے تھے، اور صبح کی نماز میں اس سے طویل قراءت فرماتے تھے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظہر کی نماز میں کبھی "واللیل" پڑھتے تھے، کبھی "سبح اسم ربک الاعلیٰ" پڑھتے تھے، اور عصر کی نماز میں بھی ظہر کی نماز کے بقدر تلاوت کرتے تھے، جب کہ فجر میں زیادہ لمبی قراءت کرتے تھے۔

یہاں یہ بات مذکور ہے کہ ظہر کی نماز میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سورۃ "واللیل" کی قراءت فرماتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ بہت سی روایات ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تلاوت کا ذکر ہے جس راوی نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو سورت پڑھتے سنا روایت کیا ہے۔

قراءت مسنونہ

فقہاء احناف نے نمازوں میں قراءت کی مسنون مقدار بیان کی ہے، اس کے مطابق فجر اور ظہر کی نمازوں میں سورۃ فاتحہ کے بعد طوالِ مفصل میں سے کسی سورت کا پڑھنا مسنون ہے، سورۃ "حجرات" سے سورۃ "بروج" تک کی سورتیں طوال مفصل کہلاتی ہیں، عصر اور عشاء کی نمازوں میں سورۃ فاتحہ کے بعد اوساط مفصل میں سے کسی سورت کا پڑھنا مسنون ہے، سورۃ "بروج" سے سورۃ "لم یکن" تک کی سورتیں اوساط مفصل کہلاتی ہیں، اور مغرب کی

نماز میں قصار مفصل کی سورتوں میں سے کسی سورت کا پڑھنا مسنون ہے، سورۂ "لم یکن" سے سورۂ "ناس" تک کی سورتیں قصارِ مفصل کہلاتی ہیں۔

نماز مغرب میں قراءتِ مسنونہ

﴿۷۷۳﴾ وَعَنْ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْرَأُ فِی الْمَغْرِبِ بِالطُّوْرِ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱/۱۰۵، باب الجهر فی المغرب، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۷۶۵۔ مسلم شریف: ۱/۱۸۷، باب القراء ۃ فی الصبح، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۴۶۳۔

ترجمه: حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں سورۂ طور پڑھتے ہوئے سنا۔

تشریح: بالطور: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عام معمول مغرب کی نماز میں قصار مفصل کی سورتوں میں سے کسی سورت کے پڑھنے کا تھا۔ سلیمان بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے: "فکان یقرأ فی الصبح بطوال المفصل وفی المغرب بقصار المفصل" لیکن حدیث باب سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مغرب کی نماز میں سورۂ طور پڑھی، جو کہ طوال مفصل میں سے ہے، فتح الباری (ص: ۲/۴۹۴) میں یہ بات لکھی ہے کہ ممکن ہے یہاں "بالطور" کا "ب" "من" کے معنی میں ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "عینا یشرب بها عباد الله" میں "بها" کا "ب" "من" کے معنی میں ہے۔

امام مالکؒ مغرب کی نماز میں طویل سورتوں کے پڑھنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں، جب کہ امام شافعیؒ اس کو مکروہ قرار نہیں دیتے ہیں، اور نہ مستحب قرار دیتے ہیں، حافظ ابن حجرؒ کے قول کے مطابق اس سلسلہ میں اصل یہ ہے کہ جو چیز حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہو اور اس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مواظبت فرمائی ہو تو وہ مستحب ہوتی ہے، اور جس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مواظبت نہیں فرمائی، لیکن وہ چیز آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے اس کو جائز کہیں گے، مکروہ نہیں کہیں گے، مغرب کی نماز میں طوال مفصل کا پڑھنا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے، لیکن مواظبت ثابت نہیں ہے، اس لئے اس کو مستحب نہیں کہیں گے البتہ مکروہ بھی نہیں کہا جائے گا۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز میں کبھی کبھی طویل قراءت فرمائی ہے، اس کی وجہ یا تو بیان جواز ہے، یا پھر آپ کو یہ بات معلوم تھی کہ مقتدیوں کو طویل قراءت میں مشقت نہیں ہوگی۔ بلکہ خوشی ہوگی۔

اس حدیث کے راوی جبیر ابن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدر کے قیدیوں کے سلسلہ میں بات کرنے کے لئے تشریف لائے، مغرب کی نماز میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سورۂ طور کی تلاوت فرمائی، جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ آیت: "**ان عذاب ربک لواقع**" تلاوت فرمائی تو جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں "**کانما صدع قلبی**" [میرا دل ریزہ ریزہ ہوگیا] اور جب "**ام خلقوا من غیر شیء**" سے "**المصیطرون**" تک سنا تو میرا حال یہ ہوا کہ "**کانما قلبی یطیر**" [ایسا لگتا تھا کہ میرا دل اڑ جائے گا] اور ایک روایت میں ہے: "**وذلک اول ما وقر الایمان فی قلبی**" یہ وہ پہلی چیز تھی جس نے میرے دل میں ایمان کو جاگزیں کردیا۔

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر کافر و فاسق اپنے کفر اور فسق کے زمانہ کی سنی

ہوئی باتیں بیان کرتے ہیں تو وہ معتبر ہوں گی، لیکن شرط یہ ہے کہ جس وقت وہ بیان کر رہے ہیں اس وقت ان کے اندر صفت عدالت موجود ہو۔

ایضاً

﴿۷۷۴﴾ وَعَنْ اُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱/۱۰۵، باب القراءۃ فی المغرب، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۷۶۳۔ مسلم شریف: ۱/۱۸۷، باب القراءۃ فی الصبح، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۴۶۲۔

ترجمه: حضرت ام فضل بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں سورۂ "والمرسلات عرفا" پڑھتے ہوئے سنا۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی کبھی مغرب کی نماز میں لمبی سورتیں تلاوت فرماتے تھے، اصل میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں کوفہ کے حاکم حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس یہ لکھ کر بھیجا تھا کہ فجر اور ظہر میں طوال مفصل، اور عصر اور عشاء میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل کا عمل اختیار کیا جائے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ ہدایت اس لئے دی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معمول بھی اسی کے مطابق تھا، کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے خلاف بھی کیا ہے۔

بخاری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: "عن ابن عباس رضی اللہ عنہ انہ قال ان ام الفضل سمعتہ وھو یقرأ والمرسلات" [ام فضل نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو "والمرسلات عرفا" پڑھتے ہوئے سنا] ام فضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سننے کے بعد کہا بیٹے تم نے اس سورت کی تلاوت کر کے مجھے یہ بات یاد دلا دی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سب سے آخری مغرب کی نماز میں یہی "سورۃ والمرسلات" تلاوت فرمائی تھی۔

چونکہ "سورۃ والمرسلات" قصار مفصل میں سے نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مغرب میں لمبی سورتیں پڑھنے کی بھی گنجائش ہے، اس لئے کبھی کبھی لمبی سورتیں بھی پڑھ لینا چاہئے تاکہ اس سنت پر بھی عمل ہوتا رہے۔ (التعلیق الصبیح: ۱/۳۷۳)

امام مقتدی کی رعایت کے ساتھ قراءت کرے

﴿۷۷۵﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَأْتِيْ قَوْمَهُ فَصَلَّى لَيْلَةً مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ ثُمَّ اَتٰى قَوْمَهُ فَاَمَّهُمْ فَافْتَتَحَ بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فَانْحَرَفَ رَجُلٌ فَسَلَّمَ ثُمَّ صَلّٰى وَحْدَهُ وَانْصَرَفَ فَقَالُوْا لَهُ اَنَافَقْتَ يَا فُلَانُ قَالَ لَا وَاللّٰهِ وَلَاٰتِيَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَاُخْبِرَنَّهُ فَاَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا اَصْحَابُ نَوَاضِحَ نَعْمَلُ بِالنَّهَارِ وَاِنَّ مُعَاذًا صَلّٰى مَعَكَ الْعِشَاءَ ثُمَّ اَتٰى قَوْمَهُ فَافْتَتَحَ

بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فَاَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى مُعَاذٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ وَقَالَ يَامُعَاذُ! اَفَتَّانٌ اَنْتَ اِقْرَأْ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا، وَالضُّحٰى، وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى، وسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف:۹۸/ ۱، باب من شکی امامہ اذا طول، کتاب الاذان، حدیث نمبر:۷۰۵۔مسلم شریف:۱۸۷/ ۱، باب القراءۃ فی العشاء، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۴۶۵۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، پھر واپس آ کر اپنی قوم کی امامت کرتے تھے، ایک رات نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی، پھر اپنی قوم میں تشریف لائے اور ان کی امامت کی، حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۂ بقرہ کی قراءت شروع کی اتنے میں ایک صاحب نے سلام پھیر لیا اور انہوں نے تنہا نماز پڑھی اور چلے گئے، لوگوں نے ان صاحب سے کہا کہ کیا تم منافق ہوگئے ہو؟ وہ صاحب بولے نہیں، اللہ کی قسم میں منافق نہیں ہوں، میں نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ضرور جاؤں گا، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس واقعہ سے مطلع کروں گا، چنانچہ وہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول! ہم اونٹوں والے ہیں، ہم دن کو محنت کرتے ہیں اور معاذ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء پڑھی، پھر اپنی قوم میں واپس آئے، اور انہوں نے سورۂ بقرہ کی قراءت شروع کی، حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا: ’’کیا فتنہ میں ڈالنے والا ہے؟ اے معاذ!

"والشمس وضحها، والضحیٰ، واللیل اذا یغشیٰ اورسبح اسم ربک الاعلیٰ" پڑھا کرو۔"

تشریح: امام کو مقتدیوں کی رعایت کرتے ہوئے نماز پڑھانا چاہئے، اگر جماعت میں شامل لوگ کمزور سن رسیدہ اور ضرورت مند ہوں تو قراءت مختصر کرنا چاہئے، اگر کوئی امام مقتدیوں کی رعایت نہیں کرتا ہے، تو مقتدیوں کو خود امام سے اور اگر امام نہ مانے تو حکام بالا سے شکایت کرنے کا حق ہے، اور شکایت کرنا غیبت میں شمار نہ ہوگا۔

بخاری شریف میں اس حدیث سے پہلے اسی مفہوم کی ایک اور حدیث ہے اس میں یہ بات ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک امام کے بارے میں اسی قسم کی لمبی قراءت کرنے کی شکایت ملی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غصہ آگیا اور فرمایا: "یا ایها الناس ان منکم منفرین فمن ام منکم الناس فلیتجوز فان خلفه الضعیف والکبیر وذاالحاجة" [اے لوگو! بلاشبہ تم میں سے بعض لوگ نفرت دلانے والے ہیں، تم میں سے جو شخص لوگوں کی امامت کرے تو اس کو اختصار ملحوظ رکھنا چاہئے، کیونکہ امام کے پیچھے جماعت میں کمزور سن رسیدہ اور ضرورت مند لوگ بھی ہوتے ہیں۔]

کان معاذ بن جبل یصلی مع النبی: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے مسجد نبوی میں عشاء کی نماز میں شرکت فرماتے تھے، پھر واپس اپنی قوم میں جاکر عشاء کی فرض نماز ادا فرماتے تھے۔

حدیث کے اس جزء سے یہ بحث چھڑتی ہے کہ کیا نفل نماز پڑھنے والے کے پیچھے فرض نماز ادا کرسکتے ہیں؟ اس کو اصطلاح میں "اقتداء المفترض خلف المتنفل" کہتے ہیں۔

اس سلسلہ میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ "اقتداء المفترض خلف المتنفل" جائز ہے، اور وہ حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں، امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ حضرت معاذ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے عشاء کی نماز اداء کرلی تو ان کا فریضہ ساقط ہوگیا، اب جب محلہ والوں کی امامت کررہے ہیں تو ظاہری بات ہے کہ نفل ہی کی نیت کی ہوگی، جب کہ محلہ والے فرض کی ادائیگی کے لئے جماعت میں شریک ہوئے ہوں گے، اس واقعہ کی اطلاع آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی ہوئی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر نکیر نہیں فرمائی، معلوم ہوا "اقتداء المفترض خلف المتنفل" جائز ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک "اقتداء المفترض خلف المتنفل" جائز نہیں، امام صاحب کی دلیل حدیث "الامام ضامن" (رواہ ابوداؤد والترمذی) ہے، امام کی نماز مقتدی کی نماز کو متضمن ہوتی ہے، اور قاعدہ ہے کہ کوئی شی اپنے سے قوی چیز کو متضمن نہیں ہوسکتی، اس وجہ سے نفل پڑھنے والے امام کی نماز بھی فرض پڑھنے والے مقتدی کی نماز کو متضمن نہیں ہو سکتی، کیونکہ فرض نماز نفل نماز سے قوی ہے۔

حدیث باب کا جواب یہ ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ فرض کی ادائیگی کی نیت کے ساتھ شریک ہوتے تھے، یا نفل کی ادائیگی کی نیت سے، یہ چیز بغیر نیت کرنے والے کے بیان کے تحقیقی طور پر معلوم نہیں ہوسکتی؛ احتمال دونوں باتوں کا ہے، البتہ اگر نفل کی نیت مان لیں تو اس میں کسی کا اختلاف نہیں رہے گا، لہٰذا یہی ماننا زیادہ بہتر ہے، حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسا اس وجہ سے کرتے تھے تاکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اقتداء بھی حاصل ہوجائے اور جماعت کے ساتھ شامل ہوکر اپنے محلہ میں نماز پڑھانے کا ثواب بھی مل جائے۔

عشاء کی نماز میں قراءت

﴿۷۷۶﴾ وَعَنِ الْبَرَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ

النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْعِشَاءِ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَمَا سَمِعْتُ اَحَدًا اَحْسَنَ صَوْتًا مِنْهُ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف:۱۰۶/۱، باب القراءة فی العشاء، کتاب الاذان، حدیث نمبر:۷۶۹۔ مسلم شریف:۱۸۷/۱، باب القراءة فی العشاء، کتاب الصلوة، حدیث نمبر:۴۶۴۔

ترجمه: حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عشاء کی نماز میں "سورة والتین والزیتون" پڑھتے ہوئے سنا، اور میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ کسی اچھی آواز والے کو نہیں سنا۔

تشریح: سورہٴ والتین اوساط مفصل میں سے ہے، اور عشاء کی نماز میں اوساط مفصل میں شامل سورتوں کی تلاوت کرنا بہتر ہے، حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث میں مزید یہ بات کہی ہے کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ دل کش آواز کسی کی نہیں سنی۔

اس حدیث کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے: "انه علیه السلام قال ما بعث الله نبیا قط الا بعثه حسن الوجه حسن الصوت، حتی بعث الله نبیکم فبعثه حسن الوجه وحسن الصوت" [اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی نبی بھیجے سب کے سب حسین اور اچھی آواز والے ہوتے تھے اور تمہارے پاس جس نبی کو بھیجا وہ شکل وصورت میں حسین اور دل کش آواز والا ہے۔]

نمازِ فجر کی قراءت

﴿۷۷۷﴾ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ بِقٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ وَنَحْوِهَا وَكَانَتْ صَلَاتُهُ بَعْدُ تَخْفِيْفًا ـ (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف:۱۸۷/۱، باب القراءۃ فی الصبح، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۴۵۸۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فجر میں سورۂ "ق و القرآن المجید" اور اس جیسی سورت پڑھتے ہوئے سنا، اور فجر کی نماز کے علاوہ نمازیں ہلکی ہوتی تھیں۔

تشریح: اس حدیث شریف کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فجر کی نماز میں سورۂ "ق" اور اس کے مانند سورتیں بھی پڑھی ہیں، اس حدیث سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فجر کی نماز میں دیگر نمازوں کی بنسبت لمبی قراءت فرماتے تھے۔

كان يقرأ في الفجر بقٓ و القرآن المجيد: حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہجرت کے بعد شروع دور میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی جماعت کم ہونے کی وجہ سے لمبی قراءت فرماتے تھے، پھر جب تعداد زیادہ ہوگئی اور ان میں بہت سے تجارت وزراعت سے وابستہ لوگ تھے، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان پر مہربانی فرماتے ہوئے لمبی قراءت میں تخفیف فرمادی، صاحب مرقاۃ لکھتے ہیں کہ "ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ اس جیسے موقعہ پر لفظ "كان" دوام واستمرار کا فائدہ دیتا ہے، جیسے کہ اہل عرب کا قول ہے "كان حاتم يكرم الضيف" اس میں "كان" دوام کے معنی دے رہا ہے، بعض دیگر لوگوں نے کہا ہے کہ عرف کے اعتبار سے دوام کا فائدہ دیتا ہے، اصل وضع کے اعتبار سے نہیں دیتا ہے، اسی بناء پر کہا گیا ہے کہ ان احادیث میں "لفظ كان" استمرار کے لئے نہیں

ہے، یعنی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی کبھی فجر کی نماز میں "ق والقرآن المجید" اور اس کے مثل سورت پڑھی ہے، یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دائمی عمل نہیں تھا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان "وکان الانسان عجولا" استمرار کے لئے نہیں ہے، اور اس طرح باری تعالیٰ کے فرمان "کیف نکلم من کان فی المھد صبیا" میں بھی "کان" استمرار کے لئے نہیں ہے۔

فجر کی نماز میں سورۂ اذا الشمس پڑھنا

﴿۷۷۸﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ وَاللَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۱۸۶، باب القراءۃ فی الصبح، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۴۵۶۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فجر کی نماز میں "واللیل اذا عسعس" پڑھتے ہوئے سنا۔

تشریح: حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت بھی کی ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے احادیث بھی سنی ہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے سر پر دست شفقت بھی پھیرا ہے، اور برکت کی دعاء بھی دی ہے، یہ صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کو فجر کی نماز میں "والليل اذا عسعس" یعنی سورۂ "اذا الشمس كورت" کی تلاوت کرتے ہوئے سنا، یہ سورت طوال مفصل میں سے ہے، اور فجر کی نماز میں طوال مفصل میں سے کسی سورت کا پڑھنا افضل ہے، امام نوویؒ کی صراحت کے مطابق "سورۂ حجرات" سے "سورۂ بروج" تک طوال مفصل کی سورتیں ہیں۔

فجر کی نماز میں سورۂ مؤمنون کی تلاوت

﴿۷۷۹﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ صَلّٰى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصُّبْحَ بِمَكَّةَ فَاسْتَفْتَحَ سُوْرَةَ الْمُؤْمِنِيْنَ حَتّٰى جَاءَ ذِكْرُ مُوْسٰى وَهَارُوْنَ اَوْ ذِكْرُ عِيْسٰى اَخَذَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُعْلَةٌ فَرَكَعَ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شريف: ۱۸۶ / ۱، باب القراءة في الصبح، كتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۴۵۶۔

ترجمه: حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مکہ میں فجر کی نماز پڑھائی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس نماز میں سورۂ "مومنین" کی تلاوت فرمائی، یہاں تک کہ جب حضرت موسیٰ وحضرت ہارون علیہما السلام کا ذکر آیا، یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر آیا، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کھانسی آ گئی، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رکوع میں چلے گئے۔

تشریح: سورۂ "مؤمنون" کی آیت "ثم ارسلنا موسیٰ واخاه هارون" میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کا تذکرہ ہے، اور

"وجعلنا ابن مریم وامہ" میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہلی آیت جس میں حضرت موسیٰ وحضرت ہارون علیہما السلام کا تذکرہ ہے، اس پر پہنچے، یا دوسری آیت جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ہے، اس پر پہنچے، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اس قدر گریہ طاری ہوا کہ آپ کو کھانسی آنے لگی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قراءت کی تکمیل نہیں کر سکے اور رکوع میں چلے گئے۔

فائدہ: حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ ایک رکعت میں پوری سورت پڑھنا ضروری نہیں۔

جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورۃ السجدہ کی تلاوت

﴿۷۸۰﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقْرَأُ فِی الْفَجْرِ یَوْمَ الْجُمُعَةِ بِالٓمٓ تَنْزِیْلُ فِی الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰی وَفِی الثَّانِیَةِ هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۲۲/۱، باب مایقرأ فی صلوۃ الفجر یوم الجمعۃ. کتاب الجمعۃ، حدیث نمبر: ۸۹۱۔ مسلم شریف: ۲۸۸/۱، باب مایقرأ فی یوم الجمعۃ، کتاب الجمعۃ، حدیث نمبر: ۸۸۰۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن فجر کی نماز میں پہلی رکعت میں "الم تنزیل" اور دوسری رکعت میں "ھل اتی علی الانسان" کی تلاوت فرماتے تھے۔

تشریح: اس حدیث شریف سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن فجر کی نماز میں پہلی رکعت اور دوسری رکعت میں بالترتیب "سورۂ سجدہ" اور "سورۂ دہر" پڑھی ہے، ان دونوں سورتوں کا جمعہ کے دن پڑھنا مستحب

ہے، لیکن کبھی کبھی ترک بھی کر دینا چاہئے تاکہ ان دونوں سورتوں کے پڑھے جانے کا وجوب ظاہر نہ ہو۔

جمعہ کے دن ان سورتوں کے پڑھنے کی وجہ شاید یہ ہے کہ ان سورتوں میں جنت وجہنم اوران کے اہل کا تذکرہ ہے، اور قیامت کے احوال کا بیان ہے، اور یہ سب جمعہ کے دن ہی ہونا ہے۔

جمعہ کی نماز میں سورۃ الجمعہ کی تلاوت

﴿۷۸۱﴾ وَعَنْ عَبَيْدِاللّٰہِ بْنِ اَبِیْ رَافِعٍ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی قَالَ اِسْتَخْلَفَ مَرْوَانُ اَبَاھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَلَی الْمَدِیْنَۃِ وَخَرَجَ اِلٰی مَکَّۃَ فَصَلّٰی لَنَا اَبُوْھُرَیْرَۃَ الْجُمُعَۃَ فَقَرَأَ سُوْرَۃَ الْجُمُعَۃِ فِی السَّجْدَۃِ الْاُوْلٰی وَفِی الْاٰخِرَۃِ اِذَا جَاءَ کَ الْمُنَافِقُوْنَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْرَأُ بِھِمَا یَوْمَ الْجُمُعَۃِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف:۲۸۷/ ۱، باب مایقرأ فی صلوۃ الجمعۃ. کتاب الجمعۃ، حدیث نمبر:۸۷۷۔

ترجمہ: حضرت عبید اللہ بن ابو رافع رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ مروان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ پر اپنا خلیفہ مقرر کیا، اور خود مکہ مکرمہ کے سفر پر روانہ ہو گیا، تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہم کو جمعہ کی نماز پڑھائی، چنانچہ انہوں نے پہلی رکعت میں (سورۃ فاتحہ کے بعد) سورۃ جمعہ کی تلاوت فرمائی اور دوسری رکعت میں سورۃ ''اذا جاء ک المنافقون'' کی تلاوت فرمائی، پھر انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جمعہ کے دن ان سورتوں کی تلاوت کرتے ہوئے سنا ہے۔

تشریح: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جمعہ کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری رکعت میں سورۂ "اذا جاءک المنافقون" کی تلاوت سنی تھی؛ لہٰذا جب مروان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا نائب مقرر کیا، تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی جمعہ کی نماز میں ان ہی دونوں سورتوں کی تلاوت فرمائی۔

السجدۃ الاولی: سجدہ اولی سے مراد پہلی رکعت ہے۔

فائدہ: حدیث پاک سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اتباع سنت کے اہتمام کا بھی علم ہوا۔

نماز جمعہ میں "سورۂ جمعہ" اور "سورۂ منافقون" پڑھنے کی حکمت

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن مذکورہ بالا دونوں سورتوں کا جمعہ کی نماز میں پڑھنا مستحب ہے، حکماء نے کہا ہے کہ سورۂ جمعہ پڑھنے کی حکمت یہ ہے کہ اس میں نماز جمعہ کے وجوب اور اس کے علاوہ دیگر احکام موجود ہیں، اسی کے ساتھ اس میں توکل علی اللہ اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کی ترغیب ہے، اور سورۂ منافقون پڑھنے کی حکمت یہ ہے کہ جمعہ کے دن اکثر منافق حاضر ہوتے ہیں، اس سورت کے پڑھنے سے منافقوں کو تنبیہ بھی ہوگی، اور وہ اپنے بارے میں وارد شدہ دھمکیوں سے سبق لیں گے، اس حدیث اور دیگر احادیث کے سامنے رکھنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جمعہ کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری رکعت میں سورۂ منافقون یا پھر پہلی رکعت میں "سبح اسم ربک الاعلیٰ" اور دوسری رکعت میں "ھل اتٰک" یا پھر پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری رکعت میں "ھل اتٰک حدیث الغاشیۃ" پڑھنا بہتر ہے، یہ تینوں طریقے سنت سے ثابت شدہ اور باعث ثواب ہیں۔ (فتح الملہم: ۲/۴۱۹)

نمازعیدوجمعہ میں قراءت مسنونہ

﴿۷۸۲﴾ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْعِيْدَيْنِ وَفِي الْجُمُعَةِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَهَلْ اَتَاكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ وَاِذَا اجْتَمَعَ الْعِيْدُ وَالْجُمُعَةُ فِيْ يَوْمٍ وَاحِدٍ قَرَأَ بِهِمَا فِي الصَّلَاتَيْنِ۔ (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲۸۸/۱، باب مایقرأ فی صلوۃ الجمعۃ، کتاب الجمعۃ، حدیث نمبر: ۸۷۸۔

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ کی نماز میں "سبح اسم ربک الاعلیٰ" اور "ھل اتاک حدیث الغاشیۃ" کی تلاوت فرماتے تھے، اور جب عید اور جمعہ ایک ہی دن میں جمع ہوجاتے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دونوں نمازوں میں یہی دونوں سورتیں تلاوت فرماتے تھے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی کبھی عیدین اور جمعہ کی نماز میں پہلی رکعت میں "سبح اسم ربک الاعلیٰ" اور دوسری رکعت میں "ھل اتاک حدیث الغاشیۃ" تلاوت فرماتے تھے، اور جمعہ اور عیدین میں سے کوئی عید ایک ہی دن ہوجاتی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دونوں نمازوں میں مذکورہ سورتیں پڑھ لیا کرتے تھے، یہاں جمعہ کی نماز میں "سبح اسم ربک" اور "ھل اتاک حدیث الغاشیۃ" پڑھنے کا ذکر ہے، جب کہ ماقبل کی حدیث میں جمعہ کی نماز میں سورۂ منافقون پڑھنے کا تذکرہ تھا، معلوم ہوا کہ حدیث باب میں جن سورتوں کا ذکر ہے ان کو پڑھتے تھے، اور کبھی ان سورتوں کو پڑھتے تھے

جن کا ماقبل کی حدیث میں ذکر ہے، اور کبھی ان کے علاوہ سورتیں بھی پڑھتے تھے۔

قرأ بهما في الصلوتين: اس جزء سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ عیدین کی نماز میں "سبح اسم ربک الاعلیٰ" اور "هل اتاک حديث الغاشية" پڑھنا مستحب ہے، جب کہ اگلی حدیث میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عیدین کی نماز میں سورۂ "ق والقرآن المجيد" اور "اقتربت الساعة" کی تلاوت فرماتے تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب عید اور جمعہ ایک ہی دن پڑتا تو آپ تخفیف کی بناء پر حدیث باب میں موجود سورتیں پڑھتے تاکہ مدینہ کے عوالی سے جو لوگ آئے ہیں اور ان کو جمعہ پڑھ کر اپنے گھروں کو لوٹنا ہے ان کے حق میں تخفیف ہو سکے، اور وہ لوگ بسہولت گھر پہونچ کر بقیہ دن اپنے اہل وعیال کے ساتھ گذاریں، اور جب عید جمعہ کے دن کے علاوہ ہوتی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عید کی نماز میں سورۂ "ق والقرآن المجيد" اور "اقتربت الساعة" وغیرہ پڑھتے تھے، لیکن یہ پڑھنا التزام کے ساتھ نہیں ہوتا تھا۔

عید کی نماز میں سورۂ "ق" پڑھنا

﴿۷۸۳﴾ وَعَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ سَأَلَ اَبَا وَاقِدِ اللَّيْثِيَّ مَا كَانَ يَقْرَأُ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْاَضْحٰى وَالْفِطْرِ فَقَالَ كَانَ يَقْرَأُ فِيْهِمَا بِقٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ وَاقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شريف: ۱/۲۹۱، باب مايقرأ في صلوة العيدين، كتاب العيدين، حدیث نمبر: ۸۹۱۔

ترجمہ: حضرت عبید اللہؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں کیا قراءت فرماتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عید کی نماز میں سورۃ ''ق والقرآن المجید'' اور سورۃ ''اقتربت الساعۃ'' کی قراءت فرماتے تھے۔

تشریح: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ عیدین کی نماز میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کونسی سورتیں قراءت فرماتے تھے؟ سوال کا مقصد یہ نہیں تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جواب سے واقف نہیں تھے، کیونکہ بارگاہ نبوت میں جو قرب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل تھا، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں تھا، سوال کرنے کی غایت یہ تھی کہ سامعین سوال سن کر اپنے ذہن بیدار کریں اور جواب کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیں، اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عیدین کی نماز میں سورۃ ''ق والقرآن المجید'' اور ''اقتربت الساعۃ'' کی تلاوت فرماتے تھے۔

سأل ابا واقد الليثي: حضرت ابو واقد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام معلوم نہیں، اور نہ ان کے والد کا نام معلوم ہے، یہ بات ابن الملک نے کہی ہے، تقریب میں یہ بات مذکور ہے کہ ابو واقد رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابیؓ ہیں، کہا گیا ہے کہ ان کا نام حارث بن مالک ہے، اور کہا گیا کہ یہ ابن عون ہیں، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ عون بن حارث ہیں۔

اس جگہ یہ حدیث مرسل ہے، کیونکہ حدیث کے راوی حضرت عبید اللہؒ کی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات نہیں ہے، لیکن یہ حدیث دوسرے موقعہ پر بلا شک وشبہ صحیح ومتصل مذکور ہے، مسلم شریف میں ہے: ''عن عبید اللہ عن ابی واقد قال سألنی عمر

بن الخطاب" (مسلم شریف: ۱/۲۹۱) اس حدیث میں "عبید اللہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان ابو واقد لیثی کا واسطہ ہے، لہٰذا یہ حدیث متصل ہوئی۔

فجر کی سنت میں قراءت مسنونہ

﴿۷۸۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فِیْ رَكْعَتَیِ الْفَجْرِ قُلْ یَا اَیُّهَا الْكَافِرُوْنَ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۲۵۱، باب استحباب رکعتی سنة الفجر، کتاب صلوۃ المسافرین، حدیث نمبر:۷۲۶۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی دونوں رکعتوں میں "قل یا ایھا الکافرون" اور "قل ھو اللہ احد" پڑھا کرتے تھے۔

تشریح: اس حدیث شریف میں فجر کی سنتوں میں پڑھی جانے والی سورتوں کا ذکر ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فجر کی سنتوں میں "قل یا ایھا الکافرون" اور "قل ھو اللہ احد" پڑھتے تھے؛ لیکن یہ عمل دائمی نہ تھا۔ بلکہ کبھی اس کے علاوہ دیگر آیات بھی پڑھنے کا معمول تھا، جیسا کہ اگلی حدیث میں آرہا ہے۔

رکعتی الفجر: صاحب مرقاۃ نے فجر کی دو رکعتوں سے یہاں نماز فجر سے پہلے جو دو سنتیں پڑھی جاتی ہیں وہ مراد لی ہیں، اور یہ کہا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دونوں رکعتوں میں مذکورہ بالا دونوں سورتیں پڑھتے تھے۔ (مرقاۃ:۲/۲۹۵)

قل ھو اللہ احد: صاحب فتح الملہم لکھتے ہیں کہ "قل ھو اللہ احد" اور "قل یا ایھا الکافرون" دونوں کو سورۂ اخلاص کہا جاتا ہے، اس وجہ سے کہ یہ سورۂ کافرون توحید عملی کے بیان پر مشتمل ہے؛ جب کہ "قل ھو اللہ" توحید علمی اعتقادی کے بیان پر مشتمل ہے، علامہ زرقانی کہتے ہیں کہ ان دونوں سورتوں میں توحید کا بیان ہے، پہلی سورت میں شرک سے نفی ہے، جب کہ دوسری صورت میں الوہیت کا اثبات ہے۔ (فتح الملہم: ۴/۴۷۹)

فائدہ: وتر کے بعد کی نفلوں میں بھی ان دونوں سورتوں کا پڑھنا آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے ثابت ہے، اور فجر کی سنتوں میں بھی حکمت اس میں یہ ہے کہ دن کے اعمال کی ابتداء اور رات کے اعمال کی انتہاء دونوں شرک سے بیزاری اور توحید خالص پر ہو۔ فقط

نماز میں سورت کے درمیان سے پڑھنا

﴿۷۸۵﴾ وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِيْ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ قُوْلُوْا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَالَّتِيْ فِيْ آلِ عِمْرَانَ قُلْ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۲۵۱، باب استحباب رکعتی سنة الفجر، کتاب صلوۃ المسافرین، حدیث نمبر: ۷۲۷۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی سنت کی دونوں رکعتوں میں "قولوا آمنا باللہ الخ" [تم کہہ دو کہ

ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو اترا ان پر الخ] اور سورۂ آل عمران کی آیت "قل یا اهل الکتاب الخ" [تم کہہ دو اے اہل کتاب! آؤ ایک بات کی طرف جو برابر ہے ہم میں اور تم میں] تلاوت فرماتے تھے۔

تشریح: اس حدیث شریف میں بھی فجر کی سنتوں میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تلاوت کا تذکرہ ہے؛ معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فجر کی سنتوں میں کبھی ان آیات کی تلاوت بھی فرمایا کرتے تھے، نیز یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ درمیان سورت سے پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔

فجر کی سنتوں میں خاص طور پر ان دونوں آیات کی تلاوت کی وجہ یہ تھی کہ ان آیات میں ایمان اور توحید خالص کا ذکر ہے، مقصد یہ تھا کہ دن کی شروعات ایمان وتوحید کے اعتراف واقرار سے ہو۔

﴿الفصل الثانی﴾

بسم اللہ سے قراءت کی ابتداء

﴿۷۸۶﴾ وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَفْتَتِحُ صَلٰوتَهٗ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ (رواہ الترمذی) وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ لَیْسَ اِسْنَادُهٗ بِذٰلِكَ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۵۷، باب من رأی الجہر بسم اللہ

الرحمن الرحیم، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۲۴۵۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے شروع فرماتے تھے۔ (ترمذی) امام ترمذی نے کہا: اس حدیث کی سند ایسی نہیں ہے یعنی قوی نہیں ہے۔

تشریح: حدیث باب میں "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے قراءت کی ابتداء کا ذکر ہے، اور بعض روایتوں میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "الحمد للہ رب العالمین" سے قراءت شروع فرماتے تھے، دونوں طرح کی حدیث میں کوئی تضاد نہیں ہے، جہاں "الحمد للہ" سے نماز کی ابتداء کا تذکرہ ہے، وہاں مراد یہ ہے کہ جہراً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قراءت کی ابتداء "الحمد للہ" سے فرماتے تھے، اور جہاں یہ مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "بسم اللہ" سے ابتداء فرماتے تھے، وہاں یہ مراد ہے کہ جہراً "الحمد للہ" کی ابتداء سے قبل سراً یعنی آہستہ سے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" پڑھتے تھے۔

یفتتح صلوته ببسم الله الرحمن الرحیم: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز کا آغاز "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے فرماتے تھے، صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ یہاں مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "الحمد للہ" سے پہلے آہستہ سے "بسم اللہ" پڑھی تا کہ یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہ ہو، جن میں مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز "الحمد للہ" سے شروع فرماتے تھے۔

اشکال مع جواب

اشکال: یہاں پر آہستہ سے بسم اللہ کی قید لگانا خلاف ظاہر ہے کیونکہ حدیث میں مطلق اس کا تذکرہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بسم اللہ سے نماز شروع کی،

آہستہ کی قید حدیث کے ظاہر کے خلاف ہے۔

جواب: خلاف ظاہر ضرور ہے، لیکن اس کا ارتکاب اس لئے کیا تا کہ دونوں حدیثوں میں تطبیق پیدا ہو جائے۔

بلند آواز سے آمین کہنا

﴿۷۸۷﴾ وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَرَأَ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ فَقَالَ آمِیْنَ مَدَّبِہَا صَوْتَہٗ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد والدارمی وابن ماجۃ)

حوالہ: ترمذی شریف: ۵۷/۱، باب ماجاء فی التامین، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۲۴۸۔ ابوداؤد شریف: ۱۳۵/۱، باب التامین وراء الامام، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۹۳۲۔ دارمی: ۳۱۵/۱، باب الجھر بالتامین، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۱۲۴۷۔ ابن ماجہ شریف: ۶۱، باب الجھر بآمین، کتاب اقامۃ الصلوۃ، حدیث نمبر: ۸۵۵۔

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین" کی قراءت فرمائی، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آمین کہا اور اس کے ساتھ آواز کو بلند فرمایا۔

تشریح: ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ مکمل ہونے کے معاً بعد امام، منفرد، مقتدی سب کو

آمین کہنا چاہئے، اس حدیث سے بظاہر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ''آمین'' زور سے کہنا چاہئے، حنفیہ کا کہنا ہے کہ آمین آہستہ سے کہنا چاہئے، حنفیہ حدیث باب جیسی احادیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زور سے آمین کہنا تعلیم امت کے لئے تھا، یعنی اسلئے تھا تاکہ لوگ جان لیں کہ ''ولا الضآلین'' کے بعد آمین کہنا سنت ہے۔

جب حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے سورۂ فاتحہ کے بعد ''ولا الضآلین'' کہنا سیکھ لیا تو پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آہستہ سے ہی آمین کہنے لگے، یہی وجہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نماز میں چار چیزیں وہ ہیں جن میں امام اخفاء کرے گا۔(۱)اعوذ باللہ. (۲)بسم اللہ. (۳)سبحانک اللھم. (۴)آمین. مزید تفصیل کے لئے دیکھئے حدیث نمبر:۷۶۸۔

آمین کہنے کی فضیلت

﴿۷۸۸﴾ وَعَنْ اَبِیْ زُهَیْرٍ النُّمَیْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَیْلَةٍ فَاَتَیْنَا عَلٰی رَجُلٍ قَدْ اَلَحَّ فِی الْمَسْأَلَةِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوْجَبَ اِنْ خَتَمَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ بِاَیِّ شَیْءٍ یَخْتِمُ قَالَ بِآمِیْنَ۔ (رواه ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف:۱/۱۳۵، باب التأمین وراء الامام، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۹۳۸۔

ترجمہ: حضرت ابوزہیر نمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک رات

حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے تو ہم ایک آدمی کے پاس پہونچے تو دیکھا کہ وہ بہت زیادہ گڑ گڑا کر دعاء مانگ رہا ہے، اس پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اگر اس نے مہر لگا دی تو واجب کرلیا'' لوگوں میں سے ایک صاحب نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا: کس چیز کے ساتھ مہر لگادی؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''آمین'' کے ساتھ۔

تشـــریـح: اس حدیث شریف میں دعا کے اختتام پر آمین کہنے کی فضیلت کا ذکر ہے، اگر کوئی شخص دعاء مانگنے کے بعد آمین کہہ لے گا تو اس کی دعاء قبول ہوگی، اور اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما کر اس کو جنت عطاء فرمائیں گے۔

ذات لیلۃ: رات کا حصہ مراد ہے۔

قد الح فی المسئلۃ: یعنی دعا کرنے اور مانگنے میں بہت الحاح وزاری کر رہا تھا۔

اوجب: یعنی اپنے لئے جنت کو واجب کرلیا، یعنی جب اس شخص نے دعا کے بعد آمین کہا تو اس کے لئے جنت واجب ہوگئی، یا گناہوں کی مغفرت واجب ہوگی، یا دعا کا قبول ہونا واجب ہوگیا۔

واجب ہونے کا مطلب

یہ بات عقیدہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کچھ بھی واجب نہیں ہے، حدیث میں جو بات کہی گئی ہے، اللہ کے فضل کے بھروسے اللہ کے وعدے کی بناء پر کہی گئی ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتے ہیں؛ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے لئے یہ بات ممکن ہے کہ ''اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو مطیع کو عذاب دے۔ اور نافرمان کو عمدہ بدلے دے، اس وجہ سے کہ

اگر اللہ کے لئے مطیع کو ثواب دینا اور نافرمانوں کو عذاب دینا حقیقتاً واجب قرار دیا جائے کہ اس کے خلاف ممکن نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کا مجبور ہونا لازم آئے گا، اور یہ باطل ہے۔

دعاء پر آمین کہنا

حدیث شریف سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ دعاء کرنے والے کے لئے دعا کے اختتام پر آمین کہنا مستحب ہے، اگر امام دعا کر رہا ہے اور لوگ اس کی دعا پر آمین کہہ رہے ہیں تو پھر امام کو آمین کہنے کی حاجت نہیں ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ امام کو بھی آمین کہنا چاہئے، یہ حضرات نماز پر قیاس کرتے ہیں کہ امام فاتحہ میں دعا بھی کرتا ہے آمین بھی کہتا ہے، ساتھ میں مقتدی بھی آمین کہتے ہیں، اسی طرح دعا میں بھی ہونا چاہئے۔

مغرب میں طویل قراءت

﴿۷۸۹﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْمَغْرِبَ بِسُوْرَةِ الْأَعْرَافِ فَرَّقَهَا فِيْ رَكْعَتَيْنِ۔ (رواہ النسائی)

حوالہ: نسائی شریف: ۱/۱۱۴، باب القراء ۃ فی المغرب بآلمٓصٓ، کتاب الافتتاح، حدیث نمبر: ۹۹۰۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز میں سورۂ اعراف کی تلاوت فرمائی اور اس کو دو رکعتوں میں بانٹ دیا۔

تشریح: مغرب کی نماز میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عموماً مختصر اقراءت فرماتے تھے، لیکن کبھی کبھی بیان جواز کے لئے طویل قراءت بھی فرماتے تھے، اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وہی عمل مذکور ہے، جو کبھی کبھی کا تھا، مغرب کی نماز میں جائز تو طویل قراءت بھی ہے، لیکن ''قصار مفصل'' یعنی سورۂ لم یکن سے لیکر سورۂ ناس'' تک کی سورتوں کی تلاوت افضل ہے۔

فائدہ: (۱) حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ مغرب میں طویل قراءت بھی جائز ہے۔
(۲)...... یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک سورت کو دو رکعتوں میں تقسیم کرکے پڑھنا بھی جائز ہے۔

فجر کی نماز میں معوذتین کی قراءت

﴿۷۹۰﴾ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كُنْتُ أَقُوْدُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاقَتَهٗ فِي السَّفَرِ فَقَالَ لِيْ يَا عُقْبَةُ أَلَا أُعَلِّمُكَ خَيْرَ سُوْرَتَيْنِ قُرِئَتَا فَعَلَّمَنِيْ قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ قَالَ فَلَمْ يَرَنِيْ سُرِرْتُ بِهِمَا جِدًّا فَلَمَّا نَزَلَ لِصَلٰوةِ الصُّبْحِ صَلّٰى بِهِمَا صَلٰوةَ الصُّبْحِ لِلنَّاسِ فَلَمَّا فَرَغَ الْتَفَتَ إِلَيَّ فَقَالَ يَا عُقْبَةُ كَيْفَ رَأَيْتَ۔ (رواہ احمد وابوداؤد والنسائی)

حوالہ: مسند احمد: ۱۴۹/۱۵۰/۴، ابوداؤد شریف: ۲۰۶/۱، باب فی المعوذتین، نسائی شریف: ۱۱۱/۱، باب القراءۃ فی الصبح بالمعوذتین، کتاب الافتتاح، حدیث نمبر: ۹۵۲۔

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک سفر

میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی نکیل پکڑ کر چل رہا تھا، تو مجھ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے عقبہ! کیا میں تم کو دو بہترین سورتیں نہ سکھلاؤں، جو پڑھی گئی ہیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ کو ''قل اعوذ برب الفلق'' اور ''قل اعوذ برب الناس'' سکھلائی، حضرت عقبہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا کہ میں ان دوسورتوں سے بہت زیادہ خوش نہیں ہوا ہوں چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صبح کی نماز کے لئے اترے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز فجر پڑھانے میں ان ہی دونوں سورتوں کی تلاوت فرمائی، پھر جب نماز سے فارغ ہو گئے، تو میری طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا: اے عقبہ! تم نے کیسا دیکھا؟

تشریح: تاریک رات میں سفر کرنے کی وجہ سے حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کچھ ہیبت طاری تھی، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شفقت فرماتے ہوئے معوذتین جیسی دو عظیم سورتیں سکھلائیں، تاکہ ان سورتوں کی تلاوت کی وجہ سے ان پر جو ہیبت طاری ہے وہ ختم ہو جائے، یہ سورتیں اگرچہ مختصر ہیں، البتہ ان کا نفع عظیم ہے، لیکن الفاظ کے اختصار کی وجہ سے حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پورے طور پر ان سورتوں کی عظمت کو نہیں سمجھ پائے، جس کی بنا پر ان کو خوشی بہت زیادہ نہیں ہوئی، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس وقت کچھ نہیں فرمایا، لیکن صبح کے وقت جب پڑاؤ کیا، تو فجر کی نماز میں معوذتین کی تلاوت فرما کر حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا اب تم نے ان سورتوں کی عظمت کو سمجھا؟ فجر کی نماز میں طویل قراءت افضل ہے، لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معوذتین کی عظمت کی بناء پر ان ہی کو تلاوت کیا، اور حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ سمجھایا کہ اگر یہ سورتیں اتنی عظمت والی نہ ہوتیں تو میں ان کو فجر میں تلاوت نہ کرتا۔

الا اعلمک: یوں تو سارا قرآن شریف خیر ہے، لیکن حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کی اس وقت کی حالت کے اعتبار سے یہ سورتیں بے حد مفید تھیں، اس لئے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو "خیر سورتین" فرمایا، سفر وغیرہ میں شریر لوگوں، اور دیگر مخلوق جنات وشیاطین وغیرہ اور موذی جانوروں وغیرہ کے شر سے نجات کے لئے ان سورتوں کی تلاوت بے حد نفع بخش ہے، علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ پورے قرآن کریم میں "استعاذہ" کے باب میں معوذتین سے بہتر کوئی سورت نہیں ہے۔

مغرب میں "قل یا ایہا الکافرون" کی تلاوت

﴿۷۹۱﴾ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِيْ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ قُلْ يَا اَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ (رواه فی شرح السنة) وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ اِلَّا اَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ۔

حوالہ: بغوی فی شرح السنة: ۸۱/۳، باب القراءۃ فی الصبح، حدیث نمبر: ۶۰۵۔ ابن ماجہ شریف: ۶۰، باب القراءۃ فی المغرب، کتاب اقامة الصلوة والسنة فیہا، حدیث نمبر: ۸۳۳۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی رات میں مغرب کی نماز میں "قل یا ایہا الکافرون" اور "قل ھو اللہ احد" کی تلاوت فرماتے تھے۔ (شرح بغوی)

ابن ماجہ میں یہ روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے؛ لیکن اس میں "لیلة الجمعة" کے الفاظ منقول نہیں ہیں۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی کبھی جمعہ کی شب میں نماز مغرب

میں مذکورہ سورت تلاوت فرماتے تھے، یہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کبھی کبھی کا معمول ہے، دائمی عمل آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ نہیں تھا، اور راوی کے بیان کا مقصد بھی دائمی عمل بتانا نہیں ہے۔

صلوۃ المغرب: مغرب کی فرض نماز مراد ہے، سنت مراد ہونے کا بھی احتمال ہے۔

ایک رکعت میں "قل یا ایھا الکافرون" پڑھتے تھے، اور دوسری رکعت میں "قل ھو اللہ احد" پڑھتے تھے، لفظ "کان" کی وجہ سے بظاہر یہ سمجھ میں آرہا ہے کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دائمی عمل تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دائمی معمول نہیں تھا، اور "کان" یہاں پر استمرار کے لئے نہیں ہے۔

فجر ومغرب کی سنتوں میں قراءت مسنونہ

﴿۷۹۲﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ مَا اُحْصِيْ مَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَفِي الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ بِقُلْ يَا اَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ (رواہ الترمذی) وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اِلَّا اَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ بَعْدَ الْمَغْرِبِ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۹۸، باب ماجاء فی الرکعتین بعد المغرب، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۴۳۱۔ ابن ماجہ شریف: ۸۱، باب مایقرأ فی الرکعتین بعد المغرب، کتاب اقامۃ الصلوۃ، حدیث نمبر: ۱۱٦٦۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں اس

تعداد کو شمار نہیں کر سکتا جس تعداد میں میں نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کے بعد کی دو رکعتوں اور فجر سے پہلے کی دو رکعتوں میں "قل یا ایھا الکافرون" اور "قل ھو اللہ احد" پڑھتے ہوئے سنا۔ (ترمذی) ابن ماجہ نے اس روایت کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے، لیکن ان کی روایت میں "بعد المغرب" کے الفاظ نہیں ہیں۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز فجر سے قبل کی دو سنتوں اور نماز مغرب کے بعد کی سنتوں میں سورۂ اخلاص اور "قل یا ایھا الکافرون" کی تلاوت کثرت سے فرماتے تھے، اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کر رہے ہیں کہ میں نے اتنی زیادہ تعداد میں ان سورتوں کو مذکورہ نماز میں پڑھتے سنا کہ اس تعداد کو شمار نہیں کر سکتا۔

حکمت: یہ دونوں سورتیں شرک سے بیزاری توحید والوہیت کے مضامین پر مشتمل ہیں، فجر کی سنتوں اور مغرب کے بعد سنتوں میں انکو پڑھنا اسلئے ہے تا کہ دن کی ابتداء اور دن کی انتہاء دونوں شرک سے بیزاری اور توحید والوہیت کے اقرار واعتراف پر ہو۔ فقط واللہ اعلم

نماز میں قراءت مسنونہ

﴿۷۹۳﴾ وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ اَحَدٍ اَشْبَهَ صَلٰوةً بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فُلَانٍ قَالَ سُلَيْمَانُ صَلَّيْتُ خَلْفَهٗ فَكَانَ يُطِيْلُ الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَيُخَفِّفُ الْاُخْرَيَيْنِ وَيُخَفِّفُ الْعَصْرَ وَيَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمُفَصَّلِ وَيَقْرَأُ فِي الْعِشَاءِ بِوَسَطِ الْمُفَصَّلِ وَيَقْرَأُ فِي الصُّبْحِ بِطِوَالِ الْمُفَصَّلِ۔ (رواه النسائی) وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ اِلٰى وَيُخَفِّفُ الْعَصْرَ۔

حوالہ: نسائی شریف:۱۱۳/۱، باب تخفیف القیام والقراءۃ، کتاب الافتتاح، حدیث نمبر:۹۸۱،ابن ماجہ شریف: ۵۹، باب القراءۃ فی الظھر والعصر، کتاب اقامۃ الصلوۃ، حدیث نمبر:۸۲۷۔

ترجمہ: حضرت سلیمان بن یسار حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے کسی بھی ایسے شخص کے پیچھے نماز نہیں پڑھی جس کی نماز حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے فلاں شخص سے زیادہ مشابہ ہو، حضرت سلیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے بھی اس شخص کے پیچھے نماز پڑھی، چنانچہ وہ ظہر کی شروع کی دو رکعتیں لمبی کرتے تھے، اور اخیر کی دو ہلکی کرتے تھے۔ اور عصر بھی وہ ہلکی پڑھتے تھے، مغرب کی نماز میں قصار مفصل پڑھتے تھے، عشاء کی نماز میں اوساط مفصل پڑھتے، اور فجر کی نماز میں طوال مفصل پڑھتے۔ (نسائی) ابن ماجہ نے اس روایت کو "**یخفف العصر**" تک نقل کیا ہے۔

تشریح: حضرت علی رضی اللہ عنہ یا کسی دوسرے صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز کے سب سے زیادہ مشابہ قرار دیا ہے، اور یہ مشابہت نماز میں قراءت کی مقدار کی وجہ سے ہے۔

سلیمان بن یسار: بہت بڑے تابعی ہیں۔

من فلان: فلاں سے کون مراد ہے، ایک قول ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہیں، ابن عبد الملک نے اسی کو نقل کیا ہے، ایک قول ہے "فلاں" سے مراد عمر بن سلمہ بن نفیع ہیں، ایک قول یہ بھی ہے کہ عمر بن عبد العزیز مراد ہیں، علامہ توربشتی کہتے ہیں کہ عمر ابن عبد العزیز کو مراد لینا درست نہیں ہے، اس وجہ سے کہ عمر بن عبد العزیز کی ولادت ۶۱ھ میں نقل کی جاتی ہے، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ۵۷/۵۸/۵۹ھ میں سے کسی میں علی اختلاف الاقوال ہوئی ہے۔ لہٰذا عمر بن عبد العزیز کے پیچھے نماز پڑھنا ناممکن ہے،

البتہ اس مضمون کی ایک روایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آگے باب الرکوع میں فصل ثالث میں آرہی ہے، اس میں فلاں شخص کی حضرت عمر بن عبدالعزیز کے نام سے صراحت ہے، اور یہ درست بھی ہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ۹۱ھ میں ہوئی ہے، وہ روایت یہ ہے: ''انس بن مالک یقول ما صلیت وراء احد بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اشبہ صلوۃ بصلاۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من ھذا الفتی یعنی عمر بن عبدالعزیز.

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے جتنے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھی ان میں سے اس نوجوان یعنی عمر بن عبدالعزیز کی نماز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز کے سب سے زیادہ مشابہ ہے۔

فائدہ: حدیث سے فجر میں طوال مفصل، عشاء میں اوساط مفصل، مغرب میں قصار مفصل کی قراءت کا مسنون ہونا معلوم ہوا۔

قراءت فاتحہ خلف الامام

﴿۷۹۴﴾ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كُنَّا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ فَقَرَأَ فَثَقُلَتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ لَعَلَّكُمْ تَقْرَؤُوْنَ خَلْفَ اِمَامِكُمْ قُلْنَا نَعَمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ لَاتَفْعَلُوْا اِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَاِنَّهٗ لَاصَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی) وَلِلنَّسَائِيِّ مَعْنَاهُ، وَفِيْ رِوَايَةٍ لِاَبِيْ دَاوُدَ قَالَ وَاَنَا اَقُوْلُ مَالِيْ يُنَازِعُنِيَ الْقُرْآنُ فَلَا تَقْرَؤُوْا بِشَيْءٍ مِنَ الْقُرْآنِ اِذَا جَهَرْتُ اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْآنِ۔

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱۱۹/۱، باب من ترک القراءۃ، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۸۳۳۔ ترمذی شریف: ۶۹/ ۷۰/۱، باب ماجاء فی القراءۃ خلف الامام، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۳۱۱۔ نسائی شریف: ۱۰۶/۱، باب قراءۃ ام القرآن، کتاب الافتتاح، حدیث نمبر: ۹۱۹۔

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم فجر کی نماز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھ رہے تھے، حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قراءت کی، تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قراءت کرنا دشوار ہوگیا، جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم لوگ شاید اپنے امام کے پیچھے قراءت کرتے ہو؟ ہم نے کہا ہاں اے اللہ کے رسول! آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایسا مت کیا کرو البتہ سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کرو، اسلئے کہ جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اسکی نماز نہیں ہوئی۔ (ابوداؤد، ترمذی)

نسائی نے بھی اس کے ہم معنی روایت نقل کی ہے، ابوداؤد کی ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس وجہ سے میں کہہ رہا تھا کہ مجھے کیا ہو گیا جو قرآن مجھ سے جھگڑ رہا ہے، تو جب میں بلند آواز سے قراءت کروں تو تم لوگ سورۂ فاتحہ کے علاوہ کچھ مت پڑھا کرو۔

تشریح: کنا خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم: حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین شروع میں اپنے اختیار سے امام کے پیچھے قراءت کرتے تھے، جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے دریافت کیا، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے قراءت خلف الامام کا اقرار کیا، تو آنحضرت صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا۔

الا بفاتحۃ الکتاب: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مقتدیوں کو مطلقاً قراءت سے منع فرمادیا، لیکن سورۂ فاتحہ پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمائی، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ اجازت فرمانا، شروع دور میں تھا، جب قرآن مجید کی آیت "واذا قری القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا" [جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو] نازل ہوئی تو سورۂ فاتحہ کی قراءت کا جواز بھی ختم ہوگیا۔

لاصلوۃ لمن لم یقرأ بھا: سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی، یہاں اصل نماز کی نفی نہیں، بلکہ کمال صلوۃ مراد ہے، یعنی اگر سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی جائے تو نماز کامل نہیں ہوگی، چنانچہ ترمذی میں روایت ہے:"من صلی صلوۃ لم یقرأ فیھا بام القرآن فھی خداج غیر تمام" [جس نے نماز پڑھی اور اس میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت نہیں کی تو اس کی نماز ناقص اور ناتمام ہے] معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ ترک ہونے سے کمال صلوۃ فوت ہوتا ہے، لیکن صلوۃ ہوجاتی ہے، حدیث باب کا یہ جزء امام ومنفرد سے متعلق ہے، مقتدی سے متعلق نہیں ہے، چنانچہ ترمذی کی حدیث میں صراحت ہے:"من صلی رکعۃ لم یقرأ فیھا بام القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام" [جس شخص نے سورۂ فاتحہ کے بغیر کوئی رکعت پڑھی اس کی نماز نہیں ہوئی، الا یہ کہ وہ امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو۔]

امام کے پیچھے قراءت کرنے کی ممانعت

﴿٧٩٥﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنْصَرَفَ مِنْ صَلٰوةٍ جَهَرَ فِیْهَا بِالْقِرَاءَةِ فَقَالَ هَلْ قَرَأَ مَعِیْ اَحَدٌ مِنْكُمْ آنِفًا فَقَالَ رَجُلٌ نَعَمْ یَارَسُوْلَ

اللّٰهِ! قَالَ اِنِّیْ اَقُوْلُ مَالِیْ اُنَازَعُ الْقُرْآنَ قَالَ فَانْتَهَی النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْمَا جَهَرَ فِیْهِ بِالْقِرَاءَةِ مِنَ الصَّلَوَاتِ حِیْنَ سَمِعُوْا ذٰلِكَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواه مالك واحمد وابو داؤد والترمذی والنسائی) وَرَوَی ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهٗ۔

حواله: مؤطا امام مالکؒ: ۲۹/ ۳۰، باب ترک القراء ة خلف الامام، کتاب الصلوة، حدیث نمبر:۴۴۔مسند احمد: ۲۴۰/ ۲، ابو داؤد شریف: ۱۱۹/ ۱، باب من ترک القراء ة فی صلاته. کتاب الصلوة، حدیث نمبر:۸۲۶۔ترمذی شریف: ۷۱/ ۱. باب من ترک القرأة بفاتحة الکتاب اذا جهر بالقرأة، کتاب الصلوة، حدیث نمبر:۳۱۲۔نسائی شریف: ۱۰۶/ ۱، باب ترک القراء ة خلف الامام، کتاب الافتتاح، حدیث نمبر:۹۱۸۔ابن ماجه شریف: ۶۱، باب اذا قرء الامام فانصتوا، کتاب اقامة الصلوة، حدیث نمبر:۸۴۸۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی نماز سے فارغ ہوئے جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جہراً قراءت فرمائی تھی، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تم میں سے کسی نے ابھی میرے ساتھ قراءت کی ہے؟ تو ایک صاحب بولے جی ہاں اے اللہ کے رسول! حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تب ہی تو میں کہنے لگا کہ مجھے کیا ہوا کہ مجھے قرآن سے جھگڑا کرایا جارہا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ بات سنی تو ان نمازوں میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ قراءت کرنے سے رک گئے جن میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جہراً قراءت

فرماتے تھے۔(مالک، احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی) ابن ماجہ نے بھی اس کے مثل نقل کیا ہے۔

تشریح: فانتھی الناس عن القراءۃ: حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جہری نماز میں قراءت سے رک گئے، معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان کے بعد مطلق قراءت کی ممانعت ہوگئی تھی، یعنی اس کے بعد حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جہری نمازوں میں نہ سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے، اور نہ اس کے علاوہ اور کوئی سورت پڑھتے تھے، اور یہ حدیث گذشتہ حدیث کے لئے ناسخ بھی ہوجائے گی، جس سے یہ بات سمجھ میں آرہی تھی کہ سورۂ فاتحہ کی تلاوت فرض ہے، بعض قراءت خلف الامام کے قائل یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس حدیث سے جہری نمازوں میں قراءت کی ممانعت ثابت ہوئی، سری میں بدستور قراءت خلف الامام کی اجازت ہے، اس کے جواب میں حضرت اقدس گنگوہی نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں: جیسا کہ الکوکب الدری میں ہے کہ چونکہ نماز کی ابتداء صلوۃ اللیل سے ہوئی تھی، شروع میں صرف وہی فرض تھی، جس میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین قراءت کے عادی ہو چکے تھے، اس کے بعد جب صلوات خمسہ کی فرضیت ہوئی تو استصحاب حال کے طور پر فرائض میں خلف الامام بھی وہ قراءت کرتے رہے، اس اثناء میں آیت کریمہ "**واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا**" کا نزول ہوا، اس وقت صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا طرز عمل مختلف ہوگیا، بعض حضرات نے تو قراءت خلف الامام کو مطلقاً ترک کردیا، لیکن بعض حضرات ثواب کی حرص میں "**لاحراز الفضیلتین**" سکتات الامام میں اپنی رائے واجتہاد سے قراءت فرماتے رہے، اور یہ جو ہم نے کہا کہ وہ اپنے اجتہاد سے ایسا کرتے رہے اس کی دلیل روایات میں موجود ہے۔

ھل قرأ معی احدمنکم: حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی اس قراءت کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قراءت میں خلجان واقع ہوا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ

علیہم اجمعین کواس قراءت سے منع فرمایا، ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ خیال فرماتے ہوئے کہ سورۂ فاتحہ چونکہ سب کی زبانوں پر چڑھی ہوئی ہے، شاید اس میں منازعت اور التباس نہ ہو، صرف اس کی قراءت کی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اجازت دے دی، اور کچھ روز تک یہ سلسلہ چلتا رہا لیکن جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اس کی قراءت سے بھی منازعت ہوئی ہے تب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے بھی منع فرمادیا، لیکن صرف جہری نمازوں میں جیسا کہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے، جو صلوٰۃ صبح کے قصہ میں ہے: "**فانتهى الناس عن القراءة فيما جهر فيه بالقرأة**" اور اب صرف سری نمازوں میں قرأت خلف الامام باقی ہے، حاصل یہ کہ اس سلسلہ میں بتدریج نسخ واقع ہوا اور آخرالامر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمادیا "**من كان له امام فقرأة الامام قرأة له**" اور ایک دوسری حدیث میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "**واذا قرء فانصتوا**" کہ جب امام قراءت کرے تم خاموش رہو، اس حدیث شریف کو امام مسلمؒ نے اپنی صحیح مسلم میں روایت فرمایا ہے، اور اس کو صحیح فرمایا ہے۔

نماز میں قراءت قرآن میں تدبر کرنا

﴿٧٩٦﴾ وَعَنْ اِبْنِ عُمَرَ وَالْبَيَاضِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُصَلِّيَ يُنَاجِيْ رَبَّهٗ فَلْيَنْظُرْ مَا يُنَاجِيْهِ وَلَا يَجْهَرْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ بِالْقُرْآنِ۔ (رواه احمد)

حواله: مسند احمد: ۶۷/۲.

ترجمه: حضرت ابن عمر اور حضرت بیاضی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بے شک نمازی اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے تو اس کو جس چیز کے ذریعہ سے مناجات (سرگوشی) کر رہا ہے اس میں غور کرنا

چاہئے، اور تم میں سے کوئی قرآن پڑھنے میں اپنی آواز کو ایک دوسرے پر بلند نہ کرے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ نماز کے دوران جب قرآن پڑھا جائے تو قرآن میں تدبر کرنا چاہئے کیونکہ نماز کے دوران اور خاص طور پر جب انسان قراءت کرتا ہے تو یہ قراءت درحقیقت رب العالمین سے سرگوشی ہے، لہٰذا جو سرگوشی کر رہا ہے، تو اسے غور کرنا چاہئے، اور جس کو قرآن کے معنی معلوم نہیں اس کو مکمل انہماک کے ساتھ تلاوت قرآن سننا چاہئے، تلاوتِ قرآن کے وقت ایک دوسرے پر سبقت لینے کے لئے زور سے تلاوت نہ کرنا چاہئے۔

ان المصلی یناجی ربہ: نمازی دوران نماز اللہ تعالیٰ سے بات چیت کرتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ سے قرب معنوی سے کنایہ ہے اس وجہ سے کہ نماز مؤمن کی معراج ہے۔

فلینظر ما یناجیہ: تو اللہ تعالیٰ سے جو سرگوشی کر رہا ہے یعنی ذکر واذکار اور تلاوت قرآن سب میں غور وفکر اور تدبر کرنا چاہئے، ممانعت نماز کے اندر اور نماز کے باہر دونوں میں ہے، اس بات پر تو امت کا اتفاق ہے کہ مقتدی کے لئے زور سے تلاوت قرآن کرنا مکروہ ہے، اگر چہ وہ امام کی قراءت نہ سن رہا ہو۔

قراءت خلف الامام کی ممانعت

﴿۷۹۷﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا کَبَّرَ فَکَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۸۹/ ۱، باب الامام یصلی من قعود، کتاب الصلوۃ حدیث نمبر: ۶۰۴۔ نسائی شریف: ۱۰۷/ ۱، باب تاویل قولہ عز وجل

واذا قرء القرآن الخ، کتاب الافتتاح، حدیث نمبر:۹۲۱،ابن ماجہ شریف: ۶۱، باب اذا قرء الامام فانصتوا، کتاب اقامۃ الصلوۃ، حدیث نمبر:۸۴۶۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''امام اس وجہ سے بنایا جاتا ہے تا کہ اس کی اقتداء کی جائے،تو امام جب تکبیر کہے تو تم لوگ بھی تکبیر کہو، اور جب قراءت کرے تو تم لوگ خاموش رہو۔''

تشریح: اس حدیث شریف کا حاصل یہ ہے کہ امام جوں ہی تکبیر سے فارغ ہو مقتدیوں کو بھی تکبیر کہنا چاہئے،مقتدیوں کو امام سے پہلے تکبیر نہ کہنا چاہئے،اور امام جب قراءت کرے خواہ سری نماز ہو یا جہری مقتدی کو خاموش رہنا چاہئے۔

لیؤ تم بہ: امام تو اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ اس کی اقتداء کیجائے۔

فاذا کبر فکبروا: حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ امام جب تکبیر کہے اس کے بعد مقتدی تکبیر کہے، نہ تو امام کے ساتھ تکبیر کہے،اور نہ ہی امام سے پہلے تکبیر کہے،اور یہ چیز تکبیر تحریمہ میں واجب ہے،اس وجہ سے کہ اگر تابع متبوع سے آگے بڑھا جا رہا ہے تو وہ تابع ہوگا ہی نہیں، اور تکبیر تحریمہ کے علاوہ باقی تکبیرات میں امام کے بعد تکبیر کہنا مستحب ہے، واجب نہیں ہے، بقیہ تکبیرات میں امام کے بعد تکبیر کہنے کو مقتدی کے حق میں مستحب اس لئے قرار دیا گیا کہ تکبیر تحریمہ کی وجہ سے تابع ہو گئے،اور اگر تکبیرات میں مقارنت ہو رہی ہے تو یہ تابع ہونے کے خلاف نہیں ہے۔

فانصتوا: یہاں مطلب یہ ہے کہ جب امام قراءت کرے تو خاموش رہو،امام بلند آواز سے قراءت کرے یا آہستہ آواز سے دونوں صورتوں میں مقتدی کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ خاموش رہے،اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے:**"واذا قری القرآن فاستمعوا**

لــہ وانـصتـوا“ یعنی جب امام جہراً قراءت کرے تو خاموش رہ کر سنو! اور جب سراً تلاوت کرے تو خاموش رہو! ابن مالکؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ امام کے پیچھے قراءت نہیں کی جائے گی۔

قراءت سے عاجز شخص کیا پڑھے

﴿۷۹۸﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ لَا اَسْتَطِیْعُ اَنْ اٰخُذَ مِنَ الْقُرْاٰنِ شَیْئًا فَعَلِّمْنِیْ مَایُجْزِئُنِیْ قَالَ قُلْ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! هٰذَا لِلّٰهِ فَمَاذَا لِیْ قَالَ قُلْ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ وَعَافِنِیْ وَاهْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ فَقَالَ هٰکَذَا بِیَدَیْهِ وَقَبَضَهُمَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا هٰذَا فَقَدْ مَلَأَ یَدَیْهِ مِنَ الْخَیْرِ۔ (رواہ ابو داؤد) وَانْتَهَتْ رِوَایَةُ النَّسَائِیِّ عِنْدَ قَوْلِهٖ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

حــوالہ: ابـوداؤد شـریف: ۱۲۱/۱، بـاب مـایـجزی الامی، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۸۳۲۔ نسائی شریف:۱۰۷/۱، باب مایجزئ من القراء ۃ لمن لایستحسن القرآن، کتاب الافتتاح، حدیث نمبر:۹۲۳۔

تــرجـمــہ: حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، اور اس نے عرض کیا ”میں قرآن میں سے کچھ پڑھنا سیکھوں یہ میرے بس میں نہیں ہے، مجھے کسی ایسی چیز کی تعلیم دیجئے جو میرے لئے کافی ہوجائے“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تم یہ دعا پڑھا کرو: ”سبحان اللہ الخ“

اللہ کی ذات پاک ہے، تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں، اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، کوئی حالت نہیں اور نہ کوئی طاقت مگر اللہ ہی کی طرف سے ہے،'' اس شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ تو اللہ تعالیٰ کیلئے ہے، میرے لئے کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم یہ دعا پڑھو "اللھم ارحمنی" اے اللہ مجھ پر رحم فرما، مجھ کو عافیت عطا فرما، مجھ کو سیدھا راستہ عطا فرما، اور مجھ کو روزی عطا فرما، چنانچہ اس شخص نے اپنے ہاتھوں سے اشارہ کیا اور ان کو بند کر لیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس شخص نے اپنے دونوں ہاتھ خیر سے بھر لئے۔ (ابوداؤد) اور نسائی کی روایت میں یہ حدیث "الا باللہ" کے الفاظ پر ختم ہو جاتی ہے۔

تشریح: ایک شخص نیا نیا مسلمان ہوا اس کو قرآن کریم میں سے کچھ یاد نہیں تھا، اور فوری طور پر قرآن میں سے اتنا یاد کرنا اس کے بس سے باہر تھا، جتنا قرآن نماز میں پڑھنا ضروری ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شخص کی دشواری کے پیش نظر دو دعائیں بتادیں کہ ان کو یاد کر لو، ان کے پڑھنے سے نماز ہو جائے گی۔

فعلمنی مایجزئنی: مجھے کوئی ایسی دعا یاد کرادیں جو میرے لئے کافی ہو جائے، حضرت سہارنپوریؒ نے بذل میں یہ بات لکھی ہے کہ یہاں نماز میں قراءت مراد نہیں ہے کیونکہ نماز میں جتنی مقدار قرآن پڑھنا فرض ہے اس کا سیکھنا لازم ہے، دوسرے اذکار اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتے، یہاں پر تلاوت قرآن ورد کے طور پر مراد ہے، لیکن دوسرے بعض شراح یہاں قراءت فی الصلوۃ ہی مراد لیتے ہیں، یعنی نماز میں پڑھنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مذکورہ دعائیں سکھائیں۔

اشکال مع جواب

اشکال: مقدار مفروض کا سیکھنا فرض ہے، تو پھر اس شخص کے لئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم نے دعاء پڑھنے کی اجازت کیوں دی، جتنی لمبی دعاء ہے اتنی مقدار میں قرآن بھی تو یاد کرنا ممکن تھا، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن یاد کرنے کا حکم کیوں نہیں دیا؟

جواب: شروعِ اسلام میں بہت مساہلت تھی، اس وقت کا یہ حکم ہے، پھر یہ شخص نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، اس لئے کہا کہ جب تک قرآن یاد نہیں ہو رہا ہے اس وقت تک یہ دعاء پڑھ لو۔

اُمی اور گونگے کا حکم

''امی'' کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں یہ شخص گونگے شخص کے مانند ہے، حالت قیام میں خاموش کھڑا رہے گا۔

فقال ھکذا بیدیہ: ''قال'' یہاں ''اشار'' کے معنی میں ہے، کیونکہ ''قال'' کا صلہ جب بیدیہ یا برأسہ آتا ہے تو ''اشار'' کے معنی میں لیا جاتا ہے۔ مراد خوشی کا اظہار ہے، جب کسی کے ہاتھ میں کوئی قیمتی چیز آجاتی ہے تو وہ اس کی حفاظت کی خاطر اس کو بند کر لیتا ہے، اسی طرح اس شخص نے بھی کیا اس نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یہ کلمات میرے نزدیک بہت قیمتی ہیں اور میں ان کو حاصل کر کے بہت خوش ہوں۔

قراءت کے دوران آیت کا جواب دینا

﴿۷۹۹﴾ وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا قَرَأَ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى قَالَ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى۔ (رواہ احمد وابوداؤد)

حوالہ: مسند احمد: ۲۳۲/ ۱، ابوداؤد شریف: ۱۲۸/ ۱، بالدعاء فی الصلوۃ، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۸۸۳۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم "سبح اسم ربک الاعلیٰ" آیت تلاوت فرماتے تو "سبحان ربی الاعلیٰ" کہتے۔

تشریح: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب بھی "سبح الخ" تلاوت کرتے [تسبیح بیان کیجئے اپنے رب کی جو بہت بلند ہے] تو اس حکم کی تعمیل میں فوراً "سبحان ربی الاعلیٰ" کہتے [پاک ہے میرا رب جو بلند ہے۔]

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ عمل حالت نماز کا نہیں ہے، اور اگر نماز ہی مراد ہو تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ عمل نفل نماز کے ساتھ خاص ہوگا، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نفل نمازوں میں کوئی بھی آیت دعاء پڑھتے تو رک کر دعا فرماتے تھے، حدیث ہے: "وما اتی علی آیۃ رحمۃ الا وقف وسأل"

آیات قرآنی کا جواب دینا

﴿۸۰۰﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ مِنْکُمْ بِالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ فَانْتَهٰی اِلٰی اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْکَمِ الْحَاکِمِیْنَ، فَلْیَقُلْ بَلٰی وَاَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاهِدِیْنَ وَمَنْ قَرَأَ لَا اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیَامَةِ فَانْتَهٰی اِلٰی اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقَادِرٍ عَلٰی اَنْ یُحْیِیَ الْمَوْتٰی فَلْیَقُلْ بَلٰی وَمَنْ قَرَأَ وَالْمُرْسَلَاتِ فَبَلَغَ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهُ یُؤْمِنُوْنَ فَلْیَقُلْ آمَنَّا بِاللّٰهِ۔ (رواہ ابوداؤد)

وَالتِّرْمِذِیُّ اِلٰی قَوْلِهٖ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِیْنَ۔

حوالہ: ابوداؤد شریف: ١٢٩/ ١، باب مقدار الرکوع والسجود، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ٨٨٧،ترمذی شریف: ١٧٢/ ٢، باب ومن سورة التین، کتاب تفسیر القرآن، حدیث نمبر: ٣٣٤٧۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے جب کوئی شخص سورۂ"والتین والزیتون" کی قراءت کرے تو جب وہ "الیس اللہ باحکم الحاکمین" [کیا اللہ سب حاکموں میں سے بڑے حاکم نہیں ہیں] پر پہنچے تو اس کو چاہئے کہ وہ کہے "بلیٰ وانا علی ذلک من الشاھدین" [کیوں نہیں میں اس کی شہادت دینے والوں میں سے ہوں] اور جب وہ شخص سورۂ"لا اقسم بیوم القیامۃ" [میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی] کی تلاوت کرے، تو جب وہ "الیس ذلک بقادر علی ان یحی الموتی" [کیا اللہ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں ہے] پر پہنچے تو اس کو چاہئے کہ وہ کہے "بلی" [کیوں نہیں اللہ اس پر قادر ہے] اور جو شخص سورۂ"والمرسلات" [قسم ہے چلنے والی ہواؤں کی] کی تلاوت کرے، پس جب وہ "فبای حدیث بعدہ یؤمنون" [اب اس کے بعد کس بات پر یقین لائیں گے؟] پر پہنچے تو اس کو چاہئے کہ کہے "آمنا باللہ" [ہم اللہ پر ایمان لائے] (ابوداؤد) ترمذی نے "وانا علی ذلک من الشاھدین" تک کے الفاظ نقل کئے ہیں۔

تشریح: اس حدیث شریف میں بعض آیات پر پہونچنے کے بعد ان کے جواب دینے کا حکم دیا ہے، لیکن اگر نماز میں یہ کلمات تلاوت کئے گئے تو جواب نہ دینا چاہئے، تا کہ قرآن اور غیر قرآن میں اشتباہ پیدا نہ ہو، البتہ آدمی جب اپنے طور پر تلاوت کر رہا ہو تو جواب دینا بہتر ہے تا کہ زبان سے بھی اس اقرار کی تجدید ہو جائے کہ اللہ سب سے بڑا حاکم ہے، اللہ

تعالیٰ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے، اس طرح دیگر آیات کے جواب دینے میں بھی زبانی طور سے اقرار ہوتا ہے، اگر نماز میں یہ آیات تلاوت ہوں تو جواب نہیں دیا جائے گا یا پھر زیادہ سے زیادہ نفل نمازوں میں جواب دینے کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

اختلاف ائمہ

حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ جواب کے الفاظ نماز سے باہر تلاوت کی صورت میں بھی کہے جائیں اور نماز کی قراءت میں بھی، نماز خواہ فرض ہو یا غیر فرض۔

امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ نماز کے باہر کہے جائیں اور غیر فرض نماز میں بھی کہے جائیں۔

امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ نماز سے باہر کہے جائیں نماز میں نہ کہنے چاہئیں، نہ فرض میں نہ نفل میں، کیونکہ اگر نماز کی قراءت میں یہ الفاظ کہے جائیں گے تو یہ وہم ہو سکتا ہے کہ یہ الفاظ بھی قرآن ہی کے ہیں، اس وہم سے بچانے کے لئے نماز کا استثنا ضروری ہے۔

سورۂ رحمٰن کی آیت کا جواب

﴿۸۰۱﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَصْحَابِهٖ فَقَرَأَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةَ الرَّحْمٰنِ مِنْ اَوَّلِهَا اِلٰى آخِرِهَا فَسَكَتُوْا فَقَالَ لَقَدْ قَرَأْتُهَا عَلَى الْجِنِّ لَيْلَةَ الْجِنِّ فَكَانُوْا اَحْسَنَ مَرْدُوْدًا مِنْكُمْ كُنْتُ كُلَّمَا اَتَيْتُ عَلٰى قَوْلِهٖ فَبِاَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ قَالُوْا لَا بِشَيْءٍ مِنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ۔ (رواه الترمذی) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۶۴، باب سورة الرحمن، کتاب تفسیر القرآن، حدیث نمبر: ۳۲۹۱۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے پاس تشریف لائے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے سامنے "سورۂ رحمن" شروع سے اخیر تک تلاوت فرمائی، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین خاموش رہے، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے "لیلۃ الجن" میں جنات کے سامنے یہ سورت تلاوت کی تو تم سے بہتر ردِّ عمل تو ان کا تھا، میں جب جب اللہ تعالیٰ کے ارشاد "فبای آلاء ربکما تکذبان" [پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی تم جھٹلاؤ گے] پر پہونچتا تو وہ کہتے تھے: "لا بشیء الخ" نہیں ہمارے رب ہم آپ کی کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے، اور سب تعریفیں آپ ہی کے لئے ہیں، (ترمذی) ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: جب سورۂ رحمٰن کی تلاوت کوئی کرے اور مذکورہ آیت پر پہنچے تو جو کلمات جنات نے کہے تھے وہ کہے؛ کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف ہے، اور ناشکری نہ کرنے کا اظہار ہے، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے سورۂ رحمٰن سن کر یہ کلمات نہیں کہے، تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس معاملہ کے اعتبار سے تو جنات ہی تم سے بہتر ہیں، انہوں نے مذکورہ کلمات کہے، اور تم نے نہیں کہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کلمات کو سنکر مذکورہ بالا کلمات کہنے چاہئیں۔

فائدہ: (۱)......آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس فرمان سے قطعاً یہ لازم نہیں آتا کہ جنات حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے افضل ہیں۔

فائدہ: (۲)......قرآن مجید کی اس آیت کے جواب میں مذکورہ کلمات کہنا مستحب ہے، لیکن فرض نمازوں میں ان کلمات کو نہ کہا جائے، ورنہ بہت ممکن ہے کہ بعض عوام ان کلمات کو بھی قرآن کا جزء سمجھ بیٹھیں۔

﴿الفصل الثالث﴾

دو رکعتوں میں ایک ہی سورت کی تلاوت

﴿۸۰۲﴾ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اِنَّ رَجُلًا مِنْ جُهَيْنَةَ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فِي الصُّبْحِ اِذَا زُلْزِلَتِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ كِلْتَيْهِمَا فَلَا اَدْرِيْ اَنَسِيَ اَمْ قَرَأَ ذٰلِكَ عَمْدًا۔ (رواہ ابو داؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱۱۸/۱، باب الرجل یعید سورۃ واحدۃ فی رکعتین، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۸۱۶۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن عبداللہ جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ جہینہ کے ایک شخص نے ان کو اطلاع دی کہ اس نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فجر کی دونوں رکعتوں میں "اذا زلزلت" کی تلاوت کرتے ہوئے سنا، مجھے نہیں معلوم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا بھول کر کیا یا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جان بوجھ کر پڑھا۔

تشریح: ایک ہی سورت کو دو رکعت میں پڑھنا جائز ہے، لیکن افضل یہی ہے کہ ہر رکعت میں الگ الگ سورت پڑھی جائے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دائمی عمل یہی تھا، شاید باید ہی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے خلاف کیا ہے۔

فی الرکعتین کلتیھما: "رکعتین" کے بعد "کلتیھا" کی وضاحت کرکے یہ

بتانا مقصود ہے کہ فجر کی دونوں رکعتوں میں "اذا زلزلت الارض" پوری پڑھی، ایسا نہیں تھا کہ بعض حصہ ایک رکعت میں پڑھا، اور بعض حصہ دوسری رکعت میں پڑھا، ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت پڑھی۔

فلا ادری: راوی کہتے ہیں کہ ہمیں نہیں معلوم کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا جان بوجھ کر کیا یا بھول کر کیا، صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان جواز کیلئے کیا تھا، افضل ہر رکعت میں الگ الگ سورتیں پڑھنا ہے۔

ایک حصہ ایک رکعت میں دوسرا حصہ دوسری رکعت میں پڑھنا

﴿۸۰۳﴾ وَعَنْ عُرْوَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اِنَّ اَبَابَكْرٍ الصِّدِّيْقَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ صَلَّى الصُّبْحَ فَقَرَأَ فِيْهِمَا بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ كِلْتَيْهِمَا۔ (رواه مالك)

حوالہ: مؤطا امام مالکؒ:۲۸، باب القراءة فی الصبح، کتاب الصلوة، حدیث نمبر:۳۳۔

ترجمہ: حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فجر کی دو رکعتوں میں سورۂ بقرہ پڑھی۔

تشریح: ایک رکعت میں سورت کا ایک حصہ پڑھنا اور دوسری رکعت میں اسی سورت کا ما بقیہ پڑھنا درست ہے، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی یہی ثابت ہے۔ اور حدیث باب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل سے بھی یہ ثابت ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ ہر رکعت میں ایک مکمل سورت پڑھی جائے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کا دائمی عمل یہی تھا۔

بسورۃ البقرۃ: سورۂ بقرہ کا بعض حصہ ایک رکعت میں پڑھا، اور دوسرا حصہ دوسری رکعت میں پڑھا، مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر رکعت میں مکمل سورۂ بقرہ کی تلاوت کی، اس وجہ سے کہ فجر کے وقت اس بات کی گنجائش نہیں کہ ہر رکعت میں سورۂ بقرہ کی تلاوت کی جاسکے۔

ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ عمل حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل کی نظیر ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز میں سورۂ اعراف کو دو حصوں میں کرکے دو رکعتوں میں پڑھا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ عمل بیان جواز کے لئے تھا، ورنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عام معمول یہی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر رکعت میں ایک مکمل سورت تلاوت فرماتے تھے۔

فجر کی نماز میں سورۂ یوسف پڑھنا

﴿۸۰۴﴾ وَعَنِ الْفُرَافِصَةِ بْنِ عُمَيْرٍ الْحَنَفِيِّ قَالَ مَا اَخَذْتُ سُوْرَةَ يُوْسُفَ اِلَّا مِنْ قِرَاءَةِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اِيَّاهَا فِي الصُّبْحِ مِنْ كَثْرَةِ مَا كَانَ يُرَدِّدُهَا۔ (رواه مالك)

حوالہ: مؤطا امام مالکؒ:۲۸، باب القراءۃ فی الصبح، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۳۵۔

ترجمہ: حضرت فرافصہ بن عمیر حنفیؒ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت سن کر سورۂ یوسف یاد کی، کیونکہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فجر کی نماز میں سورۂ یوسف کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔

تشریح: الحنفی: قبیلہ حنفیہ کی طرف نسبت ہے۔

اشکال مع جواب

اشــکـال: فقہاء نے ایک سورت پر مداومت کرنے کومکروہ قرار دیا ہے، فقہاء کا قول اس حدیث کے منافی معلوم ہوتا ہے۔

جواب: فقہاء کے قول اور حدیث باب میں کوئی منافات نہیں ہے، کیونکہ فقہاء نے ایک ہی سورت پر جو مداومت کومکروہ قرار دیا ہے اس سے مراد تمام نمازوں میں ایک ہی سورت متعین کر کے پڑھنا ہے، اور اس کے مکروہ قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں باقی تمام قرآن کا چھوڑنا لازم آتا ہے، جہاں تک حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل ہے تو اولاً تو وہ کثرت سے سورۂ یوسف پڑھتے تھے، کثرت کا مطلب مداومت نہیں ہے، نیز آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف فجر کی نماز میں سورۂ یوسف کثرت سے پڑھتے تھے، بقیہ نمازوں میں دوسری سورتیں پڑھتے تھے۔ (مرقاۃ)

نماز فجر میں سورۂ ”حج“ پڑھنا

﴿۸۰۵﴾ وَعَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيْعَةَ قَالَ صَلَّيْنَا وَرَاءَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ الصُّبْحَ فَقَرَأَ فِيْهِمَا بِسُوْرَةِ يُوْسُفَ وَسُوْرَةِ الْحَجِّ قِرَاءَةً بَطِيْئَةً قِيْلَ لَهٗ إِذاً لَقَدْ كَانَ يَقُوْمُ حِيْنَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ قَالَ أَجَلْ۔ (رواه مالك)

حوالہ: مؤطا امام مالکؒ:۲۸، باب القراءۃ فی الصبح، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۳۴۔

ترجمہ: حضرت عامر بن ربیعہ سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز میں سورۂ یوسف اور سورۂ حج کی تلاوت فرمائی، اور تلاوت بھی ٹھہر ٹھہر کی، حضرت عامر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تب تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فجر طلوع ہوتے ہی کھڑے ہو جاتے ہونگے؟ حضرت عامر نے جواب دیا، ہاں۔

تشریح: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فجر کے اول وقت میں نماز شروع فرماتے تھے، اور فجر کی ایک رکعت میں سورۂ یوسف کی تلاوت فرماتے تھے، جب کہ دوسری رکعت میں سورۂ حج کی تلاوت فرماتے تھے۔

قراءة بطيئة: یعنی تجوید وترتیل کا خیال رکھ کر اطمینان سے پڑھا۔

قيل له: ایک شخص نے حضرت عامر سے عرض کیا جیسا آپ بتا رہے ہیں اگر ویسا ہی معاملہ ہے تب تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اول وقت میں یعنی غلس ہی میں نماز شروع کر دیتے ہوں گے۔

قال اجل: حضرت عامر نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فجر کے اول وقت یعنی غلس میں نماز شروع فرمادیتے تھے، صاحب مرقاۃ لکھتے ہیں کہ ''غلس'' میں فجر کی نماز شروع کرنے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اور یہ جواز پر محمول ہے، استحباب پر محمول نہیں ہے، اور حدیث باب میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو عمل مذکور ہے، وہ دائمی عمل نہیں ہے۔

حنفیہ کے نزدیک فجر کا وقت مستحب اسفار میں ہے، غلس میں نماز پڑھنا درست ہے، لیکن اولیٰ نہیں ہے۔

نماز میں ہر چھوٹی بڑی سورت پڑھنا درست ہے

﴿۸۰۶﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ مَا مِنَ الْمُفَصَّلِ سُوْرَةٌ صَغِيْرَةٌ وَلَا كَبِيْرَةٌ إِلَّا قَدْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّ بِهَا النَّاسَ فِي الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ۔
(رواہ مالک)

تنبیه: لم اجد هذه الرواية فی المؤطا ولکن وجدت فی سنن ابی داؤد.

حواله: ابوداؤد شریف:۱۱۸/ ۱، باب من رأى التخفيف فيها، کتاب الصلوة، حدیث نمبر:۸۱۴۔

ترجمه: حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ طوال مفصل میں سے نہ کوئی بڑی سورت ایسی ہے اور نہ کوئی چھوٹی سورت ایسی ہے جس کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لوگوں کو فرض نماز پڑھاتے ہوئے سنی نہ ہو۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مختلف اوقات میں طوال مفصل یعنی سورۂ حجرات سے لے کر سورۂ بروج تک تمام سورتیں فرض نمازوں میں پڑھ کر لوگوں کو سنادیں، تاکہ لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ تمام سورتوں کا پڑھنا درست ہے۔

المکتوبۃ: فرض کی پانچ نمازیں مراد ہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمام سورتیں بیان جواز کے طور پر پڑھیں، تاکہ لوگوں کو علم ہوجائے۔ سورۂ حجرات سے اخیر تک کی سورتیں مفصلات کہلاتی ہیں، سورۂ حجرات سے سورۂ بروج تک طوال مفصل، سورۂ بروج سے سورۂ البینہ تک اوساط مفصل، سورۂ البینہ سے سورۂ الناس تک قصار مفصل، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی تفصیل منقول ہے۔

نماز مغرب میں سورۂ دخان پڑھنا

﴿۸۰۷﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى قَالَ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ بِحٰمٓ الدُّخَانِ۔ (رواه النسائی مرسلا)

حوالہ: نسائی شریف: ۱۱۴/۱، باب القراءة فی المغرب، کتاب الافتتاح، حدیث نمبر: ۹۸۷۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عتبہ بن مسعود رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز میں سورۂ "دخان" پڑھی۔

تشریح: عبد اللہ بن عتبۃ بن مسعود: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی کے بیٹے ہیں، کبار تابعین میں سے ہیں۔

حٰمٓ الدخان: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز مغرب میں سورۂ "حٰمٓ الدخان" پڑھی، اس میں دو احتمال ہیں:

(۱)...... مغرب کی ہر رکعت میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مذکورہ سورت پڑھی۔

(۲)...... مذکورہ سورت کا بعض حصہ پہلی رکعت میں اور بعض حصہ دوسری رکعت میں پڑھا۔

اور یہ پڑھنا بیان جواز کے لئے تھا، دائمی عمل نہیں تھا، اس لئے کہ مغرب کی نماز میں قصار مفصل کا پڑھنا افضل ہے۔ ۞۞۞

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب الرکوع

رقم الحدیث:...... ۸۰۸؍ تا ۸۲۶؍

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب الرکوع

(رکوع کا بیان)

اس حدیث شریف کے تحت جو احادیث مذکور ہیں، ان میں رکوع کی فرضیت کا بیان ہے نیز رکوع کرنے کا طریقہ اور رکوع میں پڑھی جانے والی مختلف دعائیں، رکوع میں تعدیل کی اہمیت اور رکوع میں تسبیحات کی تعداد وغیرہ کا بیان ہے۔

رکوع کے معنی اور اس کی فرضیت

رکوع کے معنی: "انحناء" یعنی جھکنا، جس طرح قیام وقراءت فرض ہے، اسی طرح رکوع بھی فرض ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ارکعوا" [رکوع کرو۔] یہاں صیغہ امر ہے اور وہ وجوب کے لئے ہوتا ہے، لہٰذا رکوع فرض ہے۔

اصطلاح شریعت میں رکوع کا مطلب ہوتا ہے نماز میں قیام کے بعد تکبیر کہہ کر ایک خاص انداز میں اس قدر جھکنا کہ جس میں دونوں ہاتھ گھٹنوں تک پہونچ سکیں۔

اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دین وشریعت کے باب میں جن خصوصیات سے ممتاز کیا ہے ان میں ایک خصوصیت یہ رکوع بھی ہے، اس کی مشروعیت صرف

امت محمدیہ کی نماز میں ہوئی، گذشتہ امتوں میں کسی بھی امت کی نماز میں رکوع نہ تھا، حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق قرآن مجید میں "وارکعی مع الرّٰکعین" ہے اس سے مراد یہ ہے کہ نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھو۔

رکوع کی مقدار: چونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد مطلق ہے، اس وجہ سے حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بس رکوع کے لئے جھک جانا کافی ہے، یعنی جھک جانے سے فریضہ ادا ہوجاتا ہے، البتہ رکوع میں تعدیل واجب ہے، چونکہ تعدیل کا ثبوت خبر واحد سے ہے، اور خبر واحد سے وجوب ثابت ہوتا ہے، فرض ثابت نہیں ہوتا ہے۔

رکوع کا طریقہ: رکوع کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ نمازی اپنے دونوں ہاتھوں سے دونوں گھٹنوں کو مضبوطی سے پکڑلے، اور ہاتھوں کی انگلیاں کھلی رکھے، پنڈلیوں کو سیدھا کھڑا رکھے، پیٹھ کو بالکل ہموار رکھے، اسی طرح سر بھی اونچا نہ رہے، اور نہ جھکا رہے، سرین سے سر تک بالکل ہموار سطح رہے۔

رکوع میں تسبیح کی مقدار: اس بات پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ رکوع میں تسبیحات کیلئے کوئی وجوبأ عدد متعین نہیں ہے، البتہ تین سے لیکر گیارہ تک عدد کو مستحب کہا گیا ہے، یعنی مستحب کا ادنیٰ درجہ تین ہے، اور اعلیٰ درجہ گیارہ ہے، آگے ایک حدیث آرہی ہے جس میں تین بار تسبیح کی مقدار کو ادنیٰ قرار دیا گیا ہے، ادنیٰ قرار دیئے جانے کا یہی مطلب ہے کہ یہ ادنیٰ مقدار مستحب ہے نہ کہ ادنیٰ مقدار واجب ہے۔

رکوع میں پڑھی جانے والی تسبیحات

ابوداؤد شریف میں "باب مایقول الرجل فی رکوعه وسجوده" کے تحت حدیث ہے اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جس وقت "فسبح باسم ربک العظیم" اور

"سبح اسم ربک الاعلیٰ" آیات نازل ہوئیں تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اجعلوها فی رکوعکم وسجودکم" یعنی ان دعاؤں میں سے اول کو رکوع میں داخل کرلو، اور ثانی کو سجدہ میں داخل کرلو، پھر ابو داؤد میں اسی باب کے تحت دوسری حدیث ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رکوع میں "سبحان ربی العظیم وبحمده" اور سجدوں میں "سبحان ربی الاعلیٰ وبحمده" پڑھتے تھے، ابو داؤد کہتے ہیں کہ روایت میں جو "بحمده" ہے، اس کا اضافہ ثابت نہیں ہے، حاصل یہ نکلا کہ رکوع میں "سبحان ربی العظیم" تسبیح کے طور پر پڑھا جائے گا، آگے جو احادیث آرہی ہیں ان میں اس تسبیح کے علاوہ دیگر دعائیں بھی مذکور ہیں، ان کے بارے میں علماء لکھتے ہیں کہ مذہب حنفیہ میں منفرد کو اختیار ہے کہ رکوع وسجود میں تسبیحات کے بعد احادیث میں منقول دعائیں یا مناسب اذکار شامل کرسکتا ہے، اگر امام ہے تو مقتدیوں کی رعایت بہر حال اس پر لازم ہے، لہٰذا اگر مقتدیوں کو بار نہ ہو تو رکوع میں دعاء کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور امام کے ساتھ مقتدی بھی دعاء کرسکتے ہیں، لیکن اگر مقتدیوں پر بار ہو تو امام رکوع میں تسبیحات پر ہی اکتفاء کرے۔

رکوع میں تکرار نہیں: سجدہ میں تکرار ہے، جب کہ رکوع میں تکرار نہیں ہے، اس کی محدثین بہت سی وجوہات لکھتے ہیں، ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ سجدہ مقصد اصلی ہے، اس میں انتہائی درجہ تذلل اور خضوع ہے، جب کہ رکوع سجدہ کا وسیلہ ہے، اس وجہ سے سجدہ میں تکرار ہے، رکوع میں نہیں ہے۔

ہر رکعت میں دو سجدے مشروع ہونے کی حکمت

بعض حضرات یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آدم علیہ السلام کو

سجدہ کرنے کا حکم دیا، انہوں نے سجدہ کیا، جس کی وجہ سے وہ کامیاب ہوئے، ابلیس لعین نے سجدہ نہیں کیا، اس لئے وہ ناکام ہوا، فرشتوں نے سر اٹھا کر جب ابلیس کی ناکامی دیکھی تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سجدہ کی توفیق مرحمت فرمادی دوبارہ سجدہ میں چلے گئے، اسی لئے بنی آدم کے لئے ہر رکعت میں دو سجدے مشروع ہوئے۔

صاحب مرقات نے لکھا ہے کہ شب معراج میں ملائکہ نے سجدہ سے سر اٹھا کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سلام کیا، پھر سجدہ میں مشغول ہوگئے، اسی وجہ سے دو سجدے ہیں، آخر میں ملا علی قاریؒ یہ بھی لکھتے ہیں کہ اظہر یہی ہے کہ تکرار سجدہ کا حکم امر تعبدی ہے۔

بعض حضرات نے دوسری حکمت یہ لکھی ہے کہ پہلے سجدہ میں اشارہ "منها خلقناكم" کی طرف ہے، اور دوسرے سجدے میں "فيها نعيدكم" کی طرف، اس سے اٹھنے میں "ومنها نخرجكم تارة اخرىٰ" کی طرف ہے، اس لئے تکرار سجدہ ہے۔ (درس مشکوۃ: ۲/۷۹)

﴿الفصل الاول﴾

رکوع وسجود

﴿۸۰۸﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقِيْمُوا الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ فَوَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَرَاكُمْ مِنْ بَعْدِيْ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۰۲، باب الخشوع فی الصلوۃ، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۷۴۲۔مسلم شریف: ۱/۱۸۰، باب الامر بتحسین الصلوۃ، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۴۲۵۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم لوگ رکوع وسجدہ کو ٹھیک طور پر ادا کیا کرو، اللہ کی قسم میں تم لوگوں کو اپنے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔''

تشریح: اس حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو مخاطب کر کے یہ بات فرمائی کہ رکوع وسجدہ میں اطمینان واعتدال کو ملحوظ رکھو، جلدی جلدی رکوع وسجود نہ کرو، اس حدیث کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بات بھی فرمائی کہ میں جس طرح آگے اور سامنے کی چیز دیکھتا ہوں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ معجزہ عطا فرمایا ہے کہ میں پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔

اقیموا الرکوع والسجود: رکوع وسجدہ میں اعتدال وطمانیت اختیار کرو، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی نماز پڑھنے کے انداز پر کڑی نگاہ رکھتے تھے، اور جب بھی کسی کی خامی دیکھتے فوراً ٹوکتے تھے۔ چنانچہ ایک موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ پورے طور پر آداب صلوۃ کی رعایت نہیں کر رہے ہیں، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی۔

ابن ملک ؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات کی ترغیب ہے کہ نماز کو پورے طور پر خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرنا چاہئے، اور کوتاہی سے گریز کرنا چاہئے، کیونکہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کوتاہی پوشیدہ نہیں ہے تو باری تعالیٰ پر کیوں کر پوشیدہ ہوگی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تو اللہ تعالیٰ ہی کے مطلع کرنے سے اطلاع ہوتی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیچھے سے نظر آنا

سوال: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک تو سامنے کی جانب یعنی قبلہ کی طرف ہوتا تھا، نیز آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امام ہونے کی وجہ سے سب سے آگے بھی رہتے تھے، پھر پیچھے کھڑے ہوئے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی نماز کی ادائیگی کو کیسے دیکھ لیتے تھے۔

جواب: (۱)......وحی کے ذریعہ یا بطور کشف پیچھے کی سمت کا علم ہو جاتا تھا، اسی کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رویت سے تعبیر کیا ہے۔

(۲)......بطور معجزہ اور خرق عادت کے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیچھے کی سمت بھی دیکھ لیتے تھے، یہی زیادہ بہتر جواب ہے۔

نگرانی

فائدہ: حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ اپنے ماتحتوں کی نگرانی بھی کرنا چاہئے۔

ارکان صلوۃ میں اعتدال

﴿۸۰۹﴾ وَعَنِ الْبَرَاءِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رُكُوْعُ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسُجُوْدُهٗ وَبَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ وَاِذَا رَفَعَ مِنَ الرُّكُوْعِ مَا خَلَا الْقِيَامِ وَالْقُعُوْدِ قَرِيْبًا مِنَ السَّوَاءِ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱/۱۰۹، باب حد اتمام الرکوع، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۷۹۲۔ مسلم شریف: ۱/۱۸۹، باب اعتدال ارکان الصلوۃ، کتاب الصلوۃ. حدیث نمبر: ۴۷۱۔

ترجمہ: حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رکوع اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سجدہ اور دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ اور رکوع سے اٹھنے کے بعد کا قومہ سب قریب قریب برابر ہوتے تھے، سوائے قیام اور قعود کے۔

تشریح: اس حدیث شریف کی تشریح سے پہلے چند چیزیں سمجھیں:

(۱)......**قیــام:** نماز پڑھنے والا کھڑا ہو کر قراءت کرتا ہے، تو اس کھڑے ہونے کو قیام کہتے ہیں۔

(۲)......**رکوع:** قراءت کے بعد تکبیر کہتے ہوئے نمازی جو جھکتا ہے، اس کو رکوع کہتے ہیں۔

(۳)......**قومہ:** رکوع کے بعد نمازی کے سیدھے کھڑے ہونے کو قومہ کہتے ہیں۔

(۴)......**سجدہ:** قومہ کے بعد نمازی زمین پر پیشانی، ناک، ہتھیلیاں وغیرہ رکھتا ہے اس کو سجدہ کہتے ہیں۔

(۵)......**جلسہ:** دونوں سجدوں کے درمیان نمازی کا بیٹھنا ''جلسہ'' کہلاتا ہے۔

(۶)......**قعدہ:** دونوں سجدوں کے بعد التحیات پڑھنے کے لئے نمازی جو بیٹھتا ہے اس کو قعدہ کہتے ہیں۔

اب اس حدیث کو سمجھئے اس میں یہ بات کہی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قیام اور قعدہ تو طویل ہوتا ہے، کیونکہ قیام میں قراءت ہوتی ہے، اور قعدہ میں التحیات پڑھی جاتی ہے، اس لئے اس میں زیادہ وقت لگتا ہے، لیکن اس کے علاوہ چار چیزیں رکوع، سجدہ، اور قومہ و جلسہ تقریباً برابر برابر ہوتا تھا۔

ما خلا القیام و القعود: بعض لوگ کہتے ہیں کہ قیام سے مراد قومہ اور قعود سے مراد جلسہ ہے، اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اگر قیام سے قومہ اور قعود سے جلسہ مراد لیا جائے تو

یہ استثناء صحیح نہ ہوگا، اس لئے کہ "بین السجدتین واذا رفع من الرکوع" میں قومہ وجلسہ کا اثبات ہو چکا ہے اور جس بات کا اثبات ہوا، اسی بات کا بعینہ استثناء درست نہیں یہ ایسا ہی ہوگا جیسے کہ کہا جاتا ہے "جاء زید وعمرو وخالد الا زیدا وعمروا" اس کا جواب دیا گیا ہے کہ جہاں قومہ وجلسہ کو شامل کیا گیا ہے وہاں مراد اطمینان ہے، یعنی سب میں طمانیت واجب ہے، اور جہاں استثناء ہے، وہاں مراد برابر سرابر ہونے کا استثناء ہے، تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ قومہ، جلسہ، رکوع، سجدہ سب میں طمانیت واجب ہے، البتہ رکوع وسجدہ میں توقف برابر سرابر ہے، اور قومہ وجلسہ میں ان سے کم ہے، اس کے برخلاف بعض لوگوں نے قیام سے مراد قراءت کے لئے جو کھڑا ہوتا ہے وہ مراد لیا ہے، اور قعود سے تشہد مراد لیا ہے۔ ایسی صورت میں استثناء بالکل واضح ہے، یعنی رکوع، سجدہ وغیرہ برابر ہوتے ہیں اور قیام وتشہد طویل ہوتے ہیں۔ (فتح الباری: ۲/۲۴۱، مرقات: ۳/۳۰۹)

قومہ وجلسہ وغیرہ میں تعدیل

﴿۸۱۰﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ قَامَ حَتّٰی نَقُوْلَ قَدْ اَوْھَمَ ثُمَّ یَسْجُدُ وَیَقْعُدُ بَیْنَ السَّجْدَتَیْنِ حَتّٰی نَقُوْلَ قَدْ اَوْھَمَ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۱۸۹، باب اعتدال ارکان الصلوۃ، حدیث نمبر: ۴۷۳۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم "سمع اللہ لمن حمدہ" کہنے کے ساتھ کھڑے ہوتے تو اتنی دیر کھڑے رہتے کہ ہمیں خیال ہوتا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھول گئے، پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سجدہ کرتے اور دونوں سجدوں کے درمیان اتنی دیر بیٹھتے کہ ہم کہتے (دل میں) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھول گئے ہیں

تشریح: قومہ وجلسہ میں اطمینان واجب ہے، راوی اس حدیث سے یہ بات بتانا چاہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قومہ وجلسہ میں بہت دیر ٹھہرتے تھے، لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ حدیث میں مذکور عمل کا تعلق نفل سے ہے، یا پھر فرض میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا بیان جواز کے لئے کیا ہوگا، اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ معمول ہوتا تو صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ نہ کہتے کہ اتنی دیر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ٹھہرے کہ ہم سمجھے کہ وہم ہوگیا ہے، یہ بات اس طرف اشارہ کر رہی ہے کہ یہ عمل کبھی کبھی کا تھا۔

حتی نقول قد اوھم: وہم کے دو معنی ہو سکتے ہیں:

(۱)...... **ترک**: مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "سمع اللہ لمن حمدہ" کہنے کے بعد اتنی زیادہ دیر کھڑے رہتے تھے کہ ہم لوگ خیال کرتے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پڑھی ہوئی رکعت ترک کر دی ہے۔

(۲)...... **وقع فی الغلط**: یعنی لوگ یہ سمجھتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھول گئے ہیں، اور سجدہ میں جانا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یاد نہیں رہا، اسی طرح آگے جو "اوھم" آرہا ہے، اس میں بھی یہی دو معنی ہوں گے، یا تو یہ معنی ہوں گے کہ ہم سمجھتے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سجدہ ثانیہ ساقط کر دیا ہے، اور تشہد میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیٹھ گئے، یا پھر یہ معنی ہوں گے کہ ہم سمجھے

تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سجدۂ ثانیہ کرنا بھول گئے ہیں، دونوں معنی مراد لینے کی گنجائش ہے، لیکن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ عمل ہمیشہ نہیں تھا، بلکہ یا مرض میں ایسا ہوتا تھا یا کبھی کبھار بیان جواز کے لئے تھا، اور ''کان'' یہاں رابطہ کے لئے ہے، مواظبت بیان کرنے کے لئے نہیں ہے۔

رکوع اور سجدہ کی دعا

﴿۸۱۱﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ اَنْ يَقُوْلَ فِيْ رُكُوْعِهٖ وَسُجُوْدِهٖ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ يَتَاَوَّلُ الْقُرْآنَ۔ (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۱۳/۱، باب التسبیح والدعاء فی السجود، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۸۱۷۔ مسلم شریف: ۱۹۲/۱، باب مایقال فی الرکوع والسجود، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۴۸۴۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رکوع وسجدہ میں کثرت سے یہ دعاء پڑھتے تھے، "سبحانک الخ" آپ کی ذات پاک ہے اے اللہ! اے ہمارے پروردگار! تیری ہی حمد کرتے ہیں، اے اللہ آپ مجھ کو بخش دیجئے، یہ دعاء مانگ کر دراصل آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن کے حکم کی تعمیل کرتے تھے۔

تشریح: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تسبیح اور استغفار کے لئے حکم دیا ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حدیث مذکور میں موجود کلمات کو کثرت سے پڑھتے تھے۔

سبحانک اللّٰھُمَّ: اللہ تعالیٰ نے سورۂ ''نصر'' میں فرمایا: ''فسبح بحمد ربک الایة'' اپنے رب کی تعریف کے ساتھ تسبیح کیا کیجئے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تسبیح وتحمید کے مذکورہ کلمات کثرت سے پڑھتے تھے۔

اللھم اغفر لی: اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''واستغفرہ'' کی تعمیل میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مذکورہ دعا مانگتے تھے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود تو معصوم تھے، لیکن قرآن پاک کے اس حکم کی تعمیل میں ایسا کرتے تھے۔

رکوع اور سجدہ کی ایک اور دعا

{۸۱۲} وَعَنْهَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِیْ رُكُوْعِهٖ وَسُجُوْدِهٖ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۱۹۲، باب مایقال فی الرکوع، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۴۸۷۔

حل لغات: سبوح، ہر برائی سے بالکل پاک، پاک وبرتر، اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے، سبح اللہ ولہ: (باب تفعیل سے) اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا، قدوس، عیوب ونقائص سے پاک ومنزہ، پاک وبے عیب ذات، اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے۔ قدس اللہ: اللہ تعالیٰ کی تقدیس کا قائل ہونا۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی سے روایت ہے کہ حضرت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رکوع وسجود میں یہ دعاء مانگا کرتے تھے، بہت پاک وبرتر ہے، عیوب سے منزہ ہے، فرشتوں اور روح الامین کا پروردگار ہے۔

تشریح: اس حدیث شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ بات بیان کی ہے کہ کبھی کبھی آپ رکوع وسجود میں مذکورہ بالا دعاء پڑھتے تھے، عام حالت میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہی دعا پڑھتے تھے، جو ہم تمام لوگ رکوع وسجدہ میں پڑھتے ہیں، وہی دعاء پڑھنا افضل ہے، لیکن سنت سمجھ کر کبھی کبھی اس دعاء کے پڑھنے کی بھی گنجائش ہے۔

سبوح قدوس: ان دونوں کلمات سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا ہے، یہاں دو قول ہیں: ایک قول تو یہ ہے یہاں تکرار تاکید کے لئے ہے، دوسرا قول ہے کہ ایک کلمہ سے اللہ تعالیٰ کی ذات کی پاکی بیان کرنا مقصود ہے، دوسرے سے اللہ تعالیٰ کی صفات کی پاکی بیان کرنا مقصود ہے، یہ دونوں کلمہ مبتدا محذوف کی خبر ہیں، اصل عبارت ہے: "رکوعی وسجودی لمن ھو سبوح وقدوس" میرا رکوع وسجدہ اس ذات کے لئے ہے، جو سبوح وقدوس ہے، یعنی مخلوق کے اوصاف سے منزہ وپاک صاف ہے۔

فرشتوں کی کثرت عبادت

رب الملائکۃ: علامہ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ یہاں پر فرشتوں کی طرف "رب" کی خصوصی طور پر نسبت اس وجہ سے ہے کہ وہ مخلوقات میں سب سے عظیم مخلوق ہے، سب سے زیادہ اطاعت کرنے والی اور سب سے زیادہ عبادت کرنے والی مخلوق ہے، حدیث میں آتا ہے کہ فرشتوں سے زیادہ کثیر تعداد میں کوئی مخلوق نہیں ہے، زمین سے اگنے والی ہر شی پر ایک فرشتہ مقرر رہتا ہے، ایک روایت میں آتا ہے کہ جب سے آسمان وزمین کی

تخلیق ہوئی ہے، اس وقت سے بعض فرشتے سجدہ میں ہیں، نہ تو انہوں نے ابھی تک اپنا سر سجدہ سے اٹھایا ہے اور نہ قیامت تک اٹھائیں گے اور بعض فرشتے اس وقت سے رکوع کی حالت میں ہیں نہ تو انہوں نے اب تک اپنا سر رکوع سے اٹھایا ہے، اور نہ قیامت تک اٹھائیں گے، کچھ فرشتے اس وقت سے صف بستہ کھڑے ہیں، وہ بھی نہ تو اب تک صف سے نکلے ہیں اور نہ قیامت تک نکلیں گے، جب قیامت آئے گی تو اللہ پاک ان پر اپنی تجلی فرمائیں گے، تو یہ اللہ کو دیکھیں گے اور کہیں گے "**سبحانک ما عبدناک کما ینبغی لک**" آپ کی ذات پاک ہے جیسا آپ کی عبادت کا حق ہے ہم سے ویسی عبادت نہ ہو سکی، ایک روایت میں آتا ہے کہ ساتوں آسمانوں میں ایک قدم، ایک بالشت اور ایک ہتھیلی برابر بھی جگہ نہیں ہے، سب میں فرشتے کھڑے ہیں کچھ سجدہ میں ہیں، کچھ رکوع میں، قیامت کے دن سب کہیں گے "**سبحانک ما عبدنا حق عبادتک الا انا لم نشرک بک شیئا**" آپ کی ذات پاک ہے آپ کی عبادت کا حق ہم سے ادا نہ ہو سکا، البتہ ہم نے آپ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا۔

الروح: اس سے مراد جبرئیل امین ہیں، فرشتوں کے تذکرہ کے بعد خصوصی طور پر ان کا ذکر ان کی فضیلت کی وجہ سے کیا گیا ہے، اس قول کے علاوہ بھی اقوال ہیں، تفصیل کے لئے دیکھئے: مرقاۃ: ۳۱۰، ۳۱۱/۲۔

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ رب کی نسبت فرشتوں کی طرف کرنے سے فرشتوں کی فضیلت بنی آدم پر ثابت نہیں ہو رہی ہے، کیونکہ یہ نسبت خالقت کے عظیم ہونے کے اعتبار سے ہے، ان کے انسانوں پر فضل وکمال کی وجہ سے نہیں ہے۔

رکوع اور سجدہ میں قراءت کی ممانعت

﴿۸۱۳﴾ وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا اِنِّیْ نُہِیْتُ اَنْ اَقْرَأَ الْقُرْآنَ رَاکِعًا وَسَاجِدًا فَاَمَّا الرُّکُوْعُ فَعَظِّمُوْا فِیْہِ الرَّبَّ وَاَمَّا السُّجُوْدُ فَاجْتَہِدُوْا فِیْ الدُّعَاءِ فَقَمِنٌ اَنْ یُّسْتَجَابَ لَکُمْ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱۹۱/۱، باب النھی عن قراءۃ القرآن فی الرکوع، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۴۷۹۔

حل لغات: قمن کسی کام کے لائق، مناسب۔ جمع قمنون، مؤنث قمنۃ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مجھے رکوع وسجود میں قرآن کریم کی تلاوت سے منع کیا گیا ہے، لہٰذا تم لوگ رکوع میں رب العالمین کی تعظیم بیان کرو، اور سجدہ میں خوب دعاء کرو، سجدہ کی دعاء تمہارے حق میں قبولیت کے زیادہ لائق ہے۔

تشریح: قرآن کریم کی تلاوت کا موقعہ قیام ہے، تلاوت اسی میں کی جائے گی، رکوع وسجدہ کے لئے دوسرے اذکار ہیں، لہٰذا رکوع وسجدہ میں قراءت نہ کی جائے، رکوع میں اللہ تعالیٰ کی خوب عظمت بیان کی جائے، یعنی "سبحان ربی العظیم" پڑھا جائے، اور سجدہ میں خوب دعاء مانگی جائے، فرض نمازوں میں تو کثرت سے تسبیح کا اہتمام کیا جائے، اور نفل نمازوں میں تسبیح کے ساتھ اپنے مطلب کی دعاء بھی مانگنے کی گنجائش ہے، تسبیح بیان کرنے کو بھی دعاء کرنا ہی کہا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرنا بھی ایک طرح سے دعاء ہی ہے، بلکہ خود

سجدہ بھی دعا ہی ہے کسی سخی کے دروازہ پر کھڑے ہوکر اس کی تعریف کرنا سوال ہی کہلاتا ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے: ؎

میرا محتاج ہونا تو میری حالت سے ظاہر ہے
مگر دیکھنا ہے اب تو آپ کا حاجت روا ہونا

انی نھیت: ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ یہاں کراہت تنزیہی مراد ہے، حافظؒ کا کہنا ہے کہ اکثر علماء اسی کے قائل ہیں، بعض لوگ کراہت تحریمی کے قائل ہیں، اور قیاس کا تقاضہ بھی یہی ہے۔

رکوع اور سجود میں قراءت کی ممانعت کی حکمت

ان اقرأ القرآن: رکوع وسجدہ میں قرآن کریم کی تلاوت سے منع کیا گیا ہے، رکوع وسجدہ میں قراءت کیوں ممنوع ہے، اس کی اصل علت تو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، لیکن شراح حدیث نے اپنے فہم سے چند علتیں ذکر کی ہیں۔

خطابیؒ کہتے ہیں کہ ''رکوع وسجدہ خضوع وتذلل کی حالتیں ہیں، لہٰذا ان میں ذکر وتسبیح کو مخصوص کیا گیا ہے، اور دونوں میں تلاوت قرآن سے منع کیا گیا ہے، گویا اللہ تعالیٰ کے کلام اور مخلوق کے کلام کو ایک جگہ جمع کرنے سے منع کیا ہے۔''

خطابیؒ کی یہ بات علامہ طیبیؒ نے نقل کی ہے، لیکن اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ قیام میں تسبیح وقراءت دونوں ہیں، ابن الملک کہتے ہیں کہ ''نماز کے ارکان میں سب سے افضل رکن قیام ہے، اور اذکار میں سب سے افضل ذکر قرآن ہے، تو افضل کو افضل کے لئے مخصوص کردیا، تاکہ بقیہ اذکار کے ساتھ قرآن کے مساوی ہونے کا وہم پیدا نہ ہو۔''

قاضیؒ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رکوع و سجدہ میں تلاوت قرآن سے منع کیا ہے، اور ممانعت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رکوع و سجدہ میں قرآن کریم کی تلاوت جائز نہیں ہے، لیکن اگر کسی نے تلاوت کرہی لی تو نماز باطل نہ ہوگی۔

علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ رکوع میں تعظیم اور سجدہ میں دعاء کا حکم اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ رکوع و سجود میں قرآن کریم کی تلاوت سے ممانعت کا حکم حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اس حکم میں امت بھی داخل ہے، ابن الملکؒ کہتے ہیں کہ امر استحباب کے لئے ہے، وجوب کے لئے نہیں ہے، کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب اعرابی کو نماز سکھائی تھی تو اس کا حکم نہیں دیا تھا۔

فقمن ان یستجاب لکم: سجدہ میں کی گئی دعاء زیادہ مقبول ہوتی ہے، اس وجہ سے کہ سجدہ میں بندہ اپنے رب کے زیادہ قریب ہوتا ہے، لہٰذا اس حالت میں دعاء قبولیت کے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ (مرقات: ۲/۳۱۱)

سجدہ میں دعاء کرنے کا حکم

حدیث میں یہ بات موجود ہے کہ سجدہ میں خوب دعاء کرو، سجدہ میں دعاء کا حکم حنفیہ کے یہاں نوافل کے ساتھ خاص ہے، لیکن اگر کوئی شخص فرض نماز میں بھی دعاء مانگ لے تو وہ مکروہ نہیں ہے، شوافع وغیرہ کے نزدیک یہ حکم عام ہے، لہٰذا ہر نماز میں دعاء مانگی جائے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور اس کا ذکر کرنا بھی درحقیقت دعاء ہے، اور ذکر کرنے والے کی حاجات سے اللہ تعالیٰ خوب واقف ہے، لہٰذا جو شخص ذکر میں مشغولی کی وجہ سے اپنی حاجات

اللہ تعالیٰ کے سامنے نہیں رکھ سکا اللہ تعالیٰ اس کو بغیر مانگے عطا فرماتے ہیں، حدیث قدسی ہے: "من شغله ذکری اعطیته افضل ما اعطی السائلین" جو شخص میرے ذکر میں مشغول ہونے کی وجہ مجھ سے مانگ نہیں سکا تو میں اس کو مانگنے والوں سے بڑھ کر دوں گا۔

قومہ کی تسبیح

﴿۸۱۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُوْلُوا اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ فَاِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱/۱۰۹، باب فضل اللھم ربنا لک الحمد، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۷۹۶۔ مسلم شریف: ۱/۱۷۶، باب التسمیع و التامین، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۴۰۹۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب امام "سمع الله لمن حمده" [اللہ نے اس کی سن لی جس نے اللہ کی تعریف کی،] کہے تو تم لوگ "اللهم ربنا لک الحمد" [اے اللہ! ہمارے رب آپ ہی کے لئے تعریف ہے] کہو، جس کا یہ کہنا فرشتوں کے کہنے کے مطابق ہو گیا، اس کے سابقہ تمام گناہ معاف ہو گئے۔"

تشریح: اس حدیث شریف میں رکوع سے اٹھنے یعنی قومہ کی تسبیح کا ذکر ہے، اس

تسبیح کی برکت سے اس کے پڑھنے والے کے گناہ ختم کردیئے جاتے ہیں۔

اذا قال الامام: حدیث باب میں رکوع سے اٹھنے کے وقت تسبیح کا ذکر ہے، یہاں امام ومقتدی دونوں کو الگ الگ اذکار بتائے گئے ہیں، امام "سمع اللہ لمن حمدہ" کہے گا، اور مقتدی "ربنا لک الحمد" کہیں گے، امام کو "ربنا لک الحمد" نہیں کہنا چاہئے، اس وجہ سے کہ اگر امام کو بھی یہ کہنا ہوتا تو اس کی ذکر کے تقسیم کے وقت صراحت ہوتی اسی طرح مقتدی کو بھی "ربنا لک الحمد" کے علاوہ کوئی ذکر نہیں کرنا ہے، اگر کرنا ہوتا تو اس کی بھی صراحت ہوتی، امام "سمع اللہ لمن حمدہ" کہہ کر مقتدیوں کو حمد کی طرف متوجہ کررہا ہے، اور مقتدی "ربنا لک الحمد" کہہ کر امام کے حکم کی تعمیل کررہے ہیں، حنفیہ کا مذہب یہی ہے شافعیہ کے یہاں امام ومقتدی دونوں تسمیع وتحمید دونوں کو جمع کرینگے، حدیث الباب حنفیہ کا مستدل ہے باقی تفصیل "باب صفة الصلوٰة" میں حدیث نمبر: ۷۳۷ کے تحت گذر چکی ہے۔

رکوع کی ایک اور تسبیح

﴿۸۱۵﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ اَبِیْ اَوْفٰی رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَفَعَ ظَهْرَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْاَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْاَ الْاَرْضِ وَمِلْاَ مَاشِئْتَ مِنْ شَیْءٍ بَعْدُ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شریف: ۱/۱۹۰، باب مایقول اذا رفع رأسه من الرکوع، کتاب الصلوة، حدیث نمبر: ۴۷۶۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے اپنی پیٹھ اٹھاتے تو یہ دعاء پڑھتے: "سمع اللہ لمن حمدہ" اللہ تعالیٰ نے اس کی سن لی، جس نے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی، اے اللہ! اے ہمارے رب! آپ ہی کے لئے تعریف ہے، آسمانوں بھر، زمین بھر، اور اس چیز بھر جس کو آپ اس کے علاوہ چاہیں۔

تشریح: ملأ السموات: اس سے پہلے جو کلمات دعاء ہیں وہ تو فرض ونفل سب میں پڑھتے تھے، لیکن یہاں سے اخیر تک جو کلمات ہیں وہ خاص طور پر نفل میں پڑھتے تھے، آسمانوں وزمینوں کے بھر جانے کے بقدر حمد بیان کرنے سے کثرت مراد ہے، مظہرؒ نے کہا ہے کہ یہ تمثیل ہے، ورنہ تو کلام کو ناپا نہیں جا سکتا، اور نہ ہی کلام برتنوں میں سما سکتا ہے، مراد حمد کے عدد کی کثرت ہے، یعنی اگر کلمات جسم کی شکل اختیار کر لیں تو تمام جگہیں پر ہو جائیں گی، حتی کہ اپنی کثرت کی وجہ سے تمام آسمان وزمین کو بھر دیں گے۔

و ملأ ما شئت: علامہ تورپشتی کہتے ہیں اس میں بندہ اپنے عجز کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ اس نے ایسی حمد کی جس سے آسمانوں وزمین بھر گئے، لیکن ابھی اللہ کی حمد کا حق ادا نہیں ہوا۔ لہٰذا یہ بات کہی کہ جو مخلوقات بھی اللہ تعالیٰ پیدا کرنا چاہیں، ان کے بھرنے کے بقدر بھی اللہ کی حمد ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۳۱۳)

قومہ کی ایک دوسری دعاء

﴿۸۱۶﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا رَفَعَ رَأْسَہٗ مِنَ الرُّکُوْعِ قَالَ

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ مِلْأُ السَّمٰوَاتِ وَمِلْأُ الْاَرْضِ وَمِلْأُ مَا شِئْتَ مِنْ شَیْءٍ بَعْدُ اَھْلُ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ اَحَقُّ مَاقَالَ الْعَبْدُ وَکُلُّنَا عَبْدٌ اَللّٰھُمَّ لَامَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَامُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ ولا ینفع ذَاالْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۱۹۰، باب من یقول اذا رفع رأسہ ما الرکوع، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۴۷۷۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے اپنا سر اٹھاتے تو یہ دعاء پڑھتے: "اللھم ربنا الخ" [اے اللہ! اے ہمارے رب آپ ہی کے لئے تمام تعریفیں ہیں، آسمانوں کے بھرنے کے بقدر، زمین کے بھرنے کے بقدر، اوراس چیز کے بھرنے کے بقدر جس کو آپ ان کے علاوہ (پیدا کرنا) چاہیں، اے ہر قسم کی تعریف اور بزرگی کے مستحق ذات، آپ کی ذات ان تمام تعریفات سے بلندتر ہے جو بندہ کرتا ہے، ہم سب تیرے ہی بندے ہیں، اے اللہ! جو آپ نے عطا فرمایا اس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے، اور جس کو آپ نے دینے سے روک لیا، اس کو کوئی دینے والا نہیں ہے، اور دولت مند کو اس کی دولت آپ کے عذاب سے بچا نہیں سکتی ہے۔

تشریح: یہ دعاء بھی نفل نماز کے موقعہ میں پڑھی جائے گی، اس دعاء میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کے ساتھ بندے کی عاجزی کا ذکر ہے، مزید اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے بیان کے ساتھ اس بات کا بیان ہے کہ جہنم سے رہائی اللہ کے فضل سے وابستہ ہے، مال و دولت آخرت میں کام نہیں آئیں گے۔

جد کے معانی

مالدار کو اس کی دولت اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچائے گی، صاحب مرقاۃ نے "جد" کے کئی معنی لکھے ہیں۔

(۱)......"جـــــد" کے معنی عظمت کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ کسی کی عظمت اس کو اللہ کے عذاب سے نہ بچائے گی۔

(۲)......حظ یعنی نصیبہ، اب مطلب یہ ہوگا کہ آپ کی اطاعت کے بغیر کسی کو اس کا نصیبہ کام نہ دے گا۔

(۳)......غنا، اب مطلب یہ ہوگا کہ کسی غنی کو اس کا مال اللہ کے عذاب سے نہیں بچائیگا۔

(۴)......بعض لوگوں نے "جد" کو کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، اب مطلب یہ ہوگا کہ کسی شخص کو خالص اس کی محنت وکوشش اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہ بچا سکے گی، کوشش کے ساتھ اللہ کی توفیق اور قبولیت شامل ہوگی، تب آدمی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات پا سکے گا۔ (مرقاۃ: ۲/۳۱۳)

قومہ کی ایک اور دعاء

﴿۸۱۷﴾ وَعَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا نُصَلِّيْ وَرَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقَالَ رَجُلٌ وَرَاءَهُ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ مَنِ الْمُتَكَلِّمُ آنِفًا قَالَ أَنَا قَالَ رَأَيْتُ بِضْعَةً وَثَلَاثِيْنَ مَلَكًا يَبْتَدِرُوْنَهَا أَيُّهُمْ يَكْتُبُهَا أَوَّلُ۔ (رواه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۱۰، باب نمبر ۱۲۶، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۷۹۹۔

ترجمہ: حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رکوع سے سر اٹھایا تو "سمع اللہ لمن حمدہ" کہا، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے ایک شخص نے "ربنا ولک الحمد حمدا الخ" کہا۔[اے ہمارے پروردگار! آپ ہی کے لئے تعریف ہے، ایسی تعریف جو بہت زیادہ ہے، (پاک ہے) اور بابرکت ہے] جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا: یہ کلمات کس نے کہے ہیں؟ ایک صاحب بولے میں نے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے تمیں سے زائد کچھ فرشتوں کو دیکھا کہ وہ اس کلام کے سلسلے میں مسابقت کر رہے تھے، کہ کون پہلے لکھے۔

تشریح: قومہ میں عام حالت میں تو مختصر دعاء "سمع اللہ لمن حمدہ" اور "ربنا لک الحمد" مشروع ہے، اور اسی پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مداومت ثابت ہے، لیکن کبھی دیگر اذکار کی بھی گنجائش ہے۔ خاص طور پر نوافل میں تو مزید دعائیں افضل ہیں۔

طیباً: ایسی حمد جو ریاء وشہرت سے پاک ہو۔

نماز کے ارکان میں جو لمبی دعائیں آئی ہیں جیسا کہ دعاء جو مذکور ہے، ان کے بارے میں شوافع فرماتے ہیں کہ ہر نماز میں پڑھنے کی اجازت ہے، خواہ فرض ہو، یا نفل، لیکن احناف فرماتے ہیں کہ یہ سب دعائیں نوافل پر محمول ہیں، کیونکہ اکثر احادیث میں مذکور نہیں ہیں، امام ابوحنیفہؒ کا اصول ہے کہ جن احادیث میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت بیان کی گئی ہے ان میں اکثر جو دعائیں مذکور ہیں ان کو فرائض میں پڑھا جائے گا، اور جو بعض بعض احادیث میں آئی ہیں ان کو نوافل پر محمول کیا جائے گا، کیونکہ فرائض کا معاملہ بہت نازک ہے۔

صاحب مرقاۃ لکھتے ہیں: ''بضع'' کا لفظ تین سے لے کر نو تک کے لئے بولا جاتا ہے، جو دعاء پڑھی جاتی ہے اس کے کلمات چونتیس ہیں، ممکن ہے کہ ہر حرف کو لکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ نازل کیا ہو۔

﴿الفصل الثانی﴾

تعدیل ارکان کی اہمیت

﴿۸۱۸﴾ وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاتُجْزِئُ صَلَاۃُ الرَّجُلِ حَتّٰی یُقِیْمَ ظَھْرَہٗ فِی الرُّکُوْعِ وَالسُّجُوْدِ۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ والدارمی) وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱۲۴/ ۱، باب صلوۃ من لایقیم صلبہ، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۸۵۵۔ ترمذی شریف: ۶۱/ ۱، باب ماجاء فیمن لایقیم صلبہ، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۲۰۵۔ نسائی شریف: ۱۱۷/ ۱، باب اقامۃ الصلب فی الرکوع، کتاب التطبیق، حدیث نمبر: ۱۰۳۶، ابن ماجہ شریف: ۶۲، باب الرکوع فی الصلوۃ، کتاب اقامۃ الصلوۃ، حدیث نمبر: ۸۷۰۔ دارمی: ۲۵۰/ ۱، باب فی الذی لایتم الرکوع، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۱۳۲۷۔

ترجمہ: حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''آدمی کی نماز اس وقت تک کافی نہیں ہوتی جب تک کہ وہ رکوع وسجدہ میں اپنی پیٹھ سیدھی نہ کر لے۔''

تشریح: اس حدیث شریف سے تعدیل ارکان کی اہمیت معلوم ہوتی ہے، تعدیل ارکان کا مطلب یہ ہے کہ رکوع وسجدہ کو اتنے اطمینان سے کرنا کہ تمام اعضاء اپنے ٹھکانے پر آجائیں اور اس کی کم سے کم مقدار یہ ہے کہ ایک مرتبہ تسبیح پڑھی جاسکے، تعدیل ارکان حنفیہ کے یہاں مختار قول کے مطابق واجب ہے۔

لاتجزئ صلوۃ الرجل: حدیث کے اس جزء سے معلوم ہوتا ہے کہ تعدیل ارکان کے بغیر نماز نہیں ہوتی، یہاں پر صرف رکوع وسجدہ میں تعدیل کا حکم ہے، لیکن حدیث پہلے گذر چکی ہے، اس میں وضاحت کے ساتھ یہ بات ہے کہ نماز کے ہر رکن میں تعدیل ہونا چاہئے۔

رکوع وسجود میں تسبیحات

﴿۸۱۹﴾ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِجْعَلُوْهَا فِيْ رُكُوْعِكُمْ فَلَمَّا نَزَلَتْ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى قَالَ اِجْعَلُوْهَا فِيْ سُجُوْدِكُمْ۔ (رواه ابوداؤد وابن ماجة والدارمی)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۱۲۶، باب مایقول الرجل فی رکوعه، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۸۶۹۔ ابن ماجه شریف: ۶۴، باب التسبیح فی

الرکوع والسجود، کتاب اقامۃ الصلوۃ، حدیث نمبر:۸۸۷۔دارمی: ۱/۳۴۱،
باب مایقول فی الرکوع، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:۱۳۰۵۔

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب "فسبح باسم ربک العظیم" [اپنے رب کے نام کی پا کی بیان کرو، جو بلند و برتر ہے] آیت نازل ہوئی تو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ تم لوگ اس آیت کو اپنے رکوع میں رکھو'' اور جب "سبح اسم ربک الاعلیٰ" [اپنے رب کے نام کی پا کی بیان کرو جو بلند و بالا ہے] آیت نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس کو اپنے سجدوں میں رکھو۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رکوع کی تسبیح "سبحان ربی العظیم" اس وقت مقرر کیں جب آیت "فسبح باسم ربک العظیم" نازل ہوئی، اسی طرح سجدہ کی تسبیح "سبحان ربی الاعلیٰ" آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس وقت مقرر کیں جب آیت "سبح اسم ربک الاعلیٰ" نازل ہوئی۔

اجعلوھا فی رکوعکم: یعنی اس آیت کے مضمون ومقصود کو رکوع میں پڑھا کرو، یہی مفہوم اگلے جز کا ہے، "اعلیٰ" "عظیم" سے ابلغ ہے، اس وجہ سے اسی کو سجدہ میں رکھا کیونکہ سجدہ رکوع سے افضل ہے، حدیث صحیح ہے، ''اقرب مایکون العبد من ربہ وھو ساجد'' سجدہ کی حالت میں بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ (مرقاۃ:۲/۳۱۵،)

یہ بات ذہن میں رہے کہ رکوع وسجود کی تسبیحات کا پڑھنا جمہور اہل سنت والجماعت کے نزدیک سنت ہے، فرض یا واجب نہیں ہے۔

رکوع وسجود کی تسبیحات کی تعداد

﴿۸۲۰﴾ وَعَنْ عَوْنِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا رَکَعَ اَحَدُکُمْ فَقَالَ فِیْ رُکُوْعِہٖ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَدْ تَمَّ رُکُوْعُہٗ وَذٰلِکَ اَدْنَاہُ وَاِذَا سَجَدَ فَقَالَ فِیْ سُجُوْدِہٖ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَدْ تَمَّ سُجُوْدُہٗ وَذٰلِکَ اَدْنَاہُ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجۃ) وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ لَیْسَ اِسْنَادُہٗ بِمُتَّصِلٍ لِاَنَّ عَوْنًا لَمْ یَلْقَ ابْنَ مَسْعُوْدٍ۔

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱۲۹/ ۱، باب مقدار الرکوع، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۸۸۶۔ ترمذی شریف: ۶۰/ ۱، باب ماجاء فی التسبیح فی الرکوع، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۲۶۱، ابن ماجہ شریف: ۶۳، باب التسبیح فی الرکوع، کتاب اقامۃ الصلوۃ، حدیث نمبر: ۸۵۰۔

ترجمہ: حضرت عون بن عبداللہؒ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص رکوع کرے اور رکوع میں تین مرتبہ "سبحان ربی العظیم" کہے تو اس کا رکوع پورا ہوگیا، اور یہ ادنیٰ درجہ ہے، اور جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے اور سجدہ میں "سبحان ربی الاعلی" تین بار کہے تو اس کا سجدہ پورا ہوگیا اور یہ ادنیٰ درجہ ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ) ترمذی نے کہا کہ اس حدیث کی سند متصل نہیں ہے، اس وجہ سے کہ حضرت عون کی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات نہیں ہوئی۔

تشریح: رکوع وسجود میں کم از کم تین تین بار تسبیحات پڑھنا چاہئے، اس لئے کہ تین بار پڑھنا یہ کمال سنت کی ادنیٰ مقدار ہے۔

اصل سنت ایک بار تسبیح پڑھنے سے ادا ہو جاتی ہے، کمال سنت کا اوسط درجہ پانچ بار تسبیح پڑھنا اور اکمل درجہ سات بار تسبیح پڑھنا ہے۔ (مرقاۃ:۲/۳۱۵)

حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ نے الکوکب الدری میں تسبیحات کی تعداد کے تین درجے بیان کئے ہیں۔

(۱)......تمام بدایہ: ایک ایک مرتبہ "سبحان ربی العظیم" اور "سبحان ربی الاعلیٰ" کہا جائے۔

(۲)......تمام کفایہ: تین تین بار تسبیح پڑھی جائیں۔

(۳)......تمام نہایہ: سات سات بار تسبیحات پڑھی جائیں۔ (الکوکب الدری:۱/۲۷۲)

بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ تین بار تسبیح پڑھنا یہ کمال سنت نہیں، بلکہ سنت کا ادنیٰ درجہ ہے، پانچ بار اوسط اور سات بار اکمل ہے، لہٰذا تین سے کم بار تسبیح پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے۔ (طحاوی:۲۱۴)

لیس اسنادہ بمتصل: یہ حدیث متصل السند نہیں ہے، بلکہ منقطع السند ہے، کیونکہ راوی حدیث عون بن عبداللہ کی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے، معلوم ہوا کہ ضرور کوئی واسطہ ہے، جس کا ذکر یہاں نہیں ہے، لہٰذا یہ حدیث منقطع ہوئی، حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ یہاں پر استدلال میں کوئی حرج نہیں، اس وجہ سے کہ فضائل اعمال میں بالاتفاق حدیث منقطع پر عمل ہوتا ہے۔

دوران قراءت دعا مانگنا

﴿۸۲۱﴾ وَعَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهُ صَلّٰى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ وَفِيْ سُجُوْدِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى وَمَا اَتٰى عَلٰى آيَةِ رَحْمَةٍ اِلَّا وَقَفَ وَسَاَلَ وَمَا اَتٰى عَلٰى آيَةِ عَذَابٍ اِلَّا وَقَفَ وَتَعَوَّذَ۔ (رواه الترمزی وابوداؤد والدارمی) وَرَوَى النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ اِلٰى قَوْلِهِ الْاَعْلٰى وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۶۱، باب ماجاء فی التسبیح فی الرکوع، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۲۶۲۔ ابوداؤد شریف: ۱/۱۲۷، باب مایقول الرجل فی رکوعہ، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۸۷۱۔ دارمی: ۱/۳۴۱، باب مایقول فی الرکوع، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۱۳۰۶، نسائی شریف: ۱/۱۱۸، باب الذکر فی الرکوع، کتاب التطبیق، حدیث نمبر: ۱۰۴۵۔ ابن ماجہ شریف: ۶۳، باب التسبیح فی الرکوع، کتاب اقامۃ الصلوۃ، حدیث نمبر: ۸۸۸۔

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے رکوع میں "سبحان ربی العظیم" اور اپنے سجدے میں "سبحان ربی الاعلیٰ" پڑھتے تھے، اور جب کسی آیت رحمت پر پہنچتے تو ٹھہر کر دعاء مانگتے، اور جب کسی آیت عذاب پر پہنچتے تو ٹھہر کر عذاب سے پناہ مانگتے۔ (ترمذی، ابوداؤد، دارمی)

نسائی اور ابن ماجہ نے بھی یہ روایت نقل کی ہے، لیکن صرف "الاعلی" تک نقل کی ہے، اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے، صحیح ہے۔

تشریح: اس حدیث شریف سے ایک بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رکوع وسجود میں بالترتیب "**سبحان ربی العظیم**" و "**سبحان ربی الاعلی**" پڑھتے تھے، اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دوران قراءت دعاء مانگتے تھے۔

دوران قراءت دعا میں اختلاف ائمہ

وما اتی علی آیۃ رحمۃ: حدیث کے اس جزء سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دوران قراءت دعاء مانگتے تھے، احناف و مالکیہ کے نزدیک فرض نماز میں دوران قراءت دعاء درست نہیں ہے، لہٰذا وہ اس حدیث کو نفل پر محمول کرتے ہیں، لیکن شوافع وحنابلہ حدیث باب سے استدلال کرتے ہوئے یہ بات کہتے ہیں کہ دوران قراءت دعاء مانگنا درست ہے، اور یہ حکم فرض ونفل سب کے لئے ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث باب میں حکم عام ہے، فرض ونفل کی کوئی تفصیل نہیں ہے، حنفیہ کی طرف سے اس کے جواب میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ یہ حدیث مسلم شریف: ۲۶۵/۱، پر بھی ہے، اور جس باب کے تحت یہ حدیث ہے وہ باب ہے: "**باب استحباب تطویل القرآن فی صلوۃ اللیل**" معلوم ہوا کہ یہ روایت صلوۃ اللیل سے متعلق ہے، اور صلوۃ اللیل نفل نماز ہے، لہٰذا شوافع وحنابلہ کا حدیث باب سے استدلال درست نہیں ہوا۔

﴿الفصل الثالث﴾

رکوع میں دیر تک تسبیح پڑھنا

﴿۸۲۲﴾ وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تعالىٰ عَنْهُ قَالَ قُمْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَكَعَ مَكَثَ قَدْرَ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ وَيَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهٖ سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ۔ (رواه النسائی)

حواله: نسائی شریف: ۱/۱۱۹، باب نوع آخر من الذكر فی الركوع، كتاب التطبيق، حدیث نمبر: ۱۰۴۸۔

ترجمه: حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں کھڑا ہوا، پھر جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رکوع کیا تو سورۂ بقرہ کے بقدر رکوع میں ٹھہرے اور اپنے رکوع میں یہ کہتے رہے: "سبحان ذی الجبروت الخ" [پاک ہے، وہ عظمت والا بادشاہت والا، بڑائی والا، بزرگی والا ہے۔]

تشریح: قمت: قیام بول کر نماز مراد ہے، جیسے رکعت بول کر نماز مراد لی جاتی ہے، یہاں جس نماز کا تذکرہ ہے وہ نفل نماز ہے، فرض نماز میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم اتنا لمبا قیام نہیں فرماتے تھے۔

رکوع وسجدہ میں دس مرتبہ تسبیح پڑھنا

﴿۸۲۳﴾ وَعَنْ اِبْنِ جُبَيْرٍ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُوْلُ مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ اَحَدٍ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَشْبَهَ صَلٰوةً بِصَلَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ هٰذَا الْفَتٰى يَعْنِىْ عُمَرَ بْنَ عَبْدِالْعَزِيْزِ قَالَ قَالَ فَحَزَرْنَا رُكُوْعَهٗ عَشْرَ تَسْبِيْحَاتٍ وَسُجُوْدَهٗ عَشْرَ تَسْبِيْحَاتٍ۔

(رواہ ابوداؤد والنسائی)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱۲۹/۱، باب مقدار الرکوع والسجود، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۸۸۸۔ نسائی شریف: ۱۲۷/۱، باب عدد التسبیح فی السجود، کتاب التطبیق، حدیث نمبر: ۱۱۳۴۔

ترجمہ: حضرت ابن جبیرؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کسی بھی ایسے شخص کے پیچھے نماز نہیں پڑھی، جس کی نماز حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز سے اس جوان یعنی عمر بن عبدالعزیز کی نماز سے زیادہ مشابہ ہو، راوی کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے ان کے رکوع کی تسبیحات کا اندازہ لگایا تو دس تسبیح کے بقدر تھا، اور اسی طرح سجدہ بھی دس تسبیحات کے بقدر تھا۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رکوع وسجدہ میں اتنی دیر ٹھہرتے تھے، جتنی دیر میں دس بار تسبیحات پڑھی جاسکتی ہیں، تو عمر بن عبدالعزیزؒ بھی کم وبیش دس مرتبہ ہی تسبیح پڑھتے رہتے ہوں گے، پھر حضرت انس بن مالکؓ جیسے جلیل القدر صحابی یہ بیان کررہے ہیں کہ حضرت عمر بن العزیز کی نماز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز کے بہت مشابہ تھی، معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی دس بار تسبیح پڑھنے کے بقدر رکوع وسجدہ میں توقف کرتے تھے۔

ابن جبیرؒ: بہت بڑے جلیل القدر تابعی ہیں۔

من ھذا الفتی: حضرت عمر بن العزیزؒ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کی ہے، اور ان سے روایت بھی کی ہے، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ۹۱ھ میں ہوئی ہے، اور حضرت عمر بن العزیزؒ کی والادت ۶۱ھ میں ہوئی۔

قال فحزرنا: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رکوع کی تسبیحات کا اندازہ کیا۔

رکوعہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رکوع مراد ہے، یا حضرت عمر بن عبدالعزیز کا رکوع مراد ہے۔

عشر تسبیحات: دس تسبیحات کے بقدر کہا ہے، علامہ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ حدیث میں ہے: "ان اللہ وتر یحب الوتر" بیشک اللہ تعالیٰ وتر ہے اور وتر کو پسند کرتا ہے، اس سے استدلال کرتے ہوئے ہمارے ائمہ نے فرمایا ہے کہ تسبیحات کی تعداد میں کمال کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ گیارہ مرتبہ تسبیح پڑھی جائے۔ (مرقاۃ:۲/۳۱۶)

رکوع وسجود میں اعتدال

﴿۸۲۴﴾ وَعَنْ شَقِیْقٍ قَالَ اِنَّ حُذَیْفَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ

رَأَىٰ رَجُلاً لَايُتِمُّ رُكُوعَهُ وَلَاسُجُودَهُ فَلَمَّا قَضٰى صَلَاتَهُ دَعَاهُ فَقَالَ لَهُ حُذَيْفَةُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ مَا صَلَّيْتَ قَالَ وَاَحْسِبُهُ قَالَ وَلَوْ مُتَّ مُتَّ عَلٰى غَيْرِ الْفِطْرَةِ الَّتِىْ فَطَرَ اللّٰهُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ البخاری)

حوالہ: بخاری شریف:۱۰۹/۱، باب اذا لم یتم الرکوع، کتاب الاذان، حدیث نمبر:۷۹۱۔

ترجمہ: حضرت شقیقؒ سے روایت ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ رکوع وسجود کو پورے طور پر ادا نہیں کر رہا ہے، جب اس شخص نے اپنی نماز پوری کر لی، حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو بلایا اور اس سے کہا کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی، راوی کہتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بات بھی فرمائی، اور اگر اس حال میں تم کو موت آ گئی تو تمہاری موت اس فطرت کے خلاف پر ہوگی، جس پر اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا ہے۔

تشریح: اس شخص نے رکوع وسجدہ میں اعتدال نہیں کیا، حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے عمل پر زجر وتوبیخ کی اور توبیخ میں شدت پیدا کرنے کے لئے یہ بات بھی فرمائی کہ اگر تم اس عمل پر مر گئے تو خلاف سنت عمل پر مروگے۔

ما صلیت: تعدیل ارکان ترک کرنے کی وجہ سے نماز نہیں ہوئی، جو لوگ تعدیل ارکان کو فرض قرار دیتے ہیں وہ حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں اور جو لوگ تعدیل ارکان کو واجب قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں یہاں نفی صلوٰۃ مراد نہیں ہے بلکہ کمال صلوٰۃ کی نفی ہے کما تقدم۔

نماز کی چوری

﴿۸۲۵﴾ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَسْوَءُ النَّاسِ سَرِقَةً الَّذِیْ یَسْرِقُ مِنْ صَلَاتِہٖ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَکَیْفَ یَسْرِقُ مِنْ صَلَاتِہٖ قَالَ لَایُتِمُّ رُکُوْعَھَا وَلَاسُجُوْدَھَا۔ (رواہ احمد)

حوالہ: مسند احمد: ۵/۳۱۰.

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”چوری کرنے کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے برا وہ شخص ہے جو اپنی نماز میں چوری کرتا ہے۔“ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! نماز میں چوری کرنا کیسے ہوتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آدمی نماز کے رکوع وسجدہ کو پورا نہیں کرتا ہے۔

تشریح: اس حدیث شریف میں رکوع وسجدہ کے اندر تعدیل ارکان کی رعایت نہ کرنے والے کی سخت مذمت کی گئی ہے۔

اسوء الناس: لوگوں میں بدترین وہ ہے جو نماز کو چرالے یعنی تعدیل ارکان کی رعایت کے بغیر نماز ادا کرلے، تعدیل ارکان کی رعایت نہ کرنے والے کو سب سے بدترین چور کہا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے کا مال چرانے والا تو دنیا میں کچھ نہ کچھ اس مال سے نفع اٹھالیتا ہے، پھر اگر صاحب مال نے معاف کردیا یا اس کے ہاتھ کٹ گئے تو آخرت کے عذاب سے چھٹکارا پا جاتا ہے، برخلاف نماز کی چوری کرنے والے کے کہ یہ شخص دوسرے کی چیز نہیں چوراتا ہے، بلکہ اپنا ثواب گنوا کر گویا خود اپنی چیز چورالیتا ہے، اور اس کے بدلے میں

آخرت کے عذاب کا الگ مستحق ہوتا ہے، تو سوائے نقصان کے کچھ ہاتھ نہیں لگتا ہے۔ (مرقاۃ:٢/٣١٨)

بدترین چوری نماز کی چوری ہے

﴿٨٢٦﴾ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ مُرَّةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَاتَرَوْنَ فِي الشَّارِبِ وَالزَّانِيْ وَالسَّارِقِ وَذٰلِكَ قَبْلَ اَنْ تَنْزِلَ فِيْهِمُ الْحُدُوْدُ قَالُوْا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ هُنَّ فَوَاحِشٌ وَفِيْهِنَّ عُقُوْبَةٌ وَاَسْوَءُ السَّرَقَةِ الَّذِيْ يَسْرِقُ مِنْ صَلٰوتِهٖ قَالُوْا وَكَيْفَ يَسْرِقُ مِنْ صَلٰوتِهٖ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَايُتِمُّ رُكُوْعَهَا وَلَاسُجُوْدَهَا۔(رواہ مالك واحمد وروی الدارمی نحوہ)

حوالہ: مؤطا امام مالکؒ:٥٨/، باب العمل فی جامع الصلوۃ، حدیث نمبر:٧٢۔مسند احمد:٥٦/٣، دارمی: ٣٥٠/ ١، باب فی الذی لایتم الرکوع والسجود، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر:١٣٢٤۔

ترجمہ: حضرت نعمان بن مرہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''شراب پینے والے، زنا کرنے والے، اور چوری کرنے والے کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بات اس وقت پوچھی تھی جب ان مذکورہ چیزوں کے بارے مین حدود نازل نہیں ہوئی تھیں، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جاننے والے ہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ فحش کام ہیں اور ان پر سزائیں

ہیں، اور چوری کرنے والوں میں سب سے زیادہ برا وہ چور ہے جو اپنی نماز میں چوری کرتا ہے، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا اے اللہ کے رسول، اپنی نماز میں کیسے چوری کرتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''نماز کے رکوع وسجدہ کو پورا نہیں کرتا ہے۔''

تشریح: نعمان بن مرۃ: تابعی ہیں، ماترون، لفظ ''ت'' کے زبر کے ساتھ بھی ہے اور اس کے معنی ہیں تم کیا اعتقاد کرتے ہو، لیکن ایک نسخہ میں لفظ ''ت'' کے پیش کے ساتھ ہے جس کے معنی ہیں تمہارا خیال میں کیا ہے تم کیا گمان کرتے ہو شراب پینے والے اور زنا کرنے والے اور چوری کرنے والے کے بارے میں۔

قبل ان تنزل: یہ سوال فرمانا حدود کی آیت نازل ہونے سے پہلے کا ہے حدیث کے یہ الفاظ روای کے ہیں جن کے ذریعہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پوچھنے کی وجہ بیان کی، دراصل اس وقت تک ان سخت برائیوں کی شرعی سزاؤں کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اور عام طور پر لوگوں کے ذہن میں ان افعال کی برائی کا تصور پوری طرح نہیں کھلا تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں اس طرح کا سوال کیا مگر جب حدود کا حکم نازل ہوگیا تو پھر ان افعال کی برائی پوری طرح کھل گئی اور کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

ھن فواحش: مذکورہ امور بہت بڑے گناہ ہیں "اسوء السرقة" تعدیل ارکان نہ کرنے والے کو سب سے قبیح چور قرار دیا گیا اور سب سے بڑا چور کہا گیا ہے کیونکہ یہ دنیا اور آخرت دونوں اعتبار سے گھاٹا اٹھانے والا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث میں بھی رکوع وسجود میں اعتدال نہ کرنے والے کی مذمت بیان کی گئی ہے۔

❁❁❁

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب السجود وفضله

رقم الحدیث:...... ۸۲۷ تا ۸۳۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب السجود وفضله

(سجدہ اور اسکی فضیلت کا بیان)

سجود کے لغوی معنی سجدہ کرنا، جھک جانا، اور اصطلاح شریعت میں سجدہ کرنے کا مطلب ہوتا ہے اللہ کے سامنے عبودیت اور کمال عاجزی وخاکساری کے اظہار کے طور پر بندہ کا خاص انداز میں جھک کر پیشانی اور ناک زمین پر رکھنا۔

اس باب کے تحت جو احادیث ہیں ان میں سجدہ کے وجوب کا بیان ہے، نیز سجدہ کرنے کا طریقہ تفصیل سے مختلف احادیث میں مذکور ہے، سجدہ میں تعدیل ارکان کا خیال رکھنے کی اہمیت کا تذکرہ بھی ہے، سجدہ کی تسبیح اور اس کے علاوہ دیگر دعائیں بھی مذکور ہیں، اسی طرح سجدہ کے فضائل سے متعلق احادیث موجود ہیں جس طرح قیام، قراءت اور رکوع فرض ہے، اسی طرح سجدہ بھی فرض ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے '' واسجدوا '' سجدہ کرو، اس سے سجدہ کا وجوب لازم آتا ہے، لیکن سجدہ میں طمانیت خبر واحد سے ثابت ہے، اس لئے مطلقاً سجدہ فرض ہے، اور اس میں اطمینان حاصل کرنا یہ واجب ہے۔

﴿الفصل الاول﴾

سجدہ کے اعضاء کا بیان

﴿۸۲۷﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اَسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ اَعْظُمٍ عَلَى الْجَبْهَةِ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَاَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ وَلَا نَكْفِتُ الثِّيَابَ وَلَا الشَّعْرَ (متفق عليه)

حواله: بخاری: ۱/۱۱۲، باب السجود علی الانف کتاب الاذان، حدیث: ۸۱۲۔ مسلم: ۱/۱۹۳ باب اعضاء السجود والنهی عن کف الشعر، کتاب الصلاۃ، حدیث: ۴۹۰۔

ترجمه: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”مجھ کو سات ہڈیوں یعنی پیشانی، دونوں ہاتھوں، دونوں گھٹنوں اور دونوں پیروں کے پنجوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور ہم کو کپڑوں اور بالوں کے سمیٹنے سے منع کیا گیا۔

تشریح: سجدہ سات ہڈیوں پر کرنا چاہئے، سات ہڈیوں میں سے پہلی چیز ”جبهة“ یعنی پیشانی ہے، اس کو سجدہ میں رکھنا بالاتفاق فرض ہے، کیوں کہ سجدہ کی حقیقت ہے، ”وضع الوجه علی الارض“ (چہرے کا زمین پر رکھنا)، اور حدیث باب میں جبہہ کہا ہے، لیکن اس میں انف بھی داخل ہے لیکن چوں کہ اصل پیشانی ہے، اس لئے اقتصار علی الجبهة جائز ہے، اگر چہ بلا عذر مکروہ ہے، لیکن اقتصار علی الانف ناجائز ہے، یہ توجبهة

یعنی پیشانی کے متعلق بات تھی، بقیہ جو چھ اعضاء ہیں یعنی یدین (دونوں ہاتھ) "رکبتیـــن" (دونوں گھٹنے) ''قـدمیـن" (دونوں پیر) سجدہ میں ان کا رکھنا سنت کے طور پر ہے، اس وجہ سے کہ یہ اعضاء حقیقت سجود میں داخل نہیں ہیں۔

سجدہ میں رفع قدمین سے نماز فاسد ہونے کی وجہ

اشکال: درمختار میں یہ بات لکھی ہے کہ اگر کوئی شخص سجدہ کے وقت دونوں قدم زمین پر نہ رکھے تو اس کا سجدہ باطل ہے اور ظاہری بات ہے کہ جب سجدہ باطل ہوگیا تو نماز بھی باطل ہوگئی، اشکال یہ ہے کہ سجدہ میں قدموں کا رکھنا فرض نہیں ہے تو پھر قدم نہ رکھنے سے سجدہ کیوں باطل ہوجاتا ہے؟۔

جـــواب: قدم سجدہ کی حقیقت میں داخل نہیں ہے، اس وجہ سے کہ سجدہ کی حقیقت جیسا کہ بیان ہوا، "وضـع الجبهة علی الارض" ہے اور قرآن کریم میں مطلق سجدہ کا حکم ہے لہٰذا قدموں کی قید خبر واحد کے ذریعہ نہیں لگائی جائے گی، اب رہی یہ بات کہ قدم اٹھا لینے سے سجدہ کیوں باطل ہوتا ہے اس کی علت ایک دوسری چیز ہے، اور وہ ہے تمسخر واستہزاء، یعنی قدمین کے رکھے بغیر اگر کوئی سجدہ کر رہا ہے تو اسمیں استہزاء پایا جاتا ہے اور نماز میں استہزاء و تمسخر مفسد صلوٰۃ ہے۔ (واللہ اعلم)

و لا نکفت الثیاب و الشعر: بالوں اور کپڑوں کا سمیٹنا ممنوع ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ظاہر عبارت اس بات کی متقاضی ہے کہ یہ ممانعت نماز کے اندر ہے، یعنی نماز میں بالوں اور کپڑوں کا سمیٹنا ممنوع ہے، اس ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ نمازی اگر زمین پر لگنے سے برابر اپنے کپڑے اور بالوں کو بچاتا رہے گا اور زمین پر نہ لگنے دے گا تو یہ تکبر کے مشابہ ہوجائے گا۔ (فتح الباری: ۲/۲۷۷)

اور کبر ویسے بھی ام الامراض اور اکبر الکبائر اور انتہائی خطرناک ہے اور جب بندہ خالق کائنات کے سامنے نماز میں مشغول ہو اس وقت کبر کا شائبہ بھی کتنا سخت خطرناک ہوگا، اور بالوں اور کپڑوں کو بار بار درست کرنے اور سمیٹنے سے یہ عمل عمل کثیر بھی ہو جائے گا، جو کہ مفسد صلوٰۃ ہے۔

اختلاف ائمہ: وضع الیدین والقدمین والرکبتین علی الارض، فرض یا واجب نہیں بلکہ سنت ہے دوسری بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو سجدہ کا حکم ہے وہ مطلق ہے کسی عضو کی تعیین نہیں کی گئی پھر بعض کی تعیین پر اجماع ہو گیا وہ جبھہ وانف ہے اب بحث ہوئی کہ جبھہ و انف دونوں کا رکھنا ضروری ہے یا کسی ایک کے رکھنے سے کافی ہو جائیگا تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ و امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین کے نزدیک دونوں کا رکھنا فرض ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف جبھہ کا رکھنا فرض ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کسی ایک کا اعلی التعیین رکھنا فرض ہے البتہ بلا عذر کسی ایک پر اکتفا کرنا مکروہ ہے۔

دلائل امام مالکؒ وامام احمدؒ وصاحبینؒ: دلیل پیش کرتے ہیں حدیث باب سے کہ اجماع سے دو عضو جبھہ و انف کو خاص کر لیا گیا تو دونوں پر سجدہ کرنا فرض ہوگا۔

دوسری دلیل ''لاصلوۃ لمن لایصیب انفہ من الارض مایصیب الجبین'' ہے۔

امام شافعیؒ: کی دلیل ابوداؤد کی حدیث ہے کہ ''اذا سجد سجد علی صدر جبھۃ'' ہے اور پیشانی کے اوپری حصہ پر سجدہ کرنے سے ناک زمین سے الگ رہے گی تو معلوم ہوا کہ صرف پیشانی پر سجدہ کرنا فرض ہے۔

امام ابو حنیفہؒ: کی دلیل یہ ہیکہ سجدہ کہا جاتا ہے ''وضع الجبھۃ علی الارض'' کو اور پیشانی کی ہڈی ناک کی ہڈی کے ساتھ متصل ہے لہٰذا وہ بھی پیشانی کا ایک حصہ ہے لہٰذا اس پر بھی سجدہ کرنے سے سجدہ ادا ہو جائے گا۔

نیز سب کے نزدیک پیشانی میں عذر کی حالت میں ناک پر سجدہ کرنے سے سجدہ ہو جاتا ہے حالانکہ فرض اپنے غیر محل کی طرف منتقل نہیں ہوتا بلکہ عذر کے ساتھ ساقط ہو جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ وہ بھی محل فرض ہے۔

امام مالک ؒ وغیرہ: کے استدلال کا جواب یہ ہے کہ دونوں پر اجماع ہونے سے دونوں کے مجموعہ پر سجدہ کرنا فرض ثابت نہیں ہوتا اور دوسری حدیث کا جواب یہ ہے کہ وہاں نفی نفی کمال کے لئے ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ وہ امام ابوحنیفہ کے مخالف نہیں کیونکہ ان کے نزدیک بھی پیشانی پر سجدہ کافی ہے۔

فتویٰ احناف

لیکن احناف کا فتویٰ اس پر ہے کہ بلا عذر صرف ناک پر اکتفا کرنے سے نماز نہیں ہوگی اور پیشانی پر کرنے سے مع الکراہۃ نماز صحیح ہو جائے گی۔

سجدہ میں اعتدال کا حکم

﴿۸۲۸﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِعْتَدِلُوْا فِی السُّجُوْدِ وَلَایَبْسُطْ اَحَدُکُمْ ذِرَاعَیْهِ اِنْبِسَاطَ الْکَلْبِ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری: ۱۱۳/۱، باب لایفترش ذراعیه فی السجود، کتاب الاذان، حدیث نمبر:۸۲۲۔ مسلم: ۱۹۳/۱، باب الاعتدال فی السجود، کتاب الصلاة، حدیث نمبر:۴۹۳۔

حل لغات: **اعتدلوا:** امر حاضر جمع مذکر باب افتعال سے، سیدھا اور درست

ہونا،معتدل ہونا،عدل : (ض) عدولاً عن الطریق، راستہ سے ہٹنا،یسبط بسط (ن) بسطاً، پھیلانا،کشادہ کرنا، انبسط، پھیلنا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''سجدوں میں اعتدال کرو،اورتم میں سے کوئی شخص کتے کی طرح اپنی کلائیاں زمین پر نہ بچھائے۔

تشریح: اس حدیث سے دوباتیں معلوم ہوتی ہیں:

(۱)......سجدہ میں اطمنان کوملحوظ رکھناچاہئے،کوے کے چونچ مارنے کی طرح زمین پرسرٹِخ کراٹھالینے سے سجدہ کا حق ادانہیں ہوتا، بلکہ آرام واطمینان سے کرنا چاہئے،سجدہ میں جوتسبیحات پڑھی جاتی ہیں ان کوپورے آرام واطمینان سے پڑھناچاہئے۔

(۲)......سجدہ میں کہنیوں کوزمین پررکھنا سنت کے خلاف ہے،مسنون طریقہ یہ ہے کہ دونوں کہنیاں زمین سے اٹھی رہیں، ہتھیلیاں زمین پر ہوں۔ اور پیٹ ران سے الگ ہو۔

اعتدلوا في السجود: سجدہ میں اعتدال کرو،حافظ ابن حجرؒ نے ابن دقیق العید کا قول نقل کیا ہے کہ اعتدال سے مراد یہ ہے کہ سجدہ درست طریقہ سے کرو، یہاں اعتدال کے معنی میانہ روی اور برابری مرادنہیں ہے۔ہاں رکوع میں وہی معنی مراد تھے کیونکہ رکوع میں گردن اورپیٹھ سب بالکل برابر رکھی جاتی ہے سجدہ میں سب چیزیں برابرنہیں ہوتیں۔ (فتح الباری:۲۸۱/۳)

اعتدال کا حاصل یہ نکلا کہ نہ توکمل طور سے ہاتھوں کوسمیٹنا چاہئے اورنہ مکمل طور پر پھیلانا چاہئے، نہ کلائیاں پھیلی رہیں لیکن زمین سے بلندرہیں،اورہتھیلیاں زمین پربچھی رہیں۔

ولایبسط احدکم ذراعیہ: کہنیوں کوزمین پررکھ کرسجدہ کرناخشوع

وخضوع کے منافی اور کاہلی وسستی کی علامت ہے، اس وجہ سے اس سے منع فرمایا ہے چونکہ کتا اپنی کہنیاں زمین پر رکھ کر بیٹھتا ہے اس لئے سجدہ میں زمین پر کہنیاں رکھنے کو کتے کی بیٹھک سے تشبیہ دی ہے البتہ اگر سجدۂ طویلہ کیوجہ سے کوئی شخص مشقت میں پڑ جائے تو اس کو کہنیاں زمین پر رکھنے کے بجائے گھٹنوں سے ملانے کی اجازت ہے، ترمذی شریف میں حدیث ہے "اشتکی اصحاب النبی صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الی النبی صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مشقة السجود علیهم اذا تفرجوا" (یعنی ہم اپنے ہاتھوں کو پہلو سے دور رکھتے ہیں اور کہنی کو زمین سے بلند رکھتے ہیں تو سجدہ طویلہ کی صورت میں ہم مشقت کا شکار ہو جاتے ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" استعینوا بالرکب" جب تھک جاؤ تو کہنیاں گھٹنے سے ملا کر راحت حاصل کرلو۔

انبساط الکلب: بہت سی احادیث میں نماز میں حیوانات کی شکل اختیار کرنے کو ناپسند بتایا گیا ہے جن جن حیوانات کے تشبہ سے نام لے کر منع کیا گیا ہے، ان حیوانات کی فہرست یہ ہے:

(۱) افتراش السبع (۲) افتراش الکلب یا اقعاء الکلب

(۳) التفات الثعلب (۴) بروک البعیر

(۵) نقرة الدیک (٦) نقرة الغراب

(۷) تدبیح الحمار: یعنی رکوع میں گدھے کی طرح سر جھکالینا۔

(۸) عقبة الشیطان: یعنی دونوں ایڑیاں کھڑی کر کے ان پر بیٹھنا۔

(۹) صاحب معارف السننؒ نے فرمایا کہ ان میں یہ چیز بھی شمار کرنی چاہئے "رفع الأیدی کأذناب خیل شمس"۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو معارف السنن: ۴۵، ۴۷/۳)

سجدہ میں کہنیاں رکھنے کا طریقہ

﴿۸۲۹﴾ وَعَنْ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا سَجَدْتَ فَضَعْ کَفَّیْکَ وَارْفَعْ مِرْفَقَیْکَ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم: ۱/۱۹۴، باب الاعتدال فی السجود، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۴۹۴۔

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب سجدہ کرو تو اپنی ہتھلیاں زمین پر رکھو، اور اپنی کہنیاں کو زمین سے اونچا رکھو۔

تشریح: اس حدیث میں سجدہ میں ہاتھ رکھنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے، سجدہ میں ہاتھ یوں رکھا جائے کہ ہتھلیاں زمین پر بچھی ہوں، اور دونوں کانوں کے سامنے ہوں، انگلیاں آپس میں ملی ہوئی ہوں، اور کہنیاں زمین سے اٹھی ہوئی ہوں اور پہلوؤں سے دور ہوں۔ (مرقات: ۲/۳۲۰)

وارفع مرفقیک: سجدہ میں کہنیاں اٹھائے رکھنا چاہئے، یہاں مطلب یہ ہے کہ زمین سے اونچی رہیں، یا دونوں پہلوؤں سے اونچی رہیں، یہ حکم مردوں کے لئے ہے عورتوں کے لئے یہ حکم نہیں ہے اس وجہ سے کہ ان کو تو سجدے میں کہنیاں زمین پر رکھنا ہے، اور پہلو سے ملا کے رکھنا ہے۔

سجدہ میں ہاتھوں کا پہلو سے الگ رہنا

﴿۸۳۰﴾ وَعَنْ مَیْمُوْنَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا سَجَدَ جَافٰی بَیْنَ یَدَیْہِ حَتّٰی لَوْ اَنَّ بَھْمَۃً اَرَادَتْ اَنْ تَمُرَّ تَحْتَ یَدَیْہِ مَرَّتْ ھٰذَا لَفْظُ اَبِیْ دَاوٗدَ کَمَا

صَرَّحَ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ بِإِسْنَادِهٖ وَلِمُسْلِمٍ بِمَعْنَاهُ قَالَتْ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ لَوْ شَاءَتْ بَهْمَةٌ أَنْ تَمُرَّ بَیْنَ یَدَیْهِ لَمَرَّتْ۔

حواله: أبوداؤد: ۱/۱۳۰، باب صفة السجود، كتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۸۹۸۔ مسلم: ۱/۱۹۴، باب ما یجمع صفة الصلاة، كتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۴۹۶۔

حل لغات: جافی: مفاعلت سے، دور کرنا، البهمة: بکری یا بھیڑ کا بچہ، جمع بهم، و بهائم.

ترجمه: حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ (پہلو سے) دور رکھتے تھے، یہاں تک کہ اگر بکری کا بچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں کے نیچے سے گذرنا چاہتا تو گذر جاتا، یہ ابوداؤد کے الفاظ ہیں، جیسا کہ بغوی نے، "شرح السنة" میں اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے، اور مسلم میں یہ حدیث اس کے ہم معنیٰ منقول ہے، حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا "حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے تو اگر بکری کا بچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں کے درمیان سے گذرنا چاہتا تو گذر جاتا"۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں اپنے دونوں ہاتھوں کو پیٹ پہلو اور ران کو جدا رکھتے تھے اور جدا رکھنے کی وجہ سے اتنی کشادگی رہتی کہ بکری کا بچہ آسانی سے گذر جاتا تھا، ہاتھوں کے پیٹ، پہلو یا ران سے ملا کر سجدہ کرنا کاہلی کی علامت ہے۔

اذا سجد جافی بین یدیه: سجدہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ سب اعضاء الگ الگ ہوں، کمر اور سرین ابھرے ہوں، ہاتھ، پہلو، پیٹ اور ران سے الگ ہوں،

یہ حکم مردوں کے لئے ہے، اور عورتوں کے لئے سجدہ میں ستر کا خاص خیال رکھا گیا ہے لہٰذا ان کو سمیٹ کر سجدہ کرنا چاہئے۔

ھذا لفظ ابی داؤد: اس سے صاحب مشکوۃ یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ ان الفاظ میں یہ حدیث بخاری و مسلم میں نہیں ہے اور صاحب مشکوۃ فصل اول میں بخاری و مسلم کی روایت ذکر کرنے کا التزام کرتے ہیں، لہٰذا یہ حدیث ان کے ضابطہ کے خلاف یہاں مذکور ہے، پھر صاحب مشکوۃ نے اس معنی کی روایت "مسلم" کی ذکر کردی ہے۔

سجدہ میں ہاتھوں کو کشادہ رکھنا

﴿۸۳۱﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَالِكٍ بْنِ بُحَيْنَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتّٰى يَبْدُوَ بَيَاضُ إِبْطَيْهِ۔ (متفق عليه)

حواله: بخاری شریف: ۱/۵٦، باب یبدی ضبعیه، کتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۳۹۰۔ مسلم شریف: ۱/۱۹۴، باب مایجمع صفة الصلاة، کتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۴۹۵۔

ترجمه: حضرت عبداللہ بن مالک ابن بحینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ اتنے کشادہ رکھتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگتی۔

تشریح: اذا سجد فرج بین یدیه: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں اپنے ہاتھوں کو اس قدر کشادہ رکھتے تھے، کہ دیکھنے والے کو بغل کی سفیدی نظر آسکتی تھی، حاصل یہ نکلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں کو پہلو سے جدا رکھتے تھے۔ کیوں

کہ اسی صورت میں بغل کی سفیدی نظر آسکتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر ہاتھوں کو پہلو سے دور رکھتے تھے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف لوگوں کے حوالے سے چند حکمتیں نقل کی ہیں۔ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ اس طور پر سجدہ کرنے سے چہرے پر بوجھ کم پڑتا ہے، اور ناک اور پیشانی رکھنے میں زحمت نہیں ہوتی ہے۔ بعض لوگوں نے یہ حکمت لکھی ہے کہ اس میں تواضع زیادہ ہے، بعض نے نقل کیا ہے اس طور پر سجدہ کرنے میں بعض اعضاء کا بعض پر اعتماد نہیں ہوتا، ہر عضو مستقل طور پر سجدہ میں شریک ہوتا ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے فتح الباری: ۳/۲۶۸)

ہاتھ کو پہلو سے کتنی دور کیا جائے اس کی وضاحت گذشتہ حدیث میں یوں ہوئی کہ:

لو شاءت بهمة ان تمر بين يديه لمرت (آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں کو پہلو سے اتنا دور رکھتے تھے کہ اگر بکری کا بچہ درمیان سے گذرنا چاہتا تو گذر سکتا تھا)۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ ان احادیث کے ظاہر کا تقاضہ تو یہ ہے کہ مذکورہ ہیئت پر سجدہ واجب ہو جائے، لیکن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے جس میں صحابہؓ نے طویل سجدہ ہونے کی شکایت کی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہنیوں کو گھٹنوں سے ملانے کی اجازت دے دی، وہ حدیث یہ ہے "شكى اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم له مشقة السجود عليهم اذا تفرجوا فقال استعينوا بالركب" معلوم ہوا کہنیوں کو گھٹنوں پر رکھنا جائز ہے اس وجہ سے سجدہ کی مذکورہ ہیئت کو واجب قرار نہیں دیا گیا، لیکن پھر بھی اسی ہیئت پر حتی الامکان سجدہ کا اہتمام کرنا چاہئے۔ (تلخیص فتح الباری: ۳/۲۶۹)

حتى يبدو بياض ابطيه: سجدہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بغلوں کی سفیدی ظاہر ہوئی، دور نبوت میں عام طور پر لباس چادر اور ازار تھا، قمیص کا رواج کم تھا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر چھوٹی ہو یا بالائی چادر نہ ہو، جس کی بناء پر مسجد میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بغلوں کی سفیدی دیکھ لی گئی ہو، یا پھر قمیص کی آستین بہت کشادہ ہوگی، اس وجہ سے بغلیں نظر آتی ہوں گی۔

سجدہ کی دعاء کا ذکر

﴿۸۳۲﴾ وَعَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِیْ سُجُوْدِهٖ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ كُلَّهٗ دِقَّهٗ وَجُلَّهٗ وَاَوَّلَهٗ وَآخِرَهٗ وَعَلَانِيَتَهٗ وَسِرَّهٗ۔ (رَوَاهُ مُسْلِم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۱۹۱، باب مایقال فی الرکوع، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۴۸۳۔

حل لغات: دق، باریک تھوڑی اور چھوٹی چیز، جل، بڑا، نمایاں، دقیق کی ضد ہے۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سجدہ میں یہ دعاء مانگتے تھے "اللھم اغفرلی الخ" (اے اللہ میرے تمام چھوٹے بڑے، اگلے پچھلے کھلے ہوئے اور چھپے ہوئے سب گناہ معاف فرمادے)۔

تشریح: اس حدیث میں سجدہ میں پڑھی جانے والی ایک دعاء کا ذکر ہے، اس دعاء کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں پڑھتے تھے اس بات کا بھی احتمال ہے کہ "سبحان ربی الاعلی" کے ساتھ پڑھتے تھے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم "سبحان ربی الاعلی" کی جگہ پڑھتے تھے، لیکن یہ عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی نہیں تھا۔

دقہ و جلہ: پہلے صغیرہ گناہوں سے بخشش طلب کی، پھر کبیرہ گناہوں سے، اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ سائل اپنی مراد کو مانگنے میں آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہے، لہٰذا پہلے صغیرہ کی

معافی طلب کی، پھر کبیرہ گناہ کی بخشش چاہی، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ عام طور پر صغیرہ پر اصرار ہی کی بناء پر گناہ کبیرہ ہوتا ہے، تو صغیرہ ثبوت کے اعتبار سے مقدم ہے اس لئے زائل ہونے کے اعتبار سے بھی مقدم رکھا۔

علانیتہ و سرہ: ظاہری اور چھپے ہوئے تمام گناہوں کی بخشش چاہی، یہاں چھپے ہوئے کہنا یہ غیر اللہ کے اعتبار سے ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے، اللہ کی شان تو یہ ہے کہ "یعلم السر واخفی" بھید بلکہ اس سے بھی زیادہ مخفی چیز کو جانتا ہے، "یعلم خائنة الاعین وماتخفی الصدور" نگاہوں کی خیانت اور دلوں کے بھید سے وہ خوب واقف ہے۔

حدیث باب میں جس دعاء کا ذکر ہے وہ دعاء تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی سجدہ میں مانگتے تھے، دائمی طور پر "سبحان ربی الاعلی" کی تسبیح پر اکتفاء کرتے تھے، یہی عمل توارث کے طور پر ثابت اور امت میں معمول بہا ہے۔

سجدہ کی ایک اور دعاء

﴿۸۳۳﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً مِنَ الْفِرَاشِ فَالْتَمَسْتُهٗ فَوَقَعَتْ يَدِيْ عَلٰى بَطْنِ قَدَمَيْهِ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ وَهُمَا مَنْصُوْبَتَانِ وَهُوَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْكَ لَااُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ۔ (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۱۹۲ باب مایقال فی الرکوع، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۴۸۶۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک رات میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر سے گم پایا، تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہاتھ سے ٹٹولنا شروع کیا، تو میرے ہاتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تلوے پر پڑے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سجدہ میں تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں پیر کھڑے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعاء مانگ رہے تھے، "**اللھم اعوذ برضاک الخ**" اے اللہ میں تیری خوشنودی کے ذریعہ تیرے غیظ وغضب سے پناہ چاہتا ہوں اور آپ کی معافی کے ذریعہ سے آپ کے عذاب سے پناہ چاہتا ہوں، اور آپ کی رحمت کے ذریعہ سے آپ کے قہر سے پناہ چاہتا ہوں میں آپ کی تعریف کو شمار نہیں کرسکتا، آپ ایسے ہی ہیں جیسے کہ آپ نے اپنی تعریف کی۔

تشریح: اس حدیث میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدہ کی ایک دعاء کا ذکر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دعاء کو بھی کبھی کبھی سجدہ میں مانگتے تھے، اس دعاء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے غضب اور اس کے عذاب سے پناہ چاہنے کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ اے اللہ آپ کی جیسی تعریف ہونی چاہئے ویسی تعریف کرنے سے عاجز وقاصر ہوں۔

فقدت: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کررہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے بستر پر نہیں پایا۔

فالتمستہ: یعنی ہاتھوں سے ٹٹول کر تلاش کیا، "**فوقعت یدی:** میرا ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تلوے پر پڑا، یہاں سے معلوم ہوا کہ "**مس مرأة**" ناقض وضو نہیں ہے، اگر عورت کو چھونے یا اس کے ہاتھ لگنے سے وضوء ٹوٹتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز توڑ کر وضوء فرماتے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ میں پڑے رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کا ہاتھ لگنے سے وضوء نہیں ٹوٹتا ہے۔

وھو فی المسجد: حضرت عائشہؓ کا ہاتھ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تلوے پر لگا، اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں تھے۔ یہاں مسجد بول کر سجدہ مراد لیا ہے، مشکوۃ کے بعض نسخوں میں اور دوسری کتابوں میں یہاں "**المسجد**" کے الفاظ ہی ہیں۔

من سخطک: یعنی ایسے فعل سے پناہ مانگتے ہیں جو میرے یا میری امت کے لئے ناراضگی کو واجب کرے۔

وبمعافاتک: مبالغہ کا صیغہ عفو کثیر کے طلب کے لئے ذکر کیا ہے۔

عقوبتک: سزا یہ ناراضگی کے آثار میں سے ہے، اس وجہ سے اس کی بھی پناہ مانگی ہے۔

اعوذبک: آپ کے ساتھ کسی چیز میں کوئی مالک نہیں ہے اس وجہ سے آپ ہی کی پناہ بھی مانگتا ہوں۔

حدیث باب میں ابتداء افعال کی صفات سے کی ہے، پھر ذات کی صفات کا ذکر کیا اخیر میں مزید ترقی کرکے اللہ تعالیٰ کی ذات ہی کی پناہ کو طلب کیا۔

لا احصی: اللہ تعالیٰ کے احسانات ہر لحظہ ہر ساعت ان گنت ہیں، لہذا ان کا شمار کرنا کسی بھی انسان کے بس سے باہر کی بات ہے، خود باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "**وان تعدوا نعمة الله لاتحصوها**" (تم اللہ کے اگر احسانات شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مذکورہ دعاء کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کا کما حقہ شکر یہ ادا کرنے سے عجز بیان فرما رہے ہیں۔

سجدہ میں بندہ کا رب سے قرب

﴿۸۳۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَقْرَبُ مَایَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ فَاَكْثِرُوا الدُّعَاءَ۔ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ سجدہ کی حالت میں قریب ہوتا ہے، لہٰذا تم لوگ سجدہ میں خوب دعا کرو۔

تشریح: اللہ تعالیٰ بندہ سے ہمہ وقت بہت قریب ہے، لیکن سجدہ میں اس کی رحمتیں اس کی عنایتیں بھرپور طریقہ سے بندہ کی طرف متوجہ رہتی ہیں، اور بندہ کو اللہ تعالیٰ سجدہ میں خصوصی قرب عطاء کرتا ہے اس کی دعائیں بھی خوب سنتا ہے۔ اس وجہ سے حدیث باب میں سجدہ میں کثرت سے دعاء کرنے کا حکم ہے۔

فاکثروا الدعاء: سجدہ میں چونکہ انتہائی تذلل ہوتا ہے اور بندہ کو عبودیت اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا خوب اعتراف ہوتا ہے اس لئے اس حالت کو اللہ تعالیٰ بہت پسند فرماتے ہیں، اور اس میں خوب دعائیں سنتے ہیں، یہ دعا فی السجود کا حکم عند الحنفیہ نوافل پر محمول ہے اور بظاہر شافعیہ کے نزدیک یہ عام ہے۔

تطویل قیام افضل ہے یا تکثیر رکوع وسجود

اس حدیث میں ایک اور مسئلہ اختلافی ہے وہ یہ کہ ارکان صلوٰۃ میں سے کون سا رکن

زیادہ افضل ہے قیام یا سجود، امام ترمذیؒ نے دونوں پر مستقل باب باندھا ہے، "**باب ما جاء فی طول القیام فی الصلوٰۃ، باب ما جاء فی کثرۃ الرکوع والسجود**" دراصل اس سلسلہ میں دو حدیثیں ہیں اور دونوں ہی صحیح ہیں صحیح مسلم اور مسند احمد وغیرہ کی ہیں ایک تو یہی حدیث الباب، اور دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **افضل الصلوٰۃ طول القنوت**" یہ حدیث ابوداؤد میں بھی کتاب الصلوٰۃ کے اواخر میں "**باب افتتاح صلوٰۃ اللیل برکعتین**" میں ہے "**ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سئل ای الاعمال افضل قال طول القیام**" یہ حدیث تو افضلیت قیام میں صریح ہے اسی لئے جمہور ومنہم الحنفیہ والشافعیہ اسی کے قائل ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ رکوع وسجود کی تکثیر وتطویل افضل ہے یہ رائے ہے حضرت ابن عمر اور حنیفہ میں سے امام محمد کی، تیسرا قول یہ ہے " **الفرق بین صلوٰۃ اللیل وصلوٰۃ النھار**" دن میں تکثیر رکوع وسجود اور رات میں تطویل قیام افضل ہے اس کو اختیار کیا ہے اسحاق بن راہویہ نے، اور امام احمدؒ نے اس مسئلہ میں توقف کیا اور کوئی فیصلہ نہیں فرمایا ہے۔

جمہور حدیث الباب کا یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات میں نص نہیں ہے، حالت سجود میں بندہ کے اقرب الی اللہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ سجود قیام سے افضل ہو اس لئے کہ یہ قرب باعتبار اجابت دعاء کے ہے کیونکہ سجدہ کی حالت غایت تذلل اور عاجزی کی ہے اس لئے اس میں قبولیت دعا زیادہ متوقع ہے، نیز رکوع وسجود کا وظیفہ ذکر وتسبیح ہے اور حالت قیام کا وظیفہ تلاوت قرآن ہے جو تمام اذکار سے افضل ہے، صاحب منہل لکھتے ہیں کہ مالکیہ کے اس مسئلہ میں دونوں قول ہیں لیکن یہ اختلاف ان کے یہاں اس صورت میں ہے جب کثرت سجود اور قیام دونوں کا زمانہ ایک ہو اور اگر متفاوت ہو تو جس کا زمانہ اطول ہوگا وہی افضل ہوگا۔ (الدر المنضود: ۲/۳۱۴)

سجدۂ تلاوت کے وقت شیطان کا رونا

﴿۸۳۵﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَرَأَ ابْنُ آدَمَ السَّجْدَةَ فَسَجَدَ اِعْتَزَلَ الشَّیْطَانُ یَبْکِیْ یَقُوْلُ یَا وَیْلَتٰی اُمِرَ ابْنُ آدَمَ بِالسُّجُوْدِ فَسَجَدَ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَاُمِرْتُ بِالسُّجُوْدِ فَاَبَیْتُ فَلِیَ النَّارُ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۶۱/۱، باب بیان اطلاق اسم الکفر علی من ترک الصلاۃ، کتاب الایمان، حدیث نمبر:۸۱۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ابن آدم جب آیت سجدہ کی تلاوت کرتا ہے اور پھر سجدہ کرتا ہے تو شیطان الگ ہٹ کر روتا ہے اور کہتا ہے ہائے میری بربادی ابن آدم کو سجدہ کا حکم دیا گیا، چنانچہ اس نے سجدہ کرلیا، تو اس کے لئے جنت ہے اور مجھے سجدہ کا حکم دیا گیا میں نے سجدہ کرنے سے انکار کردیا تو میرے لئے جہنم ہے۔

تشریح: اس سے سجدہ تلاوت کی اہمیت معلوم ہوتی ہے اور چونکہ آیت پڑھنے کے بعد سجدہ کرنے سے شیطان کو سخت مایوسی ہوتی ہے لہٰذا اس میں ہرگز کوتاہی نہ کرنی چاہئے، ورنہ شیطان کو خوش کرنا ہوگا۔

اذا اقرأ ابن آدم: اس قصہ کی طرف اشارہ ہے جو انسانوں کے باپ آدم علیہ السلام کا شیطان کے ساتھ پیش آیا اور وہی واقعہ دونوں کے درمیان عداوت کا سبب بنا۔

فسجد: یعنی انسان نے اپنے رب کی اطاعت وفرمانبرداری کی۔

اعتزل الشیطان: شیطان ہمہ وقت انسان سے وسوسہ ڈالنے کے لئے

قریب رہتا ہے جب آیت سجدہ پڑھ کر انسان کو سجدہ میں جاتے ہوئے دیکھتا ہے اس سے دور ہٹ جاتا ہے۔

یاویلتی: بربادی کی صدا لگانا افسوس کے اظہار کے لئے ہے کہ وہ کیسی کرامت وشرافت شیطان کے ہاتھ سے نکل گئی، یہی ابن آدم سے حسد کی وجہ بھی ہے۔

فسجد له الجنة: ابن آدم نے سجدہ کیا تو اس کے لئے جنت ہے، اور شیطان نے نعنت کی بناء پر انکار کیا تو اس کے لئے جہنم ہے یہیں سے معلوم ہوا کہ سجدۂ تلاوت واجب ہے۔

کثرت سجود سے جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت

﴿۸۳۶﴾ وَعَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كُنْتُ اَبِيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاٰتِيْهِ بِوَضُوْءِهٖ وَحَاجَتِهٖ فَقَالَ لِيْ سَلْ فَقُلْتُ اَسْاَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ اَوْ غَيْرَ ذٰلِكَ قُلْتُ هُوَ ذَاكَ قَالَ فَاَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شریف: ۱/۱۹۳، باب فضل السجود، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۴۸۹۔

ترجمه: حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رات گذارا کرتا تھا، اور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وضوء اور ضرورت کا سامان لا کر رکھتا تھا، مجھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا مانگ، میں نے کہا کہ میں جنت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت مانگتا ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے علاوہ کچھ؟ میں نے کہا میں یہی چاہتا ہوں،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کثرت سجود کے ذریعہ اپنے بارے میں مدد کرو۔

تشریح: کنت ابیت: حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں رات میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتا تھا ممکن ہے کہ یہ بات سفر سے متعلق ہو، حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ سفر ہو یا حضر یہاں معیت سے مراد قرب ہے، یعنی میں رات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا قریب رہتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر کسی ضرورت سے مجھے پکارتے تو میں سن لیتا تھا۔

فاتیہ بوضوءہ: یعنی وضوء وطہارت وغیرہ کے لئے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی فراہم کرتا تھا۔

وحاجتہ: مثلاً مسواک، مصلی اور اسی طرح کی دیگر چیزوں کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرورت پڑتی تو وہ بھی میں حاضر کرتا تھا۔

سل: یعنی مجھ سے اپنی کسی ضرورت کو طلب کرلو، شریف لوگ اپنی خدمت کے سلسلہ میں اپنے خدام کو نوازتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر تو کوئی کریم ہوا ہی نہیں، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ربیعہؓ کی خدمت سے خوش ہو کر ان سے فرمایا اگر تم کو کوئی حاجت ہو تو مجھ سے بیان کرو میں پوری کروں گا۔

اسألک مرافقتک: حضرت ربیعہؓ نے کہا میں جنت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا طالب ہوں، مطلب یہ ہے کہ میں جنت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب رہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے لطف اندوز ہونا چاہتا ہوں۔

او غیر ذلک: یہ تو بہت بڑی چیز ہے اس کے علاوہ کچھ اور چاہتے ہو۔

قلت ھو ذاک: مطلب یہ ہے کہ میری طلب تو بس یہی کہ جنت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میسر آجائے۔

فاعنی علی نفسک بکثرۃ السجو د: مطلب یہ ہے کہ اگر تم کو جنت میں میری رفاقت ہی چاہئے تو اس کی صورت یہ ہے کہ خوب سجدے کرو اور سجدوں کی کثرت نوافل کی کثرت سے ہوتی ہے پس مطلب یہ ہوا کہ کثرت نوافل کا اہتمام کرو۔

فائدہ: (۱)......اس حدیث سے ایک اہم بات معلوم ہوئی کہ بزرگوں کی خدمت میں رہنا اوران کی ضروریات پوری کرنا بہت بڑی سعادت ہے۔

(۲)...... نیز یہ بات معلوم ہوئی کہ خادم کو اپنا مقصود خدمت سے دنیا نہ بنانا چاہئے بلکہ بزرگوں کی خدمت سے مقصود آخرت ہونا چاہئے، حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت کچھ مانگ سکتے تھے، لیکن ان کی نگاہ میں اصل آخرت تھی اس وجہ سے انہوں نے آخرت والی چیز یعنی جنت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت مانگی۔

خلاصۂ کلام: اس حدیث میں بھی کثرت سجود کی اہمیت بیان ہوئی ہے کثرت سے نماز کا پڑھنا مراد ہے، یہ وہ عظیم عمل ہے جس کی بناء پر جنت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میسر ہوگی "وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء"۔

کثرت سجود کی فضیلت

﴿۸۳۷﴾ وَعَنْ مَعْدَانَ بنِ طَلْحَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تعالىٰ قَالَ لَقِيتُ ثَوْبَانَ مَوْلىٰ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اَخْبِرْنِىْ بِعَمَلٍ اَعْمَلُهُ يُدْخِلُنِىَ اللّٰهُ بِهِ الْجَنَّةَ فَسَكَتَ ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَسَكَتَ سَأَلْتُهُ الثَّالِثَةَ فَقَالَ سَأَلْتُ عَنْ ذَالِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَلَيْكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ لِلّٰهِ فَاِنَّكَ لَاتَسْجُدُ

لِلّٰهِ سَجْدَةً اِلَّا رَفَعَكَ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْكَ بِهَا خَطِيْئَةً قَالَ مَعْدَانُ ثُمَّ لَقِيْتُ اَبَا الدَّرْدَاءِ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ لِي مِثْلَ مَا قَالَ لِي ثَوْبَانُ۔

(رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۱۹۳، باب فضل السجود، کتاب الصلوۃ، حدیث نمبر: ۴۸۸۔

ترجمہ: حضرت معدان بن طلحہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبانؓ سے ملاقات کی تو میں نے ان سے عرض کیا کہ" مجھے کوئی ایسا عمل بتایئے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مجھ کو جنت میں داخل فرمادے، تو وہ خاموش رہے میں نے ان سے پھر سوال کیا، وہ پھر خاموش رہے میں نے تیسری مرتبہ سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ میں نے اس بارے میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا" تم کثرت سے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرو" بلاشبہ تم اللہ تعالیٰ کو ایک سجدہ کروگے تو اللہ تعالیٰ اس سجدہ کی بدولت تمہارا ایک درجہ بلند فرمائیں گے، اوراس کے ذریعہ سے تمہاری ایک غلطی معاف کردیں گے، حضرت معدانؒ کہتے ہیں کہ پھر میں نے حضرت ابودرداءؓ سے ملاقات کی اوران سے بھی یہی سوال کیا تو انہوں نے بھی مجھے اس طرح کی بات بتائی جس طرح کی بات حضرت ثوبانؓ نے بتائی تھی۔

تشریح: اس حدیث سے بھی کثرت سجود کی اہمیت معلوم ہورہی ہے کہ یہ وہ عظیم عمل ہے جو جنت میں دخول کا ذریعہ تو ہے ہی نیز اس سے مراتب بھی بلند ہوتے ہیں اور غلطیاں بھی معاف ہوتی ہیں۔

سألته الثالثة: حضرت معدانؒ نے جب تیسری مرتبہ حضرت ثوبانؓ سے پوچھا تب انہوں نے جواب دیا، مقصود یہ تھا کہ سائل کے اندر زیادہ سے زیادہ رغبت پیدا ہوجائے،

تا کہ جواب ذہن میں اچھی طرح محفوظ بھی ہو جائے، اور اس پر عمل درآمد ہو۔

بکثرۃ السجود: نماز کا سجدہ تو مراد ہے ہی اس سے تو انسان کے مراتب بلند ہوتے ہیں، نیز اسی حکم میں سجدہ شکر اور سجدۂ تلاوت بھی داخل ہے۔

﴿الفصل الثانی﴾

سجدہ میں جانے کا طریقہ

﴿۸۳۸﴾ وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ الْيَدَيْنِ وَإِذَا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ۔ (رواه ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ والدارمی)۔

حوالہ: أبوداؤد شریف: ۱۲۲/۱، باب کیف یضع رکبتیہ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر:۸۳۸۔ ترمذی شریف: ۶۱/۱، باب ماجاء فی وضع الیدین قبل الرکبتین، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر:۲۶۸۔ نسائی شریف ۱۲۳/۱، باب اول مایصل الارض، کتاب التطبیق، حدیث نمبر:۱۰۸۵۔ ابن ماجہ:۶۳، باب السجود، کتاب اقامۃ الصلاۃ، حدیث نمبر:۸۸، دارمی: ۳۴۷/۲، باب اول مایقع من الانسان علی الارض، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر:۱۳۲۰۔

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں جانے

کا ارداہ فرماتے تو اپنے ہاتھوں کو رکھنے سے پہلے اپنے دونوں گھٹنوں کو رکھتے تھے اور جب سجدہ سے اٹھنے کا ارادہ فرماتے تو اپنے گھٹنے اٹھانے سے پہلے اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں جاتے تو پہلے گھٹنے رکھتے اس کے بعد ہاتھ رکھتے اور سجدہ سے اٹھنے میں اس کے برعکس کرتے تھے، علماء نے سجدہ میں جانے سے متعلق یہ اصول لکھا ہے کہ سجدہ کرنے میں جو عضو زمین سے قریب ہے اس کو پہلے رکھا جائے، اور جو عضو دور ہے اس کو بعد میں رکھا جائیگا، یہی وجہ ہے کہ سب سے پہلے گھٹنے پھر ہاتھ پھر ناک اور پیشانی رکھی جاتی ہے جب کہ سجدہ سے اٹھنے میں معاملہ اس کے برعکس کیا جائے گا۔

اختلاف ائمہ: حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت پہلے گھٹنے رکھے جائیں پھر ہاتھ، لیکن دیگر احادیث کی بناء پر ائمہ میں کچھ اختلاف ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب: امام صاحب کے نزدیک جو ترتیب حدیث باب میں ہے اسی کے مطابق عمل کرنا بہتر ہے، یعنی سجدہ میں جاتے وقت پہلے گھٹنے رکھے جائیں پھر ہاتھ رکھے جائیں۔

دلیل: امام صاحب کی ایک تو حدیث باب ہے اس کے علاوہ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث **"ان علیہ السلام قال اذا سجد احدکم فلیبدأ برکبتیہ قبل یدیہ"** ہے۔

امام مالکؒ وامام اوزاعیؒ کا مذہب: امام مالکؒ وامام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ سجدہ میں جاتے وقت پہلے ہاتھ رکھے جائیں، پھر گھٹنے رکھے جائیں۔

دلیل: امام مالکؒ وامام اوزاعیؒ کی دلیل اگلی حدیث ہے **"اذا سجد احدکم فلایبرک کما یبرک البعیر لیضع یدیہ قبل رکبتیہ"** (تم میں سے جب کوئی سجدہ کرے تو وہ اونٹ کے بیٹھنے کی طرح نہ بیٹھے اس کو چاہئے کہ زمین پر اپنے دونوں گھٹنے رکھنے سے پہلے اپنے دونوں ہاتھ رکھے)۔

امام مالک واوزاعی کی دلیل کا جواب : (۱)...... ہماری دلیل جو کہ وائل بن حجرؓ کی حدیث ہے وہ امام مالکؒ کی پیش کردہ دلیل سے زیادہ قوی اور اثبت ہے۔

(۲)...... امام مالک کی پیش کردہ حدیث منسوخ ہے، اور اس کے لئے ناسخ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی حدیث ہے، حدیث کے کلمات یوں ہیں " کنا نضع الیدین قبل الرکبتین فامرنا بوضع الرکبتین قبل الیدین" (ہم لوگ شروع میں گھٹنے رکھنے سے پہلے ہاتھ کو رکھتے تھے، لیکن پھر ہمیں یہ حکم دیا گیا کہ ہم گھٹنے پہلے رکھیں پھر ہاتھ رکھیں)۔

ایضاً

﴿۸۳۹﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَجَدَ اَحَدُکُمْ فَلَایَبْرُکْ کَمَا یَبْرُکُ الْبَعِیْرُ وَلْیَضَعْ یَدَیْهِ قَبْلَ رُکْبَتَیْهِ۔ رواہ ابو داؤد والنسائی والدارمی قَالَ اَبو سُلَیْمَانُ الْخَطَّابِیُّ حَدِیْثُ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ اَثْبَتُ مِنْ هٰذَا وَقِیْلَ هٰذَا مَنْسُوْخٌ۔

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱۲۲/۱، باب کیف یضع رکبتیه، کتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۸۴۰۔ نسائی شریف: ۱۲۳/۱، باب اول مایصل الی الارض من الانسان، کتاب التطبیق، حدیث نمبر: ۱۰۹۰۔ دارمی: ۳۴۷/۱، باب اول مایقع من الانسان علی الارض، کتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۱۳۲۱۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ جب تم میں سے کوئی شخص سجدہ کرے تو وہ اونٹ

کے بیٹھنے کی طرح نہ بیٹھے اور اس کو چاہئے کہ اپنے دونوں گھٹنے رکھنے سے پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو رکھے۔ ابوسلیمان خطابیؒ کا کہنا ہے کہ حضرت وائل بن حجرؓ کی حدیث اس حدیث سے زیادہ اثبت ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

تشریح: یہ حدیث مالکیہ کا مستدل ہے اور اس حدیث میں دو متضاد حکم ہیں:

(۱)...... پہلا حکم یہ ہے کہ اونٹ کے بیٹھنے کی طرح نہ بیٹھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی سجدہ میں جاتے وقت پہلے ہاتھ نہ رکھے، بلکہ پہلے گھٹنے رکھے کیوں کہ اونٹ بیٹھتے وقت پہلے ہاتھ رکھتا ہے پھر پیر رکھتا ہے۔

(۲)...... اور دوسرا حکم صراحۃً یہ ہے کہ پہلے ہاتھ رکھے جائیں پھر گھٹنے رکھے جائیں اس حدیث کے اسی اضطراب کی بناء پر بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ قوی نہیں اس کے بالمقابل اس سے پہلے جو حدیث گذری اس کو اثبت قرار دیا ہے بعض حضرات نے حدیث باب کو منسوخ کہا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی اس حدیث سے "کنا نضع الیدین قبل الرکبتین فامرنا بوضع الرکبتین قبل الیدین" بعض حضرات نے حدیث کے تعارض کو ختم کرنے کے لئے دور کی تاویل بھی کی ہے بہر حال اس تعارض کی بناء پر یہ حدیث لائق استدلال نہیں ہے۔

دونوں سجدوں کے درمیان کی دعا

﴿۸۴۰﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ بَیْنَ السَّجْدَتَیْنِ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاھْدِنِیْ وَعَافِنِیْ وَارْزُقْنِیْ۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی)

حوالہ: أبوداؤد شریف:۱۲۳/۱، باب الدعاء بين السجدتين، کتاب الصلاة، حدیث نمبر:۸۵۰۔ ترمذی شریف:۶۳/۱، باب مایقول بین السجدتین، حدیث نمبر:۲۸۴۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں سجدوں کے درمیان یہ دعاء پڑھتے تھے "**اللهم اغفرلی**" اے اللہ! مجھے بخش دیجئے، میرے اوپر رحم فرمایئے، مجھے ہدایت عطاء فرمایئے، اور مجھے عافیت مرحمت فرمایئے، اور مجھے روزی عطاء فرمایئے۔

تشریح: اس حدیث میں ایک دعا مذکور ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا کو سجدوں کے درمیان جلسہ میں پڑھتے تھے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعاء کو جلسہ میں پڑھنا یا تو نفل نمازوں سے متعلق ہے، یا پھر یہ حدیث بہت نادرواقعہ ہے، عموماً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرض نمازوں کے جلسہ میں دعاء نہیں مانگتے تھے۔

بین السجدتین: ابن ماجہ کی روایت میں یہاں "**فی صلاة اللیل**" کی قید ہے، معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول نفل نمازوں میں تھا، لیکن اگر کسی نے فرض نماز میں بھی یہ دعاء پڑھ لی، تو نماز مکروہ نہ ہوگی، حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میری رائے ہے کہ اس کو پڑھنا ہی بہتر ہے مالابد منہ میں بھی پڑھنا ہی بہتر قرار دیا گیا ہے۔

جلسہ میں پڑھی جانے والی دعاء

﴿۸۴۱﴾ وَعَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى

اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ بَیْنَ السَّجْدَتَیْنِ رَبِّ اغْفِرْلِیْ۔

(رواه النسائی والدارمی)

حواله: نسائی: ۱/۱۲۹، باب الدعاء بین السجدتین، کتاب التطبیق، حدیث نمبر: ۱۰۹۰۔ دارمی: ۱/۳۴۸، باب القول بین السجدتین، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۱۳۲۴۔

ترجمه: حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں سجدوں کے درمیان یہ دعا مانگتے "رب اغفرلی" اے میرے پروردگار مجھے معاف فرمادیجئے۔

تشریح: اس حدیث میں بھی دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ میں پڑھی جانے والی ایک دعا مذکور ہے حنفیہ کے نزدیک یہ دعائیں نوافل پر محمول ہیں، دیگر ائمہ کے نزدیک فرائض میں بھی مسنون ہے احناف میں بعض فقہاء کہتے ہیں کہ پڑھ لینا بہتر ہے۔

رب اغفرلی: جلسہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعاء مانگتے تھے ابن ماجہ میں بھی یہ دعاء مذکور ہے اس میں یہ کلمہ تین مرتبہ مذکور ہے یعنی "رب اغفرلی، رب اغفرلی، رب اغفرلی، آج کل نمازوں میں تعدیل ارکان سے کافی غفلت برتی جاتی ہے اس لئے اس دعاء کا اہتمام بہت بہتر ہوگا، کہ دعا کا اہتمام ہوگا تو تعدیل ارکان خود بخود ہو جائے گا۔

﴿الفصل الثالث﴾

سجدہ میں جلد بازی کی ممانعت

﴿۸۴۲﴾ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ شِبْلٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ

قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَقْرَةِ الْغُرَابِ وَافْتِرَاشِ السَّبُعِ وَاَنْ يُوَطِّنَ الرَّجُلُ الْمَكَانَ فِي الْمَسْجِدِ كَمَا يُوَطِّنُ الْبَعِيْرُ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی والدارمی)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱۲۵/۱، باب الصلاۃ، حدیث نمبر:۸۶۲۔ نسائی شریف: ۱۲۵/۱، باب النھی عن نقرۃ الغراب، کتاب التطبیق، حدیث نمبر:۱۱۱۱۔ دارمی:۳۴۸/۱، باب النھی عن الافتراش ونقرۃ الغراب، حدیث نمبر:۱۳۲۳۔

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن شبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوے کے ٹھونگ مارنے اور درندوں کی طرح (ہاتھ) پھیلانے سے منع فرمایا ہے اور اس بات سے بھی منع فرمایا ہے کہ آدمی مسجد میں ایسے ہی جگہ مقرر کرلے جیسے اونٹ مقرر کرلیتا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باتوں سے منع فرمایا ہے:

(۱)......سجدہ میں اس طرح جلدی نہ کرنا چاہئے جیسے کوا چونچ مارتا ہے بلکہ آرام وسکون کے ساتھ کرنا چاہئے۔

(۲)......سجدہ درندوں کے ہاتھ پھیلا کر بیٹھنے کیطرح ہاتھ پھیلا کر سجدہ نہ کرنا چاہئے، بلکہ گذشتہ احادیث میں سجدہ کی جو مسنون کیفیت منقول ہوئی ہے، اسکے مطابق سجدہ کرنا چاہئے۔

(۳)......مسجد میں کسی خاص جگہ کو مقرر کرکے اسی جگہ بیٹھنا اور اسی جگہ نماز پڑھنا اور اس جگہ کو اپنا حق سمجھنا یہ ممنوع ہے، مسجد اللہ کا گھر ہے اس میں ہر شخص کو ہر جگہ بیٹھنے کی اجازت ہے اور کوئی خاص کسی کے لئے نہیں ہے۔

نقرۃ الغراب: سجدہ میں تخفیف کرنے میں مبالغہ کرنا مراد ہے یعنی جس طرح

کوا جلدی جلدی چونچیں مار مار کر دانا چگتا ہے اس طرح سے سجدہ میں سر زمین پر رکھ کر فوراً اٹھانے سے منع کیا ہے سجدہ میں تعدیل کا پورا خیال رکھنا چاہئے اور کم از کم تین مرتبہ اطمینان سے تسبیح پڑھنا چاہئے، آپ نے ایک موقع پر فرمایا "**واذا سجد فقال فی سجوده سبحان ربی الاعلیٰ ثلاث مرات فقدتم سجوده وذلک ادناه**"۔

وافتراش السبع: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درندوں کی طرح ہاتھ پھیلانے سے منع فرمایا ہے، نماز آرام وراحت کی چیز نہیں ہے، لہٰذا جس طرح درندے زمین پر کہنیاں بچھا کر بیٹھتے ہیں اس طرح کہنیاں بچھا کر سجدہ کرنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، ایک موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**ولا یبسط احدکم ذراعیه انبساط الکلب**" کتے کے پھیلانے کی طرح تم میں سے کوئی شخص اپنی کہنیاں نہ پھیلائے ایک دوسرے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**وارفع مرفقیک**" اپنی کلائیاں اٹھائے رکھو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدہ کا معاملہ یہ تھا کہ "**اذا سجد لو شاء ت بهمة ان یمر بین یدیه لمرت**" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کے درمیان سے بکری کا بچہ گذرنا چاہتا تو گذر سکتا تھا، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں کو اس قدر اٹھا کر رکھتے کہ بکری کا بچہ آسانی کے ساتھ اس کے درمیان سے گذر سکتا تھا۔

وان یوطن الرجل: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے بھی منع فرمایا کہ کوئی شخص مسجد میں اپنی جگہ متعین کرلے جس طرح اونٹ اپنے بندھنے کی جگہ اپنے لئے متعین کرلیتا ہے اسی طرح کسی جگہ کو خاص کر کے اسی جگہ نماز نہ پڑھنا چاہئے۔

اس ممانعت کی علت کو بیان کرتے ہوئے صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ یہ چیز شہرت وریاکاری تک پہنچادے گی جگہ متعین نہ کرنے میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ بہت سی جگہوں پر

سجدہ ہوگا تو سب جگہیں قیامت کے دن گواہی دیں گی، اور جگہ متعین کرنے میں یہ نقصان بھی ہے کہ اگر کوئی دوسرا شخص اس جگہ بیٹھ جائے گا تو یہ اس کو وہاں سے اٹھائے گا اور یہ عمل غلط اور فتنہ کا ذریعہ ہے لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جگہ متعین کرنے ہی سے منع فرمادیا۔

دونوں سجدوں کے درمیان اقعاء ممنوع ہے

﴿۸۴۳﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاعَلِيُّ اِنِّىْ اُحِبُّ لَكَ مَا اُحِبُّ لِنَفْسِىْ وَاَكْرَهُ لَكَ مَا اَكْرَهُ لِنَفْسِىْ لَاتُقْعِ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ۔ (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۶۳/ ۱، باب ماجاء فی کراهية الاقعاء فی السجود، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۲۸۲۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے علیؓ میں تمہارے لئے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں اور تمہارے لئے بھی وہ چیز ناپسند کرتا ہوں جو اپنے لئے ناپسند کرتا ہوں تم دونوں سجدوں کے درمیان اقعاء مت کرنا۔

تشریح: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس امت کے حق میں نہایت شفیق ہیں کہ جو چیز اپنے لئے پسند فرماتے ہیں وہی چیز اس امت کے افراد کے لئے پسند فرماتے ہیں اور جس چیز کو اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں وہی چیز اس امت کے افراد کے لئے بھی ناپسند فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں جلسہ میں اقعاء یعنی کتے کی طرح بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

یاعلی احب: حضرت علیؓ کو مخاطب کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی، محبت کے اظہار کا مقصد یہ تھا کہ آگے کی نصیحت اچھی طرح کارگر ہو، ورنہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ محبت ہر مؤمن کے ساتھ ہے۔

نصیحت کا ادب

فائدہ: حدیث پاک سے نصیحت کا ایک ادب بھی معلوم ہوا کہ پہلے اپنے تعلق اپنی محبت کا اظہار کیا جائے اس کے بعد نصیحت کی جائے۔

لاتقع بین السجدتین: اقعاء کی دو تشریحیں کی جاتی ہیں:

(۱)......آدمی الیتین پر بیٹھے اور اپنے پاؤں کو اس طرح کھڑا کرے کہ دونوں گھٹنوں دونوں کندھوں کے مقابل آجائیں اور اپنے ہاتھوں کو زمین پر ٹیک لے، اس تشریح کے اعتبار سے اقعاء بالاتفاق مکروہ ہے۔

(۲)......دونوں پاؤں کو پنجوں کے بل کھڑا کر کے ایڑیوں پر بیٹھا جائے، اس دوسرے معنی کے اعتبار سے اقعاء میں اختلاف ہے جمہور کے نزدیک یہ بھی علی الاطلاق مکروہ ہے، امام شافعیؒ اس کو سجدتین کے درمیان مسنون قرار دیتے ہیں، یعنی ان کے نزدیک افتراش بھی مسنون ہے اقعاء بھی مزید تفصیل کے لئے (معارف السنن: ۲/۶۴۷۰) دیکھیں۔

رکوع وسجدہ میں پیٹھ سیدھی رکھنا

﴿۸۴۴﴾ وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍ الْحَنَفِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَنْظُرُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِلٰى صَلَاةِ عَبْدٍ لَايُقِيْمُ فِيْهَا صُلْبَهُ بَيْنَ خُشُوْعِهَا وَسُجُوْدِهَا۔ (راوه أحمد)

حوالہ: مسند احمد: ۴/۲۲.

ترجمہ: حضرت طلق بن علی الحنفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تبارک وتعالیٰ اس بندہ کی نماز کی طرف نگاہ نہیں فرماتے ہیں جو اپنی نماز کے رکوع وسجدوں میں اپنی پیٹھ سیدھی نہیں کرتا۔

تشریح: الحنفی روای کا قبیلہ بنوحنفیہ سے تعلق ہے۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ رکوع وسجود کے درمیان یعنی قومہ میں تعدیل کا اہتمام کرنا چاہئے، اور جو شخص اس سے غفلت برتتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی نماز کی طرف قبولیت کی نظر نہیں فرماتے ہیں۔

سجدوں میں ہاتھوں کے رکھنے کا بیان

﴿۸٤٥﴾ وَعَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا كَانَ يَقُوْلُ مَنْ وَضَعَ جَبْهَتَهُ بِالْاَرْضِ فَلْيَضَعْ كَفَّيْهِ عَلَى الَّذِي وَضَعَ عَلَيْهِ جَبْهَتَه ثُمَّ اِذَا رَفَعَ فَلْيَرْفَعْهُمَا فَاِنَّ الْيَدَيْنِ تَسْجُدَانِ كَمَا يَسْجُدُ الْوَجْهُ۔ رواه مالك)

حوالہ: موطا امام مالک:۵۷، باب وضع اليدين على مايوضع عليه في السجود، كتاب قصر الصلاة في السفر به، حدیث نمبر:۶۰۔

ترجمہ: حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں جو شخص اپنی پیشانی زمین پر رکھے تو اس کو چاہئے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو بھی زمین پر وہیں رکھے جہاں پیشانی رکھی ہے، جب اٹھے تو اس کو چاہئے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو بھی اٹھالے اس وجہ سے کہ ہاتھ ایسے ہی سجدہ کرتے ہیں جیسے کہ چہرہ سجدہ کرتا ہے۔

تشریح: چہرہ کی طرح ہاتھوں کو بھی زمین پر سجدہ میں رکھنا چاہئے، نیز ہاتھوں کو

پیشانی کے برابر رکھا جائے، اور چہرے کی طرح ہاتھ بھی قبلہ رو رہیں۔

نافع: حضرت ابن عمرؓ کے غلام ہیں۔

وضع جبھتہ: یعنی جو شخص پیشانی رکھنے کا ارادہ کرے۔

فلیضع کفیہ: یعنی ہاتھوں کو چہرے کے محاذات میں رکھے، یہی حنفیہ کے نزدیک مختار ہے، شوافع کے نزدیک افضل یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں کے محاذات میں رکھے جائیں۔ (مرقات: ۲/۳۲۷)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب التشهد

رقم الحدیث:...... ۸۴۶ تا ۸۵۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿باب التشہد﴾

تشہد کا بیان

تشہد کے معنی: تشہد کے معنی ہیں شہادت (گواہی) دینا، شاہد یعنی گواہ ہونا، اس علم کا اظہار کرنا جو دل میں ہے، اور شہادت سچی خبر دینے کو کہتے ہیں کہ جس میں دل زبان کے ساتھ ہو۔

اصطلاح شرع میں "تشہد" اشہد ان لا الہ الخ کو بھی کہتے ہیں، اور ذکر کو بھی تشہد کہتے ہیں جو نماز کے قعدہ میں پڑھا جاتا ہے یعنی التحیات، اور التحیات کو تشہد اسی اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ اس میں شہادتین کا کلمہ بھی ہوتا ہے، واضح رہے کہ تشہد کا اطلاق خود قعدہ پر ہوتا ہے اور قعدہ التحیات کو بھی کہتے ہیں۔

اس باب کے تحت جو حدیثیں ہیں ان میں نمازی کے تشہد میں بیٹھنے کا طریقہ، ہاتھوں کو رانوں پر رکھنے کا طریقہ مذکور ہے نیز تشہد کے کلمات اور سبابہ انگلی سے اشارہ کرنے اور سبابہ پر نگاہ رکھنے اور اسی طرح کی دیگر چند باتیں بھی مذکور ہیں، احادیث میں تشہد کے کلمات مختلف ہیں اس بات پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ جو کلمات بھی پڑھ لئے جائیں جائز ہے، البتہ احناف کے نزدیک عبداللہ ابن مسعودؓ کا تشہد افضل ہے احادیث باب کے تحت افضلیت کی وجوہات مذکور ہیں دیکھ لی جائیں، تشہد میں "اشہدان لا الہ" کہنے کے وقت اشارہ بالسبابہ مسنون ہے۔

تشہد میں بیٹھنے کی کیفیت

نمازی اپنا بایاں پیر بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور دایاں پیر کھڑا رکھے، اور دونوں پیروں کی انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ رکھے، اپنے دونوں ہاتھوں کو ران پر رکھے، اور انگلیاں بچھادے، یعنی جس حال پر ہے اسی حال پر چھوڑ کر ران پر رکھے نہ تو انگلیاں کو باہم ملائے اور نہ دونوں پیر دائیں طرف نکال دے، قعدہ اولیٰ میں صرف تشہد پڑھا جائے جب کہ قعدہ اخیرہ میں تشہد، درود شریف اور دعاء پڑھی جائے، تشہد کا پڑھنا واجب ہے فرض نہیں ہے، مزید تفصیلات احادیث باب کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

﴿الفصل الاول﴾

تشہد میں بیٹھنے کا بیان

﴿۸۴۶﴾ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَعَدَ فِيْ التَّشَهُّدِ وَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُسْرٰى وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُمْنٰى وَعَقَدَ ثَلَاثَةً وَّخَمْسِيْنَ وَاَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ كَانَ إِذَا جَلَسَ فِيْ الصَّلَاةِ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَرَفَعَ إِصْبَعَهُ الْيُمْنٰى الَّتِيْ تَلِيْ الْإِبْهَامَ يَدْعُوْبِهَا وَيَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ بَاسِطَهَا عَلَيْهَا۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۲۱۶، باب صفۃ الجلوس، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ۵۸۰۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تشہد میں بیٹھتے تو اپنا بایاں ہاتھ اپنے بائیں گھٹنے پر رکھتے اور اپنا داہنا ہاتھ اپنے داہنے گھٹنے پر رکھتے تھے، اور داہنے ہاتھ کو ترپن کی عدد کی طرح بند کرتے اور سبابہ سے اشارہ کرتے اور ایک روایت میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بیٹھتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھتے، اور اپنے ہاتھ کی اس انگلی کو جو انگوٹھے کے قریب ہے اٹھاتے اور اس کے ساتھ دعا مانگتے اور بایاں ہاتھ اپنی رانوں پر کھلا ہوا رکھتے۔

تشریح: اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ التحیات پڑھتے وقت سبابہ کے ذریعہ اشارہ کرنا سنت ہے، سبابہ سے اشارہ کرنے کی کئی صورتیں احادیث سے ثابت ہیں، حدیث باب سے جو صورت سمجھ میں آتی ہے، وہ یہ ہے کہ خنصر بنصر اور وسطیٰ تینوں کو بند رکھا جائے، سبابہ کو دراز کیا جائے اور ابہام کو سبابہ کی جڑ سے ملایا جائے، اسی صورت کو شوافع راجح مان کر عمل کرتے ہیں، آگے ایک حدیث آرہی ہے، اس سے سبابہ سے اشارہ کرنے کا یہ طریقہ مذکورہ ہے کہ خنصر اور بنصر کو بند رکھا جائے اور وسطیٰ وابہام کا حلقہ بنایا جائے، اور سبابہ کو دراز کیا جائے، حنفیہ کے نزدیک یہی صورت راجح ہے لہٰذا احناف اسی پر عمل کرتے ہیں۔

وعقد ثلاثۃ وخمسین واشار بالمسبابۃ: تشہد میں بیٹھنے کے بعد التحیات پڑھتے ہوئے جب مصلی "لاالہ" پر پہنچے گا تو سبابہ انگلی یعنی انگوٹھے کے بغل والی انگلی اٹھا کر اشارہ کرے گا یہ اشارہ کرنا سنت مستمرہ سے ثابت ہے، حدیث باب سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر عمل درآمد تھا۔

انگشت شہادت کو سبابہ کہنے کی وجہ

سوال : انگوٹھے کے بغل والی انگلی کو سبابہ کیوں کہتے ہیں؟

جواب: حافظ ابن حجرؒ نے یہ بات لکھی ہے کہ مخالف سے جھگڑا کرتے وقت گالی دیکر اسی انگلی سے دشمن کی جانب اشارہ کیا جاتا ہے اس وجہ سے اس کا نام ''سبابہ'' پڑ گیا اس کا نام ''**مسبحہ**'' بھی ہے کیوں کہ اس کے ذریعہ توحیداور اللہ تعالیٰ کی پاکی کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اور اللہ کی پاکی بیان کرنا تسبیح ہے لہٰذا اس انگلی کو ''**مسبحہ**'' بھی کہا جاتا ہے، اورالتحیات میں کلمہ شہادت پر اس انگلی کو اٹھا کر اشارہ کیا جاتا ہے اس لئے اس کو انگشت شہادت بھی کہا جاتا ہے۔

اشارہ بالسبابہ کا طریقہ

سوال: شہادت کی انگلی التحیات پڑھتے وقت کس کلمہ پر اٹھائی جائے، تاکہ توحید کے بارے میں قول، فعل کے مطابق ہو جائے، ہمارے نزدیک "**لا الہ**" کہتے وقت انگلی اٹھائی جائے گی اور "**الا اللہ**" پر رکھی جائے گی وجہ یہ ہے کہ نفی کے مناسب 'رفع' یعنی اٹھانا ہے، اور اثبات کے مناسب رکھنا ہے اور اس صورت میں قول وعمل کے درمیان حقیقی مناسبت ہے۔

ضروری وضاحت: فتح القدیر میں یہ بات لکھی ہے کہ ائمہ مذاہب سے "**الا اللہ**" پر وضع مذکور نہیں ہے، البتہ شمس الائمہ حلوانی نے یہ بات نقل کی ہے بعد میں پھر دوسرے لوگوں نے بھی اس قول کو اختیار کیا ہے روایت سے تو بقائے اشارہ کی تائید ہوتی ہے، مثلاً نسائی شریف کی روایت ہے " **ثم رفع اصبعه فرأيته يحرکها يدعو بها**"

نیز ابوداؤد کی روایت میں ہے "کان یشیر باصبعه واتبعها بصره" اس کے علاوہ ائمہ مذاہب کے درمیان یہ اختلاف موجود ہے کہ اشارہ کرنے میں شہادت کی انگلی کو حرکت دیتے رہیں گے یا نہیں، حنفیہ حرکت دینے کے قائل نہیں ہیں، مالکیہ کے نزدیک تحریک افضل ہے تو یہ تحریک وعدم تحریک کا اختلاف اسی وقت تو ہوگا جب بقائے اشارہ کے قول کو اختیار کیا جائے، مزید برآں اسی روایت میں آگے الفاظ ہیں "یدعوبھا" اشارہ کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعاء مانگتے تھے اگر دعاء کے عرفی معنی لئے جائیں تو تشہد میں دعاء ماثورہ درودشریف کے بعد مانگی جاتی ہے، "اللھم انی ظلمت نفسی الخ" کے الفاظ کے ذریعہ سے ایسی صورت میں حاصل یہ نکلے گا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دعاء کے وقت تک اشارہ کو باقی رکھتے تھے۔

انگلی اٹھانے کی مقدار

سوال: اشارہ کرنے میں انگلی کتنی مقدار اٹھائی جائے گی؟

جواب: اتنی انگلی اٹھائی جائے گی کہ آسمان کی طرف اشارہ ہونے کے ساتھ قبلہ کی طرف بھی رخ رہے بالکل اس طور پر سیدھی نہ کی جائے کہ رخ آسمان ہی کی طرف ہو جائے قبلہ کی طرف مائل ہی نہ رہے، نسائی میں (صفحہ نمبر: ۱/۱۷۳) پر روایت کے الفاظ یوں ہیں، "اشار باصبعه التی تلی الابھام فی القبله" معلوم ہوا کہ اشارہ قبلہ کی جانب ہونا چاہئے۔

ترپن کا عقد

سوال: حدیث میں ہے کہ اشارہ کرتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ترپن کا عقد بناتے تھے، ترپن کا عقد کس طرح بنایا جائے گا۔

جواب: اصل بات یہ ہے کہ انگلیوں کو ایک خاص انداز پر کھولنے بند کرنے سے گنتی متعین

ہوتی ہے، اس کے لئے اصول مقرر ہیں، کہ کس انگلی کو کس انداز پر کھولنے بند کرنے سے کون سا عدد بنتا ہے، اس کے لئے "عقدانا مل" کے عنوان سے مستقل کتابیں ہیں، اس میں اس کے اصول لکھے ہوئے ہیں، جہاں تک ترپن کے عدد کا معاملہ ہے تو وہ اس طور پر بنتا ہے کہ "خنصر، بنصر، وسطی" یعنی سب سے چھوٹی انگلی اس کے بعد والی اور پھر اس کے بعد والی یعنی درمیانی انگلی یہ تینوں انگلیاں بند کر لی جائیں، چوتھی یعنی شہادت کی انگلی کھلی رکھی جائے اور انگوٹھے کے سرے کو شہادت کی انگلی کی جڑ میں رکھا جائے اس صورت میں ترپن کا عقد بن جاتا ہے۔

حلقہ بنانے میں حنفیہ کا طریقہ اور ان کا مستدل

اشکال: حدیث باب میں جس انداز سے انگلیاں بند کر کے شہادت کی انگلی اٹھانے کا ذکر ہے احناف تو اس طور پر عمل نہیں کرتے وہ ایسے کیوں کرتے ہیں اور جس طرح وہ انگلیاں بند کر کے شہادت کی انگلی بند کرتے ہیں اس کو کیا کہتے ہیں۔

جواب: جی ہاں حدیث باب میں جس طرح وہ انگلیاں کھولنے بند کرنے کا بیان ہے احناف اس سے کچھ مختلف طور پر عمل کرتے ہیں اور احناف کا عمل بھی حدیث سے ثابت ہے، آگے فصل ثانی میں جو پہلی حدیث ہے، اس میں جو طریقہ بیان کیا ہوا ہے احناف اسی طریقہ پر عمل کرتے ہیں اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ چھوٹی انگلی اور اس کے بعد کی انگلی بند کی جائے شہادت کی انگلی کھلی رکھی جائے گی اور انگوٹھے کے سرے کو درمیان کی انگلی کے سرے پر اس طور پر رکھا جائے گا کہ ان دونوں انگلیاں کا حلقہ بن جائے گا اس طرح انگلیاں کھولنے بند کرنے سے زاویہ بنتا ہے وہ زاویہ "نوے" کا عدد بتا رہا ہے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ حدیث باب میں جو طریقہ بیان ہوا وہ بھی درست

ہے اور اس کے مطابق شوافع عمل کرتے ہیں اور آگے فصل ثانی میں جو طریقہ مذکور ہے وہ بھی صحیح ہے اس کے مطابق احناف عمل کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اوقات میں مختلف طرح عمل کیا ہے۔

شہادت کی انگلی اٹھانے کا طریقہ

﴿۸۴۷﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَعَدَ يَدْعُوْ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى وَيَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى وَاَشَارَ بِاِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ وَوَضَعَ اِبْهَامَهُ عَلٰى اِصْبَعِهِ الْوُسْطٰى وَيُلْقِمُ كَفَّهُ الْيُسْرٰى رُكْبَتَهُ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم ص ۲۱۶ ج ۱، باب صفة الجلوس، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ۵۷۹۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قعدہ میں دعا مانگنے (یعنی التحیات وغیرہ پڑھنے) کے لئے جب بیٹھتے تو اپنے داہنے ہاتھ کو اپنی داہنی ران پر رکھتے، اور اپنے بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھتے اور اپنی سبابہ انگلی سے اشارہ کرتے اور اپنے انگوٹھے کو اپنی درمیانی انگلی پر رکھتے تھے، اور کبھی کبھی اپنے بائیں ہاتھ سے اپنا بایاں گھٹنا پکڑ لیتے تھے۔

تشریح: اس حدیث میں بھی کلمہ شہادت کے وقت انگلی اٹھانے کا وہی طریقہ مذکور ہے جو سابقہ حدیث میں تفصیل سے ذکر گذر چکا ہے۔

اذا قعد یدعو : التحیات وغیرہ قعدہ میں پڑھتے تھے، اسی کو دعا کہا ہے، علامہ طیبیؒ لکھتے ہیں اس کو دعاء اس وجہ سے کہا کہ یہ دعائیہ کلمہ پر مشتمل ہے، اس وجہ سے کہ التحیات میں "السلام علیک ایھا النبی ورحمة اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین" کلمات ہیں جو کہ درحقیقت دعاء ہی ہیں۔

وضع ابھامہ علی اصبعہ الوسطی : اپنے انگوٹھے کو اپنی بیچ کی انگلی پر رکھتے، ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ جب تشہد کے لئے بیٹھتے اسی وقت انگوٹھے اور درمیانی انگلی کا حلقہ بنا لیتے تھے ہم کہتے ہیں کہ قابل اعتماد بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے وقت انگوٹھے اور درمیانی انگلی کا حلقہ بناتے تھے۔ (مرقات ص:۳۲۹ ج ۲)

ویلقم: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی بائیں ہاتھ سے بایاں گھٹنا پکڑتے تھے، اصل سنت تو یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ہتھیلیاں ران پر رکھتے تھے۔

قعدہ میں التحیات پڑھنے کا ذکر

﴿۸۴۸﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كُنَّا اِذَا صَلَّيْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَا السَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ قَبْلَ عِبَادِهِ السَّلَامُ عَلٰى جِبْرَئِيْلَ السَّلَامُ عَلٰى مِيْكَائِيْلَ السَّلَامُ عَلٰى فُلَانٍ فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ قَالَ لَا تَقُوْلُوْا السَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ فَاِذَا جَلَسَ اَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَقُلِ التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ فَاِنَّهُ اِذَا قَالَ ذٰلِكَ اَصَابَ كُلَّ عَبْدٍ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ ثُمَّ لِيَتَخَيَّرْ مِنَ الدُّعَاءِ اَعْجَبَهُ اِلَيْهِ فَيَدْعُوْهُ۔ (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف: ۲/۹۲۰، باب السلام اسم من اسماء اللہ تعالی، کتاب الاستئذان، حدیث نمبر: ۶۲۳۰۔ مسلم شریف: ۱/۱۷۳، باب التشھد فی الصلاۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۴۰۲۰۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو ہم (قعدہ میں) یہ پڑھتے تھے "السلام علی اللہ قبل عبادہ، السلام علی جبرئیل السلام علی میکائیل، السلام علی فلان" اللہ تعالیٰ پر سلام ہو اس کے بندوں پر سلام سے پہلے، جبرئیل پر سلام ہو، میکائیل پر سلام ہو اور فلاں پر سلام ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک مرتبہ) جب نماز سے فارغ ہوئے، تو ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا "اللہ پر سلام ہو، مت کہو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ تو خود ہی سلام ہیں، چنانچہ تم میں سے جب کوئی شخص نماز میں بیٹھے تو یہ کہے "التحیات للہ الخ" تمام قولی عبادتیں اور تمام بدنی عبادتیں اور تمام مالی عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوں اور ہم پر بھی اور تمام اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو کیونکہ جو شخص یہ کلمات کہتا ہے تو اس کی برکت زمین و آسمان میں ہر نیک شخص کو پہنچتی ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور گواہی دیتا ہوں میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں" پھر فرمایا کہ اس کے بعد بندہ کو جو دعاء اچھی لگے اس کو

اختیار کرلے اور اللہ سے مانگے۔

تشریح: جلس احدکم فلیقل: اس سے معلوم ہوا کہ تشہد کا پڑھنا واجب ہے، "التحیات" سے مراد عبادات قولیہ ہیں "الصلوات" سے مراد عبادات بدنیہ ہیں، اور "الطیبات" سے مراد عبادات مالیہ ہیں، **السلام علیک**: ایک مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ سلام اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور یہاں مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کا نام ہو اور زہری کہتے ہیں کہ سلام تسلیم کے معنی میں ہے، جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجا وہ تمام آفات سے محفوظ ہو گیا۔

عبد صالح سے مراد

عبد صالح: صالح وہ کہلائے گا جو اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق کما حقہ ادا کرنے والا ہو ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہر ایک مسلمان ہے۔

تحفۂ معراج

ابن ملکؒ نے روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں تشریف لے گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی تعریف ان کلمات سے کی (**التحیات للہ والصلوات والطیبات**) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "**السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ**" آپ نے فرمایا "**علینا وعلی عباد اللہ الصالحین**" جبرئیل علیہ السلام نے کہا "**اشھد ان لاالہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ**" اس سے یہ بات بھی ظاہر ہو گئی کہ "**السلام علیک**" خطاب کے صیغہ کے ساتھ وہ درحقیقت مسلمانوں کی معراج یعنی نماز کے اخیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کا بطور حکایت ذکر ہے۔ (**تلخیص مرقات: ۳۳۰۔۳۳۱/۲**)

السلام علیک کی وجہ

سوال: السلام علیک ایھا النبی: میں کلام کا سیاق وسباق تو اس بات کا تقاضہ کر رہا ہے کہ یہاں حاضر کا صیغہ نہ ہو بلکہ غائب کا صیغہ ہو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سامنے موجود بھی نہیں تو خطاب سے سلام کیوں بھیجا جاتا ہے۔

جواب: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس لفظ کے ذریعہ صحابہ کو تعلیم دیتے تھے ہم اس کے مکلف ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں یہی الفاظ وارد ہوئے ہیں لہذا ہم اسی کے مکلف ہیں۔

تشہد کے بارے میں اختلاف ائمہ

اصل میں تشہد کے الفاظ مختلف وارد ہوئے ہیں، لہذا کون سا تشہد پڑھا جائے اس میں ائمہ کا اختلاف ہے لیکن یہ اختلاف صرف اولیت میں ہے، جواز وعدم جواز میں نہیں ہے، لہذا جون سا تشہد پڑھ لیا جائے کافی ہوگا اب ہم تشہد کے کلمات نقل کرتے ہیں۔

(۱)......حضرت عمرؓ سے ایک تشہد یوں مروی ہے '' **التحیات للہ الزاکیات الطیبات الصلوات للہ الخ**'' (مؤطا امام مالک) امام مالکؒ اسی تشہد عمرؓ کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کو افضل بتاتے ہیں یہ تشہد عمرؓ دوسرے کلمات سے بھی منقول ہے، مثلا یہ کلمات بھی منقول ہیں "**التحیات للہ والصلوات للہ السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ**"۔

(۲)......حضرت ابن عباسؓ سے ایک تشہد یوں منقول ہے "**التحیات المبارکات الخ**" جو اگلی حدیث میں مذکور ہے اس تشہد کو امام شافعیؒ افضل قرار دیتے ہیں۔

(۳)......حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ایک تشہد منقول ہے یہ وہی تشہد ہے جو حدیث باب میں موجود ہے اور اس کو ہم لوگ نمازوں میں پڑھتے ہیں اس تشہد کو امام ابو حنیفہؒ اور ایک روایت کے مطابق امام محمدؒ افضل قرار دیتے ہیں۔

تشہد ابن مسعودؓ کی وجوہ ترجیح: حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے تشہد کی وجوہ ترجیح کثیر ہیں ہم چند نقل کرتے ہیں۔

(۱)......حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے تشہد کو نقل کرنے والے رواۃ ایک طرح کے الفاظ پر متفق ہیں، جب کہ دیگر صحابہؓ کے تشہد کو نقل کرنے والے رواۃ الفاظ کے اختلاف کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔

(۲)......حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تشہد میں امر کا صیغہ ہے۔

(۳)......حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ والے تشہد کو سکھانے کے لئے حضرت عبداللہ کو متعین کیا تھا جب کہ دیگر تشہدوں کو یہ فضیلت حاصل نہیں ہے۔

(۴)...... یہ تشہد وہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کے موقعہ پر عطا ہوا جس کی تفصیل گذشتہ سطور میں گزر چکی ہے۔

نیز حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ''مسلسل بأخذ الید'' ہے جس سے کثرت اہتمام کا اندازہ ہوتا ہے چنانچہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حمادؒ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے تشہد سکھایا، حمادؒ فرماتے ہیں کہ ابراہیمؒ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے تشہد کی تعلیم دی، ابراہیم کہتے ہیں کہ حضرت علقمہؒ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے سکھایا، علقمہؒ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے تشہد کی تعلیم دی، حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے تشہد کی تعلیم دی۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا تشہد سکھانا

﴿۸۴۹﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّم يُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْآنِ فَكَانَ يَقُوْلُ التَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلٰوَاتُ الطَّيِّبَاتُ لِلّٰهِ السَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَلَمْ اَجِدْ فِي الصَّحِيْحَيْنِ وَلَا فِي الْجَمْعِ بَيْنَ الصَّحِيْحَيْنِ سَلَامٌ عَلَيْكَ وَسَلَامٌ عَلَيْنَا بِغَيْرِ اَلِفٍ وَلَامٍ وَلٰكِنْ رَوَاهُ صَاحِبُ الْجَامِعِ عَنِ التِّرْمِذِيِّ۔

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۱۷۴، باب التشهد في الصلاة، كتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۴۰۳۔ ترمذی شریف: ۱/۲۵، باب ما جاء في التشهد، كتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۲۹۰۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس طرح تشہد سکھاتے تھے، جیسے قرآن کریم کی سورت سکھاتے تھے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے "التحیات للہ الخ" تمام بابرکت قولی وجانی ومالی عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں، آپ پر سلام ہو اے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اللہ کی رحمت وبرکت ہو، سلام ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں ہے، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ

کے رسول ہیں (مسلم) صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ میں صحیحین میں اور جمع بین الصحیحین میں "سلام علیک" اور "سلام علینا" بغیر الف لام کے نہیں پایا لیکن اس کو ترمذی سے صاحب جامع الاصول نے نقل کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں وہ تشہد مذکور ہے جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے حنفیہ عبداللہ بن مسعودؓ کے تشہد کو افضل قرار دے کر اسی کو اختیار کرتے ہیں عبداللہ بن مسعودؓ کے تشہد کی وجوہ ترجیح سابقہ احادیث میں گذر چکی ہیں۔

یعلمنا التشهد: حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے تشہد میں یہ بات ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں قرآن کی سورت کی طرح سکھاتے تھے۔

مسلسل باخذ الید: ان وجوہات ترجیح میں سے ایک وجہ ترجیح ہے جن سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے روایت کردہ تشہد کی فوقیت معلوم ہوتی ہے۔

مصافحہ بالیدین

اس حدیث سے مصافحہ بالیدین دو ہاتھ سے مصافحہ کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

ولم اجد: مؤلف مشکوٰۃ نے اس عبارت سے صاحب مصابیح پر اشکال کیا ہے کہ انہوں نے "سلام علیک" اور "سلام علینا" بغیر الف لام کے نقل کیا ہے اور یہ بخاری و مسلم کسی میں بھی نہیں ہے، لہٰذا اس روایت کو فصل اول میں ذکر کرنا مناسب نہیں ہے۔

﴿الفصل الثاني﴾

اشارہ کے وقت انگلی کو حرکت دینا

﴿۸۵۰﴾ وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثُمَّ جَلَسَ فَافْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرىٰ وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرىٰ عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرىٰ وَحَدَّ مِرْفَقَهُ الْيُمْنىٰ عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى وَقَبَضَ ثِنْتَيْنِ وَحَلَّقَ حَلْقَةً ثُمَّ رَفَعَ اِصْبَعَهُ فَرَأَيْتُهُ يُحَرِّكُهَا يَدْعُوْبِهَا۔ (رواه أبوداؤد والدرمی)

حواله: أبوداؤد شريف:۱۳۸/۱، باب كيف الجلوس فی التشهد، كتاب الصلاة، حدیث نمبر:۹۵۷۔ درامی: ۲۶۲/۱، باب صفة الصلاة علی رسول الله صلی الله علیه وسلم، كتاب الصلاة، حدیث نمبر:۱۳۵۷۔

ترجمه: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھتے تو اپنا بایاں پیر بچھا لیتے اور اپنے بائیں ہاتھ کو اپنی بائیں ران پر رکھتے اور اپنی داہنی کہنی داہنی ران پر الگ رکھتے اور دونوں انگلیاں بند کر لیتے اور ایک حلقہ بنا لیتے پھر اپنی انگلی اٹھاتے، میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انگلی کو حرکت دے رہے ہیں، اور اشارہ فرما رہے ہیں۔

تشریح: فرأيته يحركها: اس حدیث سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ کے وقت انگلی کو دائیں بائیں حرکت دیتے تھے، یہی مالکیہ کا

مذہب بھی ہے، جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اشارہ کے وقت انگلی کو حرکت نہیں دی جائے گی اس کی تائید اگلی حدیث سے ہورہی ہے "كان النبى صلى الله عليه وسلم يشير باصبعه اذا دعا ولا يحركها" معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ کے وقت انگلی کو حرکت نہیں دیتے تھے، دونوں حدیثوں میں جمع کی صورت یہ ہے کہ تحریک سے مراد عین اشارہ ہی ہے، کیونکہ بغیر تحریک کے اشارہ ہوگا ہی نہیں، اشارہ کے لئے انگلی اٹھانے اور رکھنے کو تحریک کہا گیا ہے تو جس نے حرکت دینا نقل کیا ہے اس کی مراد یہی اشارہ کے لئے انگلی اٹھانا اور رکھنا ہے اور جس نے حرکت کی نفی کی ہے اس کی مراد اشارہ کرتے وقت انگلی کو دائیں بائیں حرکت دینے کی نفی ہے۔ (واللہ اعلم)

اشارہ کے وقت انگلی کو حرکت نہ دینا

﴿٨٥١﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُشِيْرُ بِإِصْبَعِهِ إِذَا دَعَا وَلَا يُحَرِّكُهَا۔ (رواه أبوداؤد والنسائى وزاد أبوداؤد ولا يجاوز بصره اشارته)

حواله: أبوداؤد شريف: ١/١٤١، باب الاشاره فى التشهد، كتاب الصلاة، حدیث نمبر: ٩٩٠۔ نسائى: ١/١٤٢، باب بسط اليسرىٰ على الركبة، كتاب السهو، حدیث نمبر: ١٢٦٩۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعاء کرتے تو انگلی سے اشارہ کرتے، لیکن انگلی کو ہلاتے نہیں

تھے، (ابوداؤد، نسائی) ابوداؤد نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اشارہ سے تجاوز نہ کرتی تھی۔

تشریح: ولایجاوز بصرہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ شہادت کی انگلی پر مرکوز رہتی تھی تا کہ توحید کا مضمون ذہن میں پورے طور پر مستحضر رہے، بعض لوگ اشارہ کے وقت آسمان کی طرف دیکھتے ہیں وہ درست نہیں ہے، حدیث پاک میں صراحت ہے کہ اشارہ کے وقت انگلی کو حرکت نہیں دی جائے گی۔ یہی جمہور کا مذہب ہے۔

اشارہ ایک انگلی سے کیا جائے

﴿۸۵۲﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ اِنَّ رَجُلًا کَانَ یَدْعُوْ بِاِصْبَعَیْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَحِّدْ اَحِّدْ۔ (رواه الترمذی النسائی والبیهقی فی الدعوات الکبیر)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۱۹۶، باب کتاب الدعوات، حدیث نمبر: ۳۵۵۷۔ نسائی شریف: ۱/۱۴۲، باب النهی عن الاشارة باصبعین، کتاب السهو، حدیث نمبر: ۱۲۷۱۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب تشہد میں اپنی دو انگلیوں سے اشارہ کرتے تھے، آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک انگلی سے اشارہ کرو، ایک انگلی سے اشارہ کرو۔ (ترمذی، نسائی) بیہقی نے دعوات کبیر میں یہ روایت نقل کی ہے۔

تشــریــح: التحیات میں کلمہ شہادت کے تلفظ کے وقت جب اشارہ کیا جائے تو صرف ایک انگلی "مسبحــہ" سے اشارہ کیا جائے دوانگلیوں سے اشارہ نہ کیا جائے ایک صاحب نے دوانگلیوں سے اشارہ کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔

ان رجــلا: سعد بن ابی وقاص مراد ہیں، نسائی وابوداؤد کی ایک روایت میں ان کے نام کی صراحت ہے۔

اَحِدْ: ایک انگلی سے اشارہ کرو، وجہ یہ بھی ہے کہ یہ اشارہ اللہ کی وحدانیت کی طرف ہے، تو اس کو ایک انگلی سے ہی ہونا چاہئے دونوں انگلیوں سے اشارہ کرنے میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف اشارہ نہیں ہو پائے گا، اللہ کی ذات کے اعتبار سے بھی اللہ کا کوئی ثانی نہیں ہے صفات کے اعتبار سے بھی اللہ کا کوئی ثانی نہیں ہے، شاید اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "اَحِدْ اَحِدْ" مکرر فرمایا ہے وہ اپنی ذات میں بھی اکیلا ہے اور صفات میں بھی اکیلا ہے۔

قعدہ میں ہاتھ ٹیک کر بیٹھنا منع ہے

﴿۸۵۳﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یَجْلِسَ الرَّجُلُ فِی الصَّلٰوۃِ وَھُوَ مُعْتَمِدٌ عَلٰی یَدِہٖ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤدَ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَہٗ نَھٰی اَنْ یَعْتَمِدَ الرَّجُلُ عَلٰی یَدَیْہِ اِذَا نَھَضَ فِی الصَّلٰوۃِ)

حــوالــه: مسنـد احـمـد: ۲/۱۴۷، أبوداؤد: ۱/۱۴۲ باب کراھیة الاعتماد علی الید، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۹۹۲۔

تــرجــمــه: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں اپنے ہاتھ پر ٹیک لگا کر بیٹھنے سے آدمی کو منع کیا ہے۔اور ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں ہاتھ ٹیک کر اٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

تشریح: وھو معتمد علیہ: مطلب یہ ہے کہ قعدہ میں بیٹھتے وقت ہاتھ زمین پر ٹیک کر نہ بیٹھنا چاہئے۔

اذا نھض فی الصلاۃ: قعدہ سے اٹھتے وقت زمین پر ہاتھ ٹیکنے کی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے، کھڑے ہونے میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہونا چاہئے، امام صاحب کا یہی مذہب ہے اور دلیل حدیث باب ہے اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک حدیث ہے'' کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینھض فی الصلاۃ علی صدور قدمیہ'' امام شافعیؒ کے نزدیک قعدہ سے کھڑے ہوتے وقت زمین پر ہاتھ ٹیکے جائیں گے ان کی دلیل یہ حدیث ہے''روی مالک بن حویرث ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعتمد علی یدیہ علی الارض'' حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث یا تو بیان جواز پر محمول ہے، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بوڑھاپے کی حالت پر محمول ہے، دونوں روایتوں میں ایک کو چھوڑنا اور دوسری پر عمل کرنے سے بہتر یہ ہے کہ ایک میں تاویل کر لی جائے تاکہ دونوں پر عمل ہوجائے۔ (تلخیص مرقات: ۲/۳۳۵)

قعدہ اولیٰ میں بیٹھنا

﴿۸۵۴﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُوْلَيَيْنِ

كَأَنَّهُ عَلَى الرَّضْفِ حَتّٰى يَقُوْمَ۔ (رواه الترمذى وأبوداؤد والنسائى)

حواله: أبوداؤد:۱۴۳/۱، باب فى تخفيف القعود، كتاب الصلاة، حدیث نمبر:۹۹۵۔ترمذی شریف:۸۵/۱، باب ماجاء فى مقدار القعود، كتاب الصلاة، حدیث نمبر:۳۶۶۔نسائی ۱۲۳/۲، باب التخفيف فى التشهد الاول، حدیث نمبر:۱۱۷۵۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھیں پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے جلدی سے اٹھ کھڑے ہوئے جیسے گرم پتھر پر بیٹھے ہوئے ہوں۔

تشریح: فى الركعتين الاوليين: حدیث کے اس جزء کے دو مطلب محدثین ذکر کرتے ہیں۔

(۱)......آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قعدہ اولیٰ کو مختصر کرتے تھے اور ایسی جلدی تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہوجاتے جیسے گرم پتھر پر بیٹھتے ہیں حاصل یہ نکلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف التحیات پڑھ کر کھڑے ہوجاتے تھے، درود و دعاء قعدہ میں نہیں پڑھتے تھے۔

(۲)......دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہاں "رکعتین اولیین" سے مراد پہلی اور تیسری رکعت ہے اس صورت میں حاصل یہ نکلے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے، یا تیسری رکعت کے بعد چوتھی کے لئے کھڑے ہوتے، تو ایسی جلدی کھڑے ہوجاتے جیسے گرم پتھر پر ہیں اس مطلب سے جلسہ استراحت کی نفی ہوجائے گی کیونکہ دوسرے سجدے کے بعد پہلی اور تیسری رکعت ہی میں جلسہ استراحت کے بعض حضرات قائل ہیں۔

﴿الفصل الثالث﴾

ایک اور "التحیات"

﴿۸۵۵﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُعَلِّمُنَا التَّشَھُّدَ کَمَا یُعَلِّمُنَا السُّوْرَۃَ مِنَ الْقُرْآنِ بِسْمِ اللّٰہِ وَبِاللّٰہِ اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ اَلصَّلَوَاتُ الطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ اَشْھَدُ اَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَسْأَلُ اللّٰہَ الْجَنَّۃَ وَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ النَّارِ۔ (رواہ النسائی)

حوالہ: نسائی: ۱۳۲/۱، باب نوع آخر من التشھد، کتاب التطبیق، حدیث نمبر: ۱۱۷۵۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس طرح تشہد سکھاتے تھے جیسے قرآن کریم کی سورت سکھاتے تھے، (تشہد کے الفاظ یہ ہیں) "بسم اللہ وباللہ الخ" اللہ کے نام سے اور اللہ کی توفیق سے شروع کرتا ہوں، تمام قولی عبادتیں، جانی عبادتیں، مالی عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں، سب سلامتی ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اے اللہ کے نبی، اور اللہ کی رحمت ہو اور اللہ تعالیٰ کی برکت ہو، سلامتی ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اللہ سے جنت مانگتا ہوں

اور جہنم سے پناہ چاہتا ہوں۔

تشریح: تشہد کے الفاظ کچھ تفاوت کے ساتھ بہت طرق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں لیکن ان تمام میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا روایت کردہ تشہد کئی وجوہات سے راجح ہے، تفصیل گذشتہ احادیث میں گزر چکی ہے، امام ابوحنیفہؒ کے علاوہ بعض ائمہ نے تشہد ابن عباسؓ کو افضل قرار دیا ہے، حدیث باب کے تشہد کے الفاظ عبداللہ ابن عباسؓ کے تشہد کے بہت قریب ہیں بعض ائمہ نے حضرت عمر بن خطابؓ کے روایت کردہ تشہد کو افضل قرار دیا ہے۔

باسم اللہ و باللہ: ان الفاظ کے روایت کرنے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ منفرد ہیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تشہد میں واؤ کا اضافہ ہے اس تشہد اور اس کے علاوہ جو تشہد بھی ہیں ان میں واؤ نہیں ہے، واؤ کا اضافہ تجدید کلام کے لئے ہوتا ہے اس سے تشہد کے ہر کلمہ کی عظمت مستقلاً علیحدہ طور پر ثابت ہو رہی ہے تو عبداللہ بن مسعودؓ کے تشہد کی عظمت دیگر تشہدات پر بایں طور بھی ثابت ہوئی۔

شہادت کی انگلی کا اشارہ شیطان پر سخت ہے

﴿۸۵۶﴾ وَعَنْ نَافِعٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تعالىٰ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ اِذَا جَلَسَ فِي الصَّلَاةِ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَاَشَارَ بِاِصْبَعِهِ وَاَتْبَعَهَا بَصَرَهُ ثُمَّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهِيَ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنَ الْحَدِيْدِ يَعْنِي السَّبَّابَةَ۔ (رواه أحمد)

حواله: مسند أحمد: ۲/۱۱۹.

ترجمہ: حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب نماز کے لئے بیٹھتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھ لیتے اور اپنی انگلی سے اشارہ کرتے، اور اپنی نظر اسی انگلی پر رکھتے اور کہتے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ یعنی شہادت کی انگلی سے اشارہ شیطان پر لوہے سے زیادہ سخت ہے۔

تشریح: شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے اگر انسان کفر وشرک کی گمراہی میں پڑا ہوا ہے تو اس کو بے حد مسرت ہوتی ہے اور جب وہ دیکھتا ہے کہ بندہ نماز پڑھ رہا ہے اللہ کی وحدانیت کا اعتراف کر رہا ہے اور پھر انگلی کے اشارہ سے اللہ کے علاوہ تمام قوتوں کا انکار کر کے صرف اللہ کو رب تسلیم کر رہا ہے تو یہ بات شیطان کو سخت تکلیف میں مبتلا کر دیتی ہے اور یہ ایسی تکلیف ہے جو تیر وتلوار سے زیادہ سخت ہوتی ہے۔

معلوم ہوا کہ اس اشارہ میں جہاں ایک طرف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کر کے اللہ کی حمد بیان ہوتی ہے وہیں شیطان کی مذمت بھی ہوتی ہے۔

التحیات آہستہ پڑھنا

﴿۸۵۷﴾ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ كَانَ يَقُولُ مِنَ السُّنَّةِ اِخْفَاءُ التَّشَهُّدِ۔ (رواه أبو داؤد والترمذي وقال هذا حديث حسن غريب)

حوالہ: أبو داؤد شریف: ۱/۱۴۲، بـاب اخفاء التشهد، کتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۹۸۶۔ ترمذی شریف: ۱/۶۵، باب ماجاء انه يخفى التشهد، کتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۲۹۱۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ تشہد آہستہ آواز سے پڑھنا سنت ہے (ابوداؤد، ترمذی) ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: التحیات آہستہ سے پڑھنا سنت ہے محدثین نے یہ بات لکھی ہے کہ جب کوئی صحابی "السنة كذا" من السنة كذا" کہیں تو وہ حدیث حکم میں مرفوع کے ہوتی ہے۔

من السنة اخفاء التشهد: سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تشہد آہستہ آہستہ پڑھا جائے گا، لہٰذا یہ اجماعی مسئلہ ہے، اس پر تفصیلی کلام کی حاجت نہیں ہے ایک وضاحت ضروری ہے کہ اگر کسی نے بھولے سے جہراً تشہد پڑھا تو اس پر سجدہ لازم نہ ہوگا، اس وجہ سے کہ "مايخافت به" کے سہواً جہر سے پڑھنے سے سجدہ کا لازم ہونا قراءت قرآن کے ساتھ خاص ہے دوسرے اذکار وادعیہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب الصلاۃ علی النبی ﷺ وفضلها

رقم الحدیث:...... ۸۵۸ تا ۸۷۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿باب الصلاة على النبی ﷺ وفضلها﴾

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور اس کی فضیلت کا بیان

درود شریف کے فضائل

اس میں سب سے اہم اور سب سے مقدم تو خود حق تعالیٰ شانہ جل جلالہ عم نوالہ کا پاک ارشاد اور حکم ہے، چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (پارہ ۲۲، رکوع ۴)

بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں پیغمبر ﷺ پر، اے ایمان والو! تم بھی آنحضرت ﷺ پر رحمت بھیجا کرو، اور خوب سلام بھیجا کرو۔ (بیان القرآن)

فائدہ: حق تعالیٰ شانہ نے قرآن پاک میں بہت سے احکام ارشاد فرمائے، نماز، روزہ، حج وغیرہ اور بہت سے انبیاء کرام علیہ السلام کی توصیفیں اور تعریفیں بھی فرمائیں، ان کے بہت سے اعزاز و اکرام بھی فرمائے، حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدا فرمایا تو فرشتوں کو حکم فرمایا کہ ان کو سجدہ کیا جائے، لیکن کسی حکم یا کسی اعزاز و اکرام میں یہ نہیں فرمایا کہ

میں بھی یہ کام کرتا ہوں تم بھی کرو، یہ اعزاز صرف سید الکونین فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے ہے کہ اللہ جل شانہ نے صلوٰۃ کی نسبت اولاً اپنی طرف اس کے بعد اپنے پاک فرشتوں کی طرف کرنے کے بعد مسلمانوں کو حکم فرمایا کہ اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اے مومنو! تم بھی درود بھیجو، اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہوگی کہ اس عمل میں اللہ اور اس کے فرشتوں کے ساتھ مؤمنین کی شرکت ہے، پھر عربی داں حضرات جانتے ہیں کہ آیت شریفہ کو لفظ "اِنَّ" کے ساتھ فرمایا جو نہایت تاکید پر دلالت کرتا ہے اور صیغۂ مضارع کے ساتھ ذکر فرمایا جو استمرار اور دوام پر دلالت کرتا ہے، یعنی یہ قطعی چیز ہے کہ اللہ اور اس کے فرشتے ہمیشہ درود بھیجتے رہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر، علامہ سخاویؒ لکھتے ہیں کہ آیت شریفہ مضارع کے صیغہ کے ساتھ جو دلالت کرنے والا ہے استمرار اور دوام پر دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ اللہ اور اس کے فرشتے ہمیشہ درود بھیجتے رہتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر۔

درود کا مطلب

صاحب روح البیانؒ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے لکھا ہے کہ اللہ کے درود بھیجنے کا مطلب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام محمود تک پہونچانا ہے اور وہ مقام شفاعت ہے اور ملائکہ کے درود کا مطلب ان کی دعا کرنا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادتی مرتبہ کے لئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے استغفار اور مؤمنین کے درود کا مطلب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف جمیلہ کا تذکرہ اور تعریف۔

درود شریف کا اعزاز

یہ بھی لکھا ہے کہ یہ اعزاز و اکرام جو اللہ جل شانہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا

ہے اس اعزاز سے بہت بڑھا ہوا ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں سے سجدہ کرا کر عطا فرمایا تھا اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعزاز و اکرام میں اللہ جل شانہ خود بھی شریک ہیں، بخلاف حضرت آدم علیہ السلام کے اعزاز کے کہ وہاں صرف فرشتوں کو حکم فرمایا

عقل دور اندیش میداند کہ تشریفے چنیں

ہیچ دیں پرورندید ہیچ پیغمبر نیافت

یُصَلِّیْ عَلَیْهِ اللّٰهُ جَلَّ جَلَالُهٗ

بِهٰذَا بَدَا لِلْعَالَمِیْنَ کَمَالُهٗ

علماء نے لکھا ہے کہ آیت شریفہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی کے لفظ کے ساتھ تعبیر کیا محمد کے لفظ سے تعبیر نہیں کیا جیسا کہ اور انبیاء علیہم السلام کو ان کے اسماء کے ساتھ ذکر فرمایا ہے یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی غایت عظمت اور غایت شرافت کی وجہ سے ہے، اور ایک جگہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ آیا تو ان کو تو نام کے ساتھ ذکر کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی کے لفظ سے جیسا کہ "اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرَاهِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِیُّ" میں ہے اور جہاں کہیں نام لیا گیا ہے وہ خصوصی مصلحت کی وجہ سے لیا گیا ہے، علامہ سخاویؒ نے اس مضمون کو تفصیل سے لکھا ہے۔

اشکال مع جواب

فائدہ مہمہ: امیر مصطفےٰ ترکمانی حنفی کی کتاب میں لکھا ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ اللہ نے ہمیں درود کا حکم فرمایا ہے اور ہم یوں کہہ کر کہ **"اللھم صلی علی محمد"** خود اللہ جل شانہ سے الٹا سوال کریں کہ وہ درود بھیجے یعنی نماز میں ہم "اُصَلِّیْ

عَلٰی مُحَمَّدٍ" کی جگہ "اللھم صل علی محمد" پڑھیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک ذات میں کوئی عیب نہیں اور ہم سراپا عیوب ونقائص ہیں پس جس شخص میں بہت عیب ہوں وہ ایسے شخص کی کیا ثناء کرے جو پاک ہے اس لئے ہم اللہ ہی سے درخواست کرتے ہیں کہ وہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجے تاکہ رب طاہر کی طرف سے نبی طاہر پر صلوٰۃ ہو، ایسے ہی علامہ نیشاپوریؒ سے بھی نقل کیا ہے کہ ان کی کتاب لطائف وحکم میں لکھا ہے کہ آدمی کو نماز میں "**صلیت علی محمد**" نہ پڑھنا چاہئے، اس واسطے کہ بندہ کا مرتبہ اس سے قاصر ہے اس لئے اپنے رب ہی سے سوال کرے کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجے تو اس صورت میں رحمت بھیجنے والا تو حقیقت میں اللہ جل شانہ ہی ہے اور ہماری طرف اس کی نسبت مجازاً بحیثیت دعاء کے ہے۔

ابن ابی حجلہؒ نے بھی اسی قسم کی بات فرمائی ہے وہ کہتے ہیں کہ جب اللہ جل شانہ نے ہمیں درود کا حکم فرمایا اور ہمارا درود حق واجب تک نہیں پہنچ سکتا تھا اس لئے ہم نے اللہ جل شانہ ہی سے درخواست کی کہ وہی زیادہ واقف ہے اس بات سے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ کے موافق کیا چیز ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسا دوسری جگہ "**لا احصی ثناءً علیک انت کما اثنیت علی نفسک**" حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یا اللہ میں آپ کی تعریف کرنے سے قاصر ہوں، آپ ایسے ہی ہیں جیسا کہ آپ نے اپنی خود ثنا فرمائی ہے۔

علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں کہ جب یہ بات معلوم ہوگئی تو جس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمایا ہے اسی طرح تیرا درود ہونا چاہئے کہ اسی سے تیرا مرتبہ بلند ہوگا اور نہایت کثرت سے درود شریف پڑھنا چاہئے اور اس کا بہت اہتمام اور اس پر مداومت چاہئے، اس لئے کہ کثرت درود محبت کی علامات میں سے ہے "**فمن احب شیئا اکثر من ذکرہ**" (جس کو کسی سے محبت ہوتی ہے اس کا ذکر بہت کثرت سے کیا کرتا ہے) مختصراً۔

اہل سنت ہونے کی علامت

علامہ سخاویؒ نے امام زین العابدینؒ سے نقل کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود بھیجنا اہل سنت ہونے کی علامت ہے (یعنی سنی ہونے کی)۔

درود شریف کا مقصود

علامہ زرقانیؒ شرح مواہب میں نقل کرتے ہیں کہ مقصود درود شریف سے اللہ تعالیٰ شانہ کی بارگاہ میں اس کے امتثال حکم سے تقرب حاصل کرنا ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق جو ہم پر ہیں اس میں سے کچھ کی ادائیگی ہے۔

حافظ عز الدین بن عبد السلامؒ کہتے ہیں کہ ہمارا درود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سفارش نہیں ہے اس لئے کہ ہم جیسا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سفارش کیا کر سکتا ہے لیکن بات یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے ہمیں محسن کے احسان کا بدلہ دینے کا حکم دیا ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی محسن اعظم نہیں، ہم چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کے بدلہ سے عاجز تھے اللہ جل شانہ نے ہمارا عجز دیکھ کر ہم کو اس کی مکافات کا طریقہ بتایا کہ درود پڑھا جائے اور چونکہ ہم اس سے بھی عاجز تھے اس لئے ہم نے اللہ جل شانہ سے درخواست کی کہ تو اپنی شان کے موافق مکافات فرما۔

اللہ تعالیٰ کے درود کے بعد بندہ کے درود کی کیا ضرورت ہے

یہاں ایک اشکال پیش آتا ہے جس کو علامہ رازیؒ نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ جب اللہ جل شانہ اور اس کے ملائکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں تو پھر ہمارے درود کی کیا ضرورت رہی اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر درود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احتیاج کی وجہ سے نہیں اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے درود کے بعد

فرشتوں کے درود کی بھی ضرورت نہ رہتی بلکہ ہمارا درود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اظہار عظمت کے واسطے ہے جیسا کہ اللہ جل شانہ نے اپنے پاک ذکر کا بندوں کو حکم کیا، حالانکہ اللہ جل شانہ کو اس کے پاک ذکر کی بالکل ضرورت نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سلام کی نسبت نہ ہونے کی وجہ

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ مجھ سے بعض لوگوں نے یہ اشکال کیا کہ آیت شریفہ میں صلوٰۃ کی نسبت تو اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے سلام کی نہیں کی گئی، میں نے اس کی وجہ بتائی کہ شاید اس وجہ سے کہ سلام دو معنی میں مستعمل ہوتا ہے، ایک دعا میں دوسرے انقیاد واتباع میں، مؤمنین کے حق میں دونوں معنی صحیح ہوسکتے تھے اس لئے ان کو اس کا حکم کیا گیا ہے، اور اللہ اور فرشتون کے لحاظ سے تابعداری کے معنی صحیح نہیں ہوسکتے تھے اس لئے اس کی نسبت نہیں کی گئی۔ (فضائل درود شریف)

یَارَبِّ! صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِماً اَبَداً عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

﴿الفصل الاول﴾

درود ابراہیمی

﴿۸۵۸﴾ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَیْلٰی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی قَالَ لَقِیَنِیْ کَعْبُ بْنُ عُجْرَةَ فَقَالَ اَلَا اُهْدِیْ لَكَ هَدِیَّةً سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ بَلٰی فَاَهْدِهَا لِیْ فَقَالَ سَاَلْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کَیْفَ الصَّلَاةُ عَلَیْکُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ عَلَّمَنَا کَیْفَ نُسَلِّمُ عَلَیْكَ قَالَ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ

وَعَلٰی آلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ اِلَّا اَنَّ مُسْلِماً لَمْ یَذْکُرْ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ فِی الْمَوْضِعَیْنِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۴۷۷/ ۱، باب کتاب الانبیاء، حدیث نمبر: ۳۳۷۰۔ مسلم شریف: ۱۷۵/ ۱، باب الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد التشهد، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۴۰۶۔

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میری ملاقات حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی تو انہوں نے کہا میں تم کو ایک ایسا ہدیہ نہ دوں جس کو میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رکھا ہے؟ میں نے کہا کیوں نہیں! مجھے ضرور ہدیہ دیجئے تو حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سوال عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ سب اہل بیت پر ہم درود کیسے بھیجیں؟ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کو یہ تو سکھلا دیا ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کیسے بھیجیں، تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ تم اس طرح پڑھا کرو "اللهم صل علی محمد الخ" اے اللہ رحمت نازل فرما محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر جیسا کہ رحمت نازل فرمائی آپ نے ابراہیم علیہ السلام پر اور ابراہیم علیہ السلام کی آل پر بے شک آپ بزرگ اور برتر ہیں، اے اللہ برکت نازل فرما محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر جیسا کہ برکت نازل فرمائی آپ نے ابراہیم علیہ السلام اور ابراہیم علیہ کی آل پر، بے شک آپ بزرگ اور برتر ہیں۔

تشریح: فان اللہ قد علمنا: یعنی آپ کے واسطے سے التحیات میں پڑھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں سلام تو سکھادیا لیکن درود کیسے بھیجیں یہ ہمیں نہیں معلوم،

صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں "یا ایها الذین آمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیماً" فرما کر ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور سلام بھیجنے کا حکم فرمایا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہمیں اللہ تعالیٰ نے سلام بھیجنے کا طریقہ تو بتا دیا، لیکن درود بھیجنے کا طریقہ ہمیں ابھی تک نہیں معلوم۔

آل سے مراد

وعلی آل محمد: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے بارے میں کئی قول ہیں:

(۱)......جن کے لئے زکوٰۃ لینا حرام ہے، مثلاً بنو ہاشم، بنو عبدالمطلب۔

(۲)......ایک قول یہ ہے کہ ہر متقی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل میں داخل ہے۔

(۳)......ایک قول یہ بھی ہے کہ آل سے تمام امت اجابت مراد ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کی خصوصیت

کما صلیت: تمام نبیوں کو چھوڑ کر ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کی وجہ یہ ہے کہ

(۱) یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جد اعلیٰ ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی کے نسل سے تھے اور ہم کو اصول دین یا توحید مطلق میں انہی کی اتباع کا حکم ہے۔

(۲) زیادہ پسندیدہ جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ جل شانہ نے اپنا خلیل قرار دیا، چنانچہ ارشاد ہے "واتخذ الله ابراهيم خليلاً" لہٰذا جو درود اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ہوگا وہ محبت کی لائن کا ہوگا، اور محبت کی لائن کی ساری چیزیں سب سے اونچی ہوتی ہیں، لہٰذا جو درود محبت کی لائن کا ہوگا وہ یقیناً سب سے زیادہ لذیذ اور اونچا ہوگا، چنانچہ ہمارے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ جل شانہ نے اپنا

حبیب قرار دیا اور حبیب اللہ بنایا اور اسی لئے دونوں کا درود ایک دوسرے کے مشابہ ہوا، مشکوٰۃ شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے قصہ نقل کیا گیا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ایک جماعت انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ کررہی تھی کہ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا کلمہ اور روح ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ نے اپنا صفی قرار دیا، اتنے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں نے تمہاری گفتگو سنی بیشک ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں اور موسیٰ علیہ السلام نجی اللہ ہیں، (یعنی کلیم اللہ) اور ایسے ہی عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا کلمہ اور روح ہیں اور آدم علیہ السلام اللہ کے صفی ہیں، لیکن بات یوں ہے غور سے سنو کہ میں اللہ کا حبیب ہوں اور اس پر کوئی فخر نہیں کرتا، اور قیامت کے دن حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا، اور اس جھنڈے کے نیچے آدم علیہ السلام اور سارے انبیاء علیہم السلام ہونگے اور اس پر کوئی فخر نہیں کرتا اور قیامت کے دن سب سے پہلے میں شفاعت کرنے والا ہوں گا، اور سب سے پہلے جس کی شفاعت قبول کی جائے گی وہ میں ہوں گا، اور اس پر بھی میں کوئی فخر نہیں کرتا اور سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھلوانے والا میں ہوں گا، اور سب سے پہلے جنت میں میں اور میری امت کے فقراء داخل ہونگے، اور اس پر بھی کوئی فخر نہیں کرتا، اور میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم ہوں اولین اور آخرین میں اور کوئی فخر نہیں کرتا، اور بھی متعدد روایات سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حبیب اللہ ہونا معلوم ہوتا ہے، محبت اور خلت میں جو مناسبت ہے وہ ظاہر ہے اسی لئے ایک کے درود کو دوسرے کے درود کے ساتھ تشبیہ دی اور چونکہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء میں ہیں اس لئے بھی "من اشبه اباه فما ظلم" آباء واجداد کے ساتھ مشابہت بہت ممدوح ہے، مشکوٰۃ کے حاشیہ پر لمعات سے اس میں ایک نکتہ بھی لکھا

ہے وہ یہ کہ حبیب اللہ کا لقب سب سے اونچا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ حبیب اللہ کا لفظ جامع ہے خلت کو بھی اور کلیم اللہ ہونے کو بھی اور صفی اللہ ہونے کو بھی بلکہ ان سے زائد چیزوں کو بھی جو دیگر انبیاء علیہم السلام کے لئے ثابت نہیں اور وہ اللہ کا محبوب ہونا ہے ایک خاص محبت کے ساتھ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔

(۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعا فرمائی تھی، ''**ربنا وابعث فیھم رسولا منھم الخ**'' اور خود حدیث پاک میں اس کا اظہار ہے، چنانچہ آپ کا ارشاد ''**انا دعوۃ ابی ابراھیم الخ**'' اس لئے خصوصیت کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

(۴) چوتھا جواب یہ ہے کہ لیلۃ المعراج میں سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعہ اس امت کو سلام بھیجا، اور اسکے ساتھ ساتھ یہ پیغام بھی کہ جنت ایک چٹیل میدان ہے، اور اسکے درخت اور باغات **سبحان اللہ، الحمد للہ، اور اللہ اکبر** ہیں، انکے سلام کا جواب اور انکے اس احسان کا بدلہ چکانے کیلئے ان کا ذکر کیا گیا۔ فقط

آل ابراہیم سے مراد

وعلی آل ابراھیم: مراد اسمٰعیل علیہ السلام واسحاق علیہ السلام اور ان کی اولاد واحفاد ہیں۔

اشکال: یہاں پر یہ مشہور اشکال ہے کہ عربی قواعد کی رو سے مُشبہ بِہٖ مُشبہ سے افضل ہوتا ہے جب کہ حدیث باب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل کو مشبہ بہ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ان کی آل کو مشبہ قرار دیا ہے، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں، جو عقیدۂ اہل اسلام کے منافی ہے۔

جوابات: اس اشکال کے بہت سے جواب دیئے گئے ہیں، ان میں سے چند یہاں ذکر

کئے جاتے ہیں:

(۱)...... یہاں اصل صلاۃ کے اعتبار سے تشبیہ ہے، نہ کہ قدر صلاۃ کے اعتبار سے جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ **"کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم"** یہاں تشبیہ نفس صوم میں ہے، قدر صوم میں نہیں جب یہ بات سمجھ میں آ گئی تو یہ بات سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر فوقیت ثابت نہیں ہوتی۔

(۲)...... بسا اوقات اعلیٰ کو ادنیٰ سے بھی تشبیہ دی جاتی ہے یعنی جس عربی قاعدہ کو مدار بنا کر اشکال ہوا تھا وہ قاعدہ ہی کلی نہیں ہے کبھی کبھی مشبہ مشبہ بہ سے افضل ہوتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **"مثل نورہ کمشکوٰۃ فیھا مصباح"** اللہ کے نور کو مشبہ اور نور مشکوٰۃ کو مشبہ بہ قرار دیا گیا ہے، جب کہ یہ بات معلوم ہے کہ حق تعالیٰ کے نور کو مشکوٰۃ کے نور سے فضیلت میں کوئی مناسب نہیں ہے، معلوم ہوا کہ کبھی کبھی مشبہ مشبہ بہ سے افضل ہوتا ہے، اسی طرح حدیث میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام اگرچہ مشبہ بہ ہیں لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں ہیں۔

(۳)...... تیسرا جواب یہ ہے کہ تشبیہ ہمیشہ الحاق ناقص بالکامل ہی کے لئے نہیں ہوتی، بلکہ بسا اوقات الحاق غیر متعارف بالمتعارف کیلئے بھی ہوتی ہے، تو چوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد (جن میں بکثرت انبیاء کرام علیہم السلام شامل ہیں) پر حق تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول اور حق تعالیٰ کی طرف سے حسن ثناء متعارف تھی، اس لئے ان حضرات کا ذکر کیا۔

(۴)...... چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ تشبیہ مجموع کی مجموع کے ساتھ ہے، چوں کہ آل ابراہیم علیہ السلام میں بکثرت انبیاء کرام شامل ہیں، جب کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی نبی نہیں ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ آل ابراہیم علیہ السلام کو افضلیت حاصل ہے آل محمد

صلی اللہ علیہ وسلم پر۔

(۵)......بعض نے اس کی توجیہ یوں کی ہے کہ مجموع کی مجموع کے ساتھ تشبیہ کا منشاء یہ ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی پر نہیں بلکہ آل ابراہیم علیہ السلام پر بھی رحمتوں کا نزول ہوا ہے، اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اپنی رحمتوں کی بارش فرما، تو گویا اس وقت تشبیہ سے مقصود آل ابراہیم کی طرح آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دعا میں شریک کرنا ہے۔

(٦)...... چھٹا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعا فرمائی تھی "ربنا و ابعث فیهم رسولا منهم الخ" اور خود حدیث میں اس کا اظہار ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "انا دعوة ابی ابرهیم الخ" اس لئے خصوصیت کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا، الحاق ناقص با لکامل مقصود نہیں۔

(۷)......ساتواں جواب یہ ہے کہ یہ آپ علیہ السلام نے تواضعاً فرمایا۔

يَـارَبِّ صَـلِّ وَسَـلِّـمْ دَائِمـاً اَبَداً
عَـلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

درود شریف میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا ذکر

﴿۸۵۹﴾ وَعَنْ اَبِیْ حُمَیْدِ السَّاعِدِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالُوا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کَیْفَ نُصَلِّیْ عَلَیْكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّیَّتِهٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّیَّتِهٖ کَمَا

بَارَكْتَ عَلَى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱/۹۴۱، باب هل یصلی علی غیر النبی صلی الله علیه وسلم، کتاب الدعوات، حدیث:۶۳۶۰۔مسلم شریف:۱/۱۷۵، باب الصلاة علی النبی صلی الله علیه وسلم، کتاب الصلاة، حدیث:۴۰۷۔

ترجمه: حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم آپ پر درود کیسے بھیجیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوں کہو " اللهم صلی علی محمد الخ" اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرمائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج پر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت پر جیسا کہ رحمت نازل فرمائی آپ نے ابراہیم علیہ السلام پر، اور برکت نازل فرمائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج پر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت پر جیسا کہ برکت نازل فرمائی آپ نے ابراہیم علیہ السلام پر بے شک آپ بزرگ اور برتر ہیں۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اوقات میں مختلف الفاظ سے درود شریف کی تعلیم دی ہے، کسی میں صراحت کے ساتھ ازواج مطہرات کا ذکر ہے، کسی میں نہیں جیسا کہ حدیث باب میں صراحت کے ساتھ ازواج مطہرات کا ذکر ہے، گذشتہ حدیث میں صراحتاً ازواج مطہرات کا ذکر نہیں تھا، محدثین لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص گذشتہ حدیث میں مذکورہ درود پڑھتا ہے تو وہ درود سب کو کفایت کرے گا۔

غیر نبی کے لئے صلوٰۃ وسلام

صاحب مرقات نے اس حدیث کے تحت یہ بات بھی لکھی ہے کہ انبیاء کرام علیہم

السلام کے علاوہ کے لئے ابتداءً صلاۃ یعنی درود بھیجنا مکروہ تنزیہی ہے اس وجہ سے کہ یہ اہل بدعت کا شعار ہے ہم کو اس سے منع کیا گیا ہے، ابو محمد جوینی کہتے ہیں کہ سلام بھی صلاۃ کے مانند ہے، انبیاء اور فرشتوں کے علاوہ کے لئے درست نہیں ہے البتہ انبیاء اور فرشتوں کے تابع کر کے دوسروں کے لئے بھی گنجائش ہے۔ (مرقات: ۲/۳۴۰)

يَـارَبِّ صَـلِّ وَسَـلِّـمْ دَائِمـاً اَبَداً
عَـلٰی حَبِيْبِکَ خَيْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

درود بھیجنے والے پر دس رحمتوں کا نزول

﴿۸۶۰﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِـیَ الـلّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَةً صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشَراً۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شریف: ۱/۱۷۵، باب الصلاة علی النبی بعد التشهد، کتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۴۰۸۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس نے میرے اوپر ایک بار درود بھیجا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔

تشریح: اس حدیث میں درود شریف پڑھنے کی اہمیت بیان کی گئی ہے کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے گا تو وہ درحقیقت اپنے لئے اللہ کی رحمت جمع کرے گا اور ایک بار درود بھیجنے کا ثواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بھیجنے والے پر دس رحمتیں نازل کرتا ہے اسی وجہ

سے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا سب سے بڑا بخیل وہ ہے جو میرا نام سن کر میرے اوپر درود نہ بھیجے۔

صلی اللّٰہ علیہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد" من جاء بالحسنة فله عشر امثالها" جو شخص ایک نیکی کرتا ہے تو اس کو اس جیسی دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے لہٰذا جو ایک بار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے یہ ادنیٰ درجہ ہے، اس سے بہت زیادہ اللہ نوازتا ہے، اور اس کی کوئی حد نہیں ہے۔

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِماً اَبَداً
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

﴿الفصل الثانی﴾

دس درجات کی بلندی

﴿۸۶۱﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلَاۃً وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَحُطَّتْ عَنْهُ عَشْرُ خَطِیْئَاتٍ وَرُفِعَتْ لَهٗ عَشْرُ دَرَجَاتٍ۔ (رواہ النسائی)

حوالہ: نسائی: ۱۴۵/۱، باب الفضل فی الصلاۃ علی النبی، کتاب السھو، حدیث نمبر: ۱۲۸۶۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جو شخص میرے اوپر ایک بار درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس شخص پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا اور اس کی دس خطائیں معاف فرمائے گا اور اس کے دس درجے بلند کرے گا۔

تشریح: صلی اللہ : اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندہ پر صلاۃ کا مطلب اللہ تعالیٰ کی جانب سے رحمت کا نازل ہونا ہے، اور بندہ کی جانب سے رسول اللہ کے لئے صلاۃ بھیجنے کا مطلب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ تعالیٰ سے تعظیم کا طالب کرنا ہے۔ تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

يَـارَبِّ صَـلِّ وَسَـلِّـمْ دَائِمـاً اَبَداً
عَـلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

کثرت درود شریف کی فضیلت

﴿۸۶۲﴾ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْلَى النَّاسِ بِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلَاةً۔ (رواه الترمذی)

حواله: ترمذی شریف: ۱/۱۱۰، باب ما جاء فی فضل الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب الوتر، حدیث نمبر:۴۸۴۔

ترجمه: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ وہ شخص قریب ہوگا جو مجھ پر سب سے زیادہ درود بھیجنے والا ہوگا۔

تشریح: اولی الناس: یعنی لوگوں میں میرے سب سے زیادہ قریب اومیری شفاعت کے مستحق وہ لوگ ہیں جو کثرت سے میرے اوپر درود بھیجتے ہوں گے، درود کی کثرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی بنیاد بنتی ہے اور تعظیم تقاضا کرتی ہے اتباع کا اور اتباع محبت پیدا کرتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والے سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے، اوراس کے گناہ کو معاف کرتا ہے ارشادربانی ہے "**قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم ۔**

ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ قیامت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب سب سے زیادہ محدثین کو میسر آئے گا اس وجہ سے کہ اس امت میں ان سے زیادہ کثرت سے کوئی درود شریف پڑھنے والا نہیں ہے۔(مرقات:۲/۳۴۰)

محدثین سے مراد یہاں حدیث پاک پڑھنے پڑھانے کا مشغلہ رکھنے والے ہیں خواہ عربی میں یا اردو میں اس سے علم حدیث پڑھنے پڑھانے والوں کی فضیلت بھی ظاہر ہے۔

کتاب میں دورد شریف لکھنا

نیز حدیث پاک لکھنے والے بھی اسی میں داخل ہیں، زادالسعید میں طبرانی سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص مجھ پر درود بھیجے کسی کتاب میں (یعنی لکھے) ہمیشہ فرشتے اس پر درود بھیجتے رہیں گے، جب تک میرا نام اس کتاب میں رہے گا (فضائل اعمال:۶۷۲)

یَـارَبِّ صَـلِّ وَسَـلِّـمْ دَائِمـاً اَبَداً
عَـلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک سلام پہنچتا ہے

﴿۸۶۳﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِيْنَ فِى الْاَرْضِ يُبَلِّغُوْنِىْ مِنْ اُمَّتِى السَّلَامَ۔

(رواہ النسائی والدارمی)

حوالہ: نسائی:۱۴۳/ ۱، باب السلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب السھو، حدیث نمبر:۱۲۸۱۔ دارمی: ۲/۴۰۹، باب فی فضل الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب الرقاق، حدیث نمبر:۲۷۷۴۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں جو زمین میں گشت کرتے پھرتے ہیں، وہ مجھ تک میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں۔

تشریح: یہاں یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ فرشتے ان لوگوں کا سلام پہنچاتے ہیں جو روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دور رہ کر سلام بھیجتے ہیں، جو کوئی روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو خود سنتے ہیں، فرشتوں کے ذریعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچانے کی حاجت نہیں رہتی۔

عقیدہ حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضۂ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حیات ہیں، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حیات دائمی حاصل ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جب امت کا سلام پہنچتا ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوتے ہیں اور سلام کا جواب مرحمت فرماتے ہیں جیسا کہ آگے حدیث میں یہ بات منقول ہے۔ (مرقات:۲/۳۴۱)

فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

ذات عالی پر جہاں سے جو بھی پڑھتا ہے سلام
اس کے پہونچاتے ہیں ملائک من وعن
سامنے آکر پڑھے جو اس کو وہ سنتے ہیں خود
اس پہ شاہد ہیں روایات سنن

حاضر ناظر ہونے کا عقیدہ

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر وناظر ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں وہ بے بنیاد ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر حاضر وناظر ہوتے تو پھر ملائکہ کو مقرر کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ وہ لوگوں کے سلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچائیں۔

عالم الغیب ہونے کا عقیدہ

اسی طرح جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم الغیب ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں ان کی تردید بھی اس سے ہو جاتی ہے، اس لئے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہوتے تو پھر ملائکہ کو مقرر فرمانے کی کیا ضرورت تھی کہ وہ لوگوں کا سلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچائیں۔

يَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِماً اَبَداً
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب مرحمت فرمانا

﴿٨٦٤﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَحَدٍ یَسلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ۔ (رواه أبوداؤد والبيهقى فى الدعوات الكبير)

حواله: أبوداؤد: ٢٧٩/ ١، باب زيارة القبور، كتاب المناسك، حدیث نمبر: ٢٠٤١۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جب کوئی شخص میرے اوپر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹاتے ہیں اور پھر میں سلام کا جواب دیتا ہوں۔

تشریح: یوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حیات حاصل ہے ہی، لیکن جب کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتا ہے، تو خاص طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سلام کی طرف متوجہ فرمایا جاتا ہے، اسی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے تعبیر کیا ہے کہ میری روح لوٹائی جاتی ہے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام بھیجنے والے کے سلام کا جواب مرحمت فرماتے ہیں۔

ردِّ روح پر اشکال اور جواب

اشکال: انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات دلائل قطعیہ سے ثابت ہے جب کہ حدیث باب سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ جب بندہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے تب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح لوٹائی جاتی ہے تو روح کے جسم کی طرف

لوٹانے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ روح جسم سے جدا رہتی ہے، یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حیات نہیں ہیں، سلام پڑھنے کے وقت جسم کا روح سے تعلق جوڑا جاتا ہے یہ چیز بہت سی احادیث کے خلاف ہے، کیونکہ کثرت دلائل سے حیات انبیاء علیہم السلام ثابت ہے۔

جوابات: (۱)......حضرت سہارنپوریؒ نے بذل میں اس کا جواب نقل فرمایا ہے کہ ’’آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح تجلیات ربانیہ اور معارف الٰہیہ کی طرف متوجہ رہتی ہے جب کوئی آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو جواب دینے کے لئے امت کی طرف متوجہ فرمادیتے ہیں اس کو ’’رد روح‘‘ سے تعبیر کیا ہے۔

(۲)......بعض لوگوں نے یہ جواب دیا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ بمنزلہ سونے والے کے آرام فرمارہے ہیں اور جس طرح سونے والا بات کرنے والے کی بات اس وقت سنتا ہے جب تک وہ بیدار ہوتا ہے اسی طرح آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام کرنے والے کے سلام کو اس وقت تک سنتے ہیں جب تک متوجہ ہوتے ہیں اسی متوجہ ہونے اور تیقظ کو ’’رد روح‘‘ سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۳)......کلام عرب میں یہ بات بہت عام ہے کہ شرط کی جزاء کو حذف کر کے علت کو قائم مقام کردیتے ہیں قرآن مجید میں اس قاعدہ کی بہت سی مثالیں ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ’’**فان کذبوک فقد کذب رسل من قبلک**‘‘ (اگر انہوں نے آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا تو آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی بہت سے رسول جھٹلائے گئے ہیں) اس آیت میں ’’**فان کذبوک**‘‘ جو کہ شرط ہے، وہ شرط جزاء کی علت ہے جس کو جزاء کے قائم مقام کردیا ہے، اس طرح کا معاملہ حدیث

باب میں بھی ہے کہ یہاں اصل علت یہ ہے " ما من احد یسلم علی الا ارد علیہ السلام لان اللہ قد رد علی روحی" مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مجھ پر سلام پڑھتا ہے تو میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں، اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے میری روح کو مجھ پر لوٹا رکھا ہے اور آگے حدیث کی جزاء ہے " حتی ارد علیہ السلام" اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسی سبب سے میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

(تلخیص بذل المجهود والدر المنضود)

فائدہ: حدیث پاک سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجنے کی فضیلت بھی معلوم ہوگئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سلام کا جواب خود مرحمت فرماتے ہیں اور خصوصاً بہت کثرت سے درود وسلام بھیجنے والے کو کیا شرف حاصل ہوتا ہے اگر تمام عمر کے سلاموں کا ایک جواب آوے سعادت ہے چہ جائے کہ ہر سلام کا جواب آوے

بہر سلام مکن رنجہ در جواب آں لب
کہ صد سلام مرا بس یکے جواب از تو

اس مضمون کو علامہ سخاویؒ نے اس طرح ذکر کیا ہے کہ کسی بندہ کی شرافت کے لئے یہ کافی ہے کہ اس کا نام خیر کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں آجائے اسی ذیل میں یہ شعر بھی کہا گیا ہے۔

ومن خطرت منه ببالک خطرةٌ
حقیقٌ بان یسمو وان یتقد ما

ترجمہ: جس خوش قسمت کا خیال بھی تیرے دل میں گذر جائے وہ اس کا مستحق ہے کہ جتنا بھی چاہے فخر کرے اور پیش قدمی کرے (اچھلے کودے)۔

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے۔

یارب صل وسلم دائما ابداً علی حبیبک خیر الخلق کلهم

درود بھیجنے کا حکم

﴿۸۶۵﴾ وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَاتَجْعَلُوا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا وَلَاتَجْعَلُوْا قَبْرِيْ عِيْدًا وَصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِيْ حَيْثُ كُنْتُمْ۔ (رواه النسائی)

حوالہ: أبوداؤد شریف: ۱/۲۷۹، باب زیارۃ القبور، کتاب المناسک، حدیث نمبر: ۲۰۴۲۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا'' اپنے گھر کو قبر مت بناؤ اور میری قبر کو عید مت بناؤ اور میرے اوپر درود بھیجو، تم جہاں کہیں بھی ہوگے تمہارا درود مجھ تک پہونچے گا''۔

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو تین ہدایتیں دی ہیں:

(۱)...... گھروں کو قبرستان مت بناؤ، یعنی گھروں میں مردوں کو دفن مت کرو۔

(۲)...... میری قبر کو عید مت بناؤ یعنی وہاں پر لہو ولعب کے کام اور میلہ اور ٹھیلہ کے کام مت کرو۔

(۳)...... کثرت سے درود بھیجو یہ خیال نہ کرو کہ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ سے دور ہیں، میرا سلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہونچے گا تم درود بھیجنا ترک مت کرو، دنیا کے جس گوشے سے بھی درود بھیجو گے وہ مجھ تک پہونچے گا۔

اپنے گھروں کو قبر مت بناؤ

لاتجعلوا بیوتکم قبوراً: اپنے گھروں کو قبر مت بناؤ حدیث کے اس جزء کی

مختلف توجیہ بیان کی گئی ہے ایک توجیہ تو وہی ہے جس کو اوپر میں بیان کیا گیا کہ گھروں میں مردوں کو دفن مت کرو، اُبوداؤد شریف کتاب الصلاۃ کے تحت ایک حدیث ہے حدیث باب کا یہ جزء موجود ہے، اس جزء سے پہلے حدیث کے الفاظ ہیں "اجعلوا فی بیوتکم من صلاتکم" یعنی بعض نمازیں اپنے گھروں میں پڑھا کرو، تو اب اس جزء کو سامنے رکھ کر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ اپنے گھروں میں مردوں کو دفن کر کے مقبرہ مت بناؤ کیونکہ گھروں میں نماز پڑھنے کا حکم ہے، اور قبرستان میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکان میں دفن کرنے کی وجہ

سوال: جب گھروں میں قبریں بنانا مکروہ ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپؐ کے گھر میں کیوں دفن کیا گیا؟

جواب: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپؐ ہی کے گھر میں دفن کرنا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے، دوسروں کے لئے اس پر عمل کرنا نا جائز ہے۔

(۲)……باب کے اس جزء "لاتجعلوا بیوتکم قبوراً" کی دوسری توجیہ یہ بھی کی جاتی ہے کہ اپنے گھروں میں کسی بھی قسم کی نماز کی ادائیگی نہ کر کے اس کو قبرستان کے مانند مت بناؤ، یعنی جس طرح قبرستان میں نماز نہیں پڑھی جاتی اسی طرح نماز نہ پڑھ کر اپنے گھروں کو قبرستان مت بناؤ، سنن ونوافل گھر میں ہی اداء کرو، سنن ونوافل کا گھر میں اداء کرنا مسجد میں اداء کرنے سے بہتر ہے، یہی جمہور کا مذہب ہے، البتہ اگر گھر میں نماز پڑھنے سے سنن ونوافل کے فوت ہونے کا خدشہ ہو تو پھر سنن ونوافل مسجد ہی میں اداء کرنا بہتر ہے، لیکن اس کے باوجود کبھی کبھی گھر میں بھی نماز کا اہتمام کرتے رہنا چاہئے تا کہ گھر قبرستان نہ بنے۔

میری قبر کو عید مت بناؤ

و لاتجعلوا قبری عیدا: اس جزء کے بھی کئی مطلب ذکر کئے جاتے ہیں:

(۱)......میری قبر کو جشن کی جگہ مت بناؤ کہ وہاں میلہ ٹھیلہ لگانے لگو، اس سے اس عمل کی قباحت معلوم ہوئی کہ جو آج کل اولیاء اللہ کی قبروں پر عرس کے نام سے انجام دیا جارہا ہے "نعوذ باللہ من ذلک"۔

(۲)......بعض حضرات نے قبر کو عید نہ بنانے کا مطلب یہ ذکر کیا ہے کہ استطاعت کے باوجود ایسا نہ کرے کہ صرف سال بھر میں عید کی طرح ایک بار حاضری دو، بلکہ اگر استطاعت ہو تو میری قبر پر حاضری دیتے رہنا۔

قبر اطہر علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام پر حاضری

یہ مطلب لینے کی صورت میں قبر اطہر علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام پر حاضری بلکہ بار بار حاضری کا جواز ہی نہیں بلکہ اس کی ترغیب وفضلیت معلوم ہوگئی۔

اور جو لوگ قبر اطہر علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کی وجہ سے سفر کی ممانعت کرتے ہیں اس سے ان کی تردید ہو جاتی ہے۔ فقط

درود شریف پڑھنے کا حکم

و صلوا علی: تم درود ضرور بھیجنا، جہاں کہیں بھی ہوگے تمہارا درود مجھ تک ضرور پہونچے گا، گذشتہ حدیث میں یہ بات گذر چکی ہے کہ بعض فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے اسی لئے مقرر فرما رکھا ہے جو زمین میں پھرا کرتے ہیں اور کوئی بھی امتی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

پر درود پڑھتا ہے تو اس کو لے کر وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچتے ہیں، اس میں ان لوگوں کے لئے تسلی بھی ہے جو جسمانی اعتبار سے دور ہیں، کہ اگر چہ وہ جسمانی اعتبار سے دور ہیں، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ ان پر بھی ہے .

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس مجلس میں ہے

نماز میں درود پڑھنے کا حکم

اس بات پر تو سب کا اتفاق ہے کہ عمر بھر میں کم از کم ایک مرتبہ درود پڑھنا فرض ہے کیوں کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے " **یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیماً**" اس میں امر وجوب پہ دلالت کرتا ہے اس لئے درود سلام پڑھنا فرض ہے لیکن چونکہ امر تکرار کا تقاضہ نہیں کرتا ہے، اس لئے عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے، زیر بحث مسئلہ یہ ہے کہ نماز میں قعدہ اخیرہ کے اندر درود شریف پڑھنا فرض ہے یا نہیں۔

امام ابو حنیفہ ؒ کا مذہب: امام صاحب کے نزدیک قعدہ اخیرہ میں درود پڑھنا سنت ہے، فرض نہیں ہے۔

دلائل: (۱)......حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد کی تعلیم دی، اس کے بعد فرمایا " **اذا قلت هذا او فعلت هذا فقد تمت صلاتک**" یعنی جب تم تشہد کی مقدار بیٹھ لئے تمہاری نماز پوری ہوگئی۔

(۲)......حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے " **انهما قالا الصلاۃ علی النبی سنة فی الصلاۃ**" نماز میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا سنت ہے۔

(۳)......آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے لوگوں کو نماز کی تعلیم دی لیکن ان مواقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درود کا ذکر نہیں فرمایا، معلوم ہوا کہ قعدہ اخیرہ میں درود

فرض نہیں ہے۔

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قعدہ اخیرہ میں درود کا پڑھنا فرض ہے۔

دلیل: (۱)''یا ایها الذین آمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما" (۲)''لاصلاۃ لمن لم یصل علی فی صلاته"

جواب: قرآن مجید کی آیت کا مطلب گذر چکا، امر تکرار کا تقاضہ نہیں کرتا، لہٰذا عمر بھر میں ایک مرتبہ درود پڑھ لینے سے اس حکم کی تعمیل ہوگئی، ہر نماز میں درود پڑھنے کا حکم اس آیت سے ثابت نہیں ہوتا، اور نماز میں نفی صلاۃ سے نفی کمال مراد ہے اور اس کے ہم بھی قائل ہیں۔

یارب صل وسلم دائما ابداً

علی حبیبک خیر الخلق کلهم

درود نہ بھیجنے والے کی مذمت

﴿٨٦٦﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ وَرَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ اَنْ يُغْفَرَ لَهُ وَرَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ اَدْرَكَ عِنْدَهُ اَبَوَاهُ الْكِبَرَ اَوْ اَحَدُهُمَا فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ۔ رواه الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۱۹۴، باب کتاب الدعوات، حدیث نمبر: ۳۴۴۵۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا’’ اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا تذکرہ ہوا اور اس نے میرے اوپر درود نہیں بھیجا، اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کی زندگی میں رمضان آیا اور اس کی مغفرت کرانے سے پہلے گزر گیا، اور اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے اس کے والدین نے یا والدین میں سے کسی ایک نے بڑھاپا پایا اور انہوں نے اس کو جنت میں داخل نہیں کرایا۔

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین طرح کے لوگوں کی مذمت کی ہے اور ایک طرح سے ان کے لئے ہلاکت کی بدعا کی ہے، پہلا وہ شخص ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک نام سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہیں بھیجا، یہ شخص انتہائی بخیل اور محروم القسمت ہے؛ کیونکہ ایک طرف درود نہ بھیج کر جہاں اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گہری محبت وعقیدت نہ ہونے کا ثبوت فراہم کیا، وہیں دوسری طرف درود بھیجنے کی شکل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہونے والی رحمتوں سے اعراض کیا، دوسرا شخص وہ ہے، جس نے رمضان کا برکتوں والا مہینہ پایا، لیکن اپنی بدبختی کی بناء پر اس مہینہ کی ناقدری کی، اور اس جہنم سے نجات دلانے والے اور بخشش والے مہینہ میں بھی اللہ تعالیٰ کو راضی کرکے اپنی مغفرت نہیں کرا سکا۔

والدین کی ناقدری کا وبال

تیسرا شخص وہ ہے، جس نے اپنے بوڑھے والدین کو پایا یا ان میں سے ایک کو پایا، اگر ان کی خدمت کرتا ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا، تو اللہ تعالیٰ ان کی خدمت کے صلہ میں اس کو جنت عطا کرتے؛ لیکن اس بدبخت نے والدین کی ناقدری کی، اور جنت کے حصول کے اس گراں قدر ذریعہ کو گنوادیا؛ چنانچہ یہ شخص ذلیل وخوار ہے۔

جائز اور مباح امور میں والدین کی اطاعت وفرمانبرداری واجب ہے، اور اس پر اجر عظیم کا وعدہ ہے، خاص طور پر والدین جب بوڑھے ہوجائیں تو ان کی خدمت اور ان کی اطاعت لازم وضروری ہے ان کی نافرمانی ودل آزاری کو اشد کبائر میں شمار کیا گیا ہے، اگر کسی شخص نے اپنے والدین کو بوڑھاپے کے عالم میں پایا اور ان کی صحیح معنوں میں خدمت کی، تو وہ مستحق جنت ہوگیا، لیکن وہ شخص ذلیل وخوار ہوا، جس نے والدین کو یا ان میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کے عالم میں پایا، پھر ان کی ناقدری کی اور ان کے حقوق تلف کیے۔

لم یدخلاہ الجنۃ: اسنادمجازی ہے، اصلاً تو جنت میں داخل کرنیوالی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے، والدین کی خدمت دخول جنت کا سبب ہے، مطلب یہ ہے کہ اس نے والدین کی ایسی خدمت نہیں کی، جس کے نتیجہ میں وہ جنت میں داخل ہوسکتا۔ (مرقات: ۲/۳۴۳)

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِماً اَبَداً
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

درود بھیجنے پر دس رحمتوں کا نزول

﴿۸۶۷﴾ وَعَنْ اَبِیْ طَلْحَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ ذَاتَ یَوْمٍ وَالْبِشْرُ فِیْ وَجْهِهٖ فَقَالَ اِنَّهٗ جَاءَ نِیْ جِبْرَئِیْلُ فَقَالَ اِنَّ رَبَّكَ یَقُوْلُ اَمَا یُرْضِیْكَ یَا مَحَمَّدُ اَنْ لَایُصَلِّیَ عَلَیْكَ اَحَدٌ مِنْ اُمَّتِكَ اِلَّا صَلَّیْتُ عَلَیْهِ عَشْراً وَلَایُسَلِّمُ عَلَیْكَ اَحَدٌ مِنْ اُمَّتِكَ اِلَّا سَلَّمْتُ عَلَیْهِ عَشْراً۔ (رواه النسائی والدارمی)

حواله: نسائی:١٤٣/١، باب فضل التسلیم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب السھو، حدیث نمبر:١٢٨٤۔دارمی:٤٠٨/٢ باب فی فضل الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب الرقاق، حدیث نمبر:٢٧٧٣۔

ترجمہ: حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اس حال میں تشریف لائے کہ خوشی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے جھلک رہی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' کہ بلاشبہ میرے پاس جبرئیل امین تشریف لائے تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ اس سے راضی نہیں ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے جو کوئی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار درود بھیجے گا، تو اس پر دس رحمتیں نازل کردوں گا اور جو کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بار سلام بھیجے گا تو میں اس پر دس سلام بھیجوں گا۔

تشریح: چوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امت کے حق میں انتہائی شفیق اور بے حد مہربان ہیں، اس وجہ سے امت کی فلاح و بہبود اور اس کے نفع سے متعلق ہر بات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت مسرت وشادمانی ہوتی تھی؛ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت کے لئے درود شریف سے متعلق مذکورہ بالا فیصلہ ہوا، تو اس خوش خبری کے اثرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک سے بھی ظاہر ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عظیم خوش خبری صحابہ کرامؓ کو دی اور صحابہ کرامؓ کے واسطہ سے پوری امت کو دی۔

ذات یوم: دن کا کوئی حصہ مراد ہے۔

والبشر: یعنی خوشی ومسرت کی علامت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر تھی، فقال: صحابہؓ میں سے کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا پھر بغیر کسی کے سوال کئے خود ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا،

یہاں کسی کے پوچھنے کا تذکرہ نہیں ہے، لیکن دوسری روایت میں ہے کہ "فسأله من ذلک" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر خوشی وشادمانی کی علامت دیکھ کر کسی صحابی نے اس کی وجہ دریافت کی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وجہ بتائی۔

جاءنی جبرئیل: جبرئیل امین نے جو بشارت دی وہ درحقیقت امت کے حق میں ہے لیکن امت کی بشارت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خوشی ہوئی، حدیث کے دوسرے طرق میں یہ کلمات بھی ہیں کہ "بشر امتک انه من صلی علیک صلاۃً الخ" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو یہ خوش خبری سنادیجئے کہ جو کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے دس نیکیاں لکھیں گے، اس کی دس خطاؤں کو معاف کردیں گے اور اس کے دس درجات بلند فرمائیں گے۔ (مرقات: ۲/۳۴۳)

یارب صل وسلم دائما ابداً
علی حبیبک خیر الخلق کلهم

کثرت درود شریف کی فضیلت

﴿۸۶۸﴾ وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ اُکْثِرُ الصَّلَاۃَ فَکَمْ اَجْعَلُ لَکَ مِنْ صَلَاتِیْ فَقَالَ مَاشِئْتَ قُلْتُ الرُّبُعَ قَالَ مَاشِئْتَ فَاِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَیْرٌ لَّکَ قُلْتُ النِّصْفَ قَالَ مَاشِئْتَ فَاِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَیْرٌ لَّکَ قُلْتُ فَالثُّلُثَیْنِ قَالَ مَاشِئْتَ فَاِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَیْرٌ لَّکَ قُلْتُ اَجْعَلُ لَکَ

صَلَاتِی کُلَّهَا قَالَ إِذاً یُکْفٰی هَمُّکَ وَیُکَفَّرُ لَکَ ذَنْبُکَ۔ رواه الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۷۲، باب کتاب صفة القیامة، حدیث نمبر: ۲۴۵۷۔

ترجمہ: حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اے اللہ کے رسول میں کثرت سے درود پڑھنا چاہتا ہوں، تو میں اپنی دعاء کے وقت میں سے کتنا حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے لئے مقرر کرلوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جتنا چاہو، میں نے کہا کہ چوتھائی حصہ مقرر کرلوں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جتنا چاہو زیادہ مقرر کرلو، تمہارے حق میں بہتر ہے، میں نے کہا آدھا وقت مقرر کرلوں؟ آپ نے فرمایا جتنا چاہو لیکن اگر زیادہ مقرر کرلو تو تمہارے حق میں بہتر ہے، پھر میں نے کہا دو تہائی مقرر کرلوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس قدر تمہارا جی چاہے اور اگر اس سے زیادہ مقرر کرلو تو تمہارے لئے بہتر ہے، تو میں نے کہا کہ میں اپنی دعا کا تمام وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے لئے مقرر کرتا ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تب تو تمہاری پریشانیاں دور ہو جائیں گی اور تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

تشریح: درود شریف کی دیگر تمام اذکار کے مقابلہ میں کثرت کی فضیلت اور پریشانیوں کے دور ہونے اور گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہونا بخوبی ظاہر ہے۔

یارب صل وسلم دائما ابداً
علی حبیبک خیر الخلق کلهم

درود شریف کے بعد دعا کی قبولیت

﴿٨٦٩﴾ وَعَنْ فَضَالَةَ بِنْ عُبَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ دَخَلَ رَجُلٌ فَصَلّٰى فَقَالَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي وَارْحَمْنِي فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجِلْتَ أَيُّهَا الْمُصَلِّي إِذَا صَلَّيْتَ فَقَعَدْتَ فَاحْمَدِ اللّٰهَ بِمَا هُوَ اَهْلُهُ وَصَلِّ عَلَيَّ ثُمَّ اُدْعُهُ قَالَ ثُمَّ صَلّٰى رَجُلٌ آخَرُ بَعْدَ ذٰلِكَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَصَلّٰى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّهَا الْمُصَلِّي اُدْعُ تُجَبْ۔ (رواه الترمذي وروى أبوداؤد والنسائي نحوه)

حواله: أبوداؤد شريف: ٢٠٨/١، باب الدعاء، كتاب الوتر، حدیث نمبر: ١٤٨١۔ ترمذی شریف: ١٨٥/٢، باب كتاب الدعوات، حدیث نمبر: ٣٤٧٦۔ نسائی: ١٤٤/١، باب التمجيد والصلاة على النبی صلی الله علیه وسلم فی الصلاة، كتاب السهو، حدیث نمبر: ١٢٨٣۔

ترجمه: حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما تھے، کہ ایک شخص آئے اور انہوں نے نماز پڑھی، پھر انہوں نے دعا مانگی " اللهم اغفر لي وارحمني " (اے اللہ میری مغفرت فرمائیے، اور مجھ پر رحم فرمائیے) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " اے نمازی تو نے جلد بازی سے کام لیا نماز پڑھو اور بیٹھو تو اللہ تعالیٰ کی ایسی تعریف کرو جس کے اللہ تعالیٰ مستحق ہیں، پھر میرے اوپر درود بھیجو، پھر اللہ تعالیٰ سے دعاء مانگو" راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد ایک دوسرے شخص نے نماز پڑھی، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی، حضرت نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا، تو ان سے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے نمازی تم کو جو دعا مانگنا پسند ہے مانگو تمہاری دعاء قبول ہوگی"۔ (ترمذی ابوداؤد اورنسائی نے بھی اسی جیسی روایت نقل کی ہے)

تشریح: عجلت: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے جلد بازی سے کام لیا، وجہ یہ تھی کہ نمازی نے دعاء کی ترتیب کو ترک کر دیا تھا، وسیلہ سے پہلے دعاء پیش کر دی تھی صاحب مرقات نے امام زاہدی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ درخواست پیش کرنے سے پہلے جس کے پاس درخواست دی جارہی ہے اس کے نزدیک جو مقرب ہے اور جس کی سفارش اس کے پاس چلتی ہے اس کا وسیلہ لگانے سے درخواست یعنی دعاء جلد قبول ہوتی ہے، اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس ادب کو سکھانے کے لئے فرمایا کہ اللہ کی حمد کے بعد میرے اوپر درود بھیج کر دعا مانگو، تاکہ قبول ہو جائے۔

ثم صلی رجل آخر: ممکن ہے کہ یہ دوسرے آنے والے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہوں، جیسا کہ اگلی حدیث سے سمجھ میں آرہا ہے۔ (مرقات: ۲/۳۴۴)

دعا کا ادب

حدیث پاک سے دعا کا ادب معلوم ہوا کہ اولاً اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی جائے پھر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر دورد شریف پڑھا جائے پھر دعا کی جائے تو انشاء اللہ دعا قبول ہوگی۔

نماز کے بعد دعا کا ثبوت

حدیث پاک سے نمازوں کے بعد دعا کا ثبوت بھی ظاہر ہے۔

یَـارَبِّ صَـلِّ وَسَـلِّـمْ دَائِمـاً اَبَداً
عَـلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

ایضاً

﴿۸۷۰﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ کُنْتُ اُصَلِّی وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَاضِرٌ وَاَبُوبَکْرٍ وَعُمَرُ مَعَهُ فَلَمَّا جَلَسْتُ بَدَاْتُ بِالثَّنَاءِ عَلَی اللّٰهِ تَعَالٰی ثُمَّ الصَّلَاةِ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ دَعَوْتُ لِنَفْسِی فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّم سَلْ تُعْطَهْ سَلْ تُعْطَهُ۔ (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۳۰، باب ماذکر فی الثناء علی النبی صلی اللہ علیه وسلم قبل الدعاء أبو اب السفر، حدیث نمبر: ۵۹۳۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ موجود تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی موجود تھے، میں بیٹھا تو میں نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرنی شروع کی، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ پر درود بھیجا، پھر میں نے اپنے لئے دعاء کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مانگو دیئے جاؤ گے مانگو دئے جاؤ گے۔

تشریح: سل تعطہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات مکرر ارشاد فرمائے، مقصد یا تو تاکید ہے یا تکثیر ہے یعنی دنیا وآخرت دونوں کو طلب کرو، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے دونوں عطاء فرمائیں گے۔

فائدہ: حدیث باب سے بھی معلوم ہوا کہ نماز کے بعد حق تعالیٰ شانہ کی حمد وثنا کی جائے پھر درود شریف پڑھا جائے پھر دعا کی جائے تو دعا قبول ہوتی ہے۔

یَـارَبِّ صَلِّ وَسَلِّـمْ دَائِمـاً اَبَداً
عَـلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

الفصل الثالث

اہل بیت پر درود بھیجنے کا ثواب

﴿۸۷۱﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یُّکْتَالَ بِالْمِکْیَالِ الْاَوْفٰی اِذَا صَلّٰی عَلَیْنَا اَهْلَ الْبَیْتِ فَلْیَقُلْ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَذُرِّیَّتِهٖ وَاَهْلِ بَیْتِهٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ۔ (رواہ أبوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱۴۱/ ۱، باب الصلاة علی النبی صلی الله علیه وسلم بعد التشهد، کتاب الصلاة، حدیث نمبر:۹۸۲۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "کہ جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ اس کو مکمل وزن کر کے دیا جائے یعنی بھرپور ثواب ملے تو اسے چاہئے کہ جب ہم اہل بیت پر درود بھیجے تو یہ درود پڑھے "اللهم صلی الخ" اے اللہ حضرت محمد نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت نازل فرما اور آپ کی ازواج مطہرات امہات المؤمنین پر اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذریت اور

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت پر جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرات ابراہیم علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائی، بے شک آپ بزرگ و برتر ہیں۔

تشریح: من سرہ: یعنی جس کو اچھا لگے، جس کو پسند ہو۔

یکتال: مطلب یہ ہے کہ حدیث باب میں جو درود مذکور ہے اس کے پڑھنے سے ثواب بہت ملتا ہے، جو چیزیں قلیل ہوتی تھیں، ان کو اہل عرب عام طور پر تولتے تھے اور جو زیادہ ہوتی تھیں، انکو ناپتے تھے، ناپ کے لئے کیل اور تولنے کے لئے وزن کا لفظ استعمال ہوتا ہے، یہاں اس درود پر بہت زیادہ ثواب ملنے کی طرف اشارہ کرنے کے لئے "یکتال" کا لفظ لائے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امی ہونا

الامی: ام کی طرف منسوب ہے، مطلب یہ ہے کہ جیسا ماں کے پیٹ سے آیا تھا ویسا ہی رہے کسی سے پڑھنا لکھنا نہیں سیکھا، عام آدمی کے لئے امی ہونا اچھی بات نہیں ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ صفت مدح بن گئی، اس وجہ سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امی ہونے کے باوجود جن بلند اخلاق کے حامل اور جن کمالات سے مزین تھے اس کا دوسروں سے تصور بھی نہیں ہوسکتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امی ہونے کے باوجود علوم ومعارف کا صدور، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کھلا ہوا معجزہ تھا۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا:

یتیمے کہ نا کردہ قرآں درست
کتب خانۂ چند ملت بہ شست

ترجمہ: جس یتیم نے لکھنا پڑھنا تک نہیں سیکھا کتنی ملتوں کے کتب خانوں کو

منسوخ کر دیا۔

فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

ہے لقب امی ولیکن جس طرف بھی دیکھئے

ان سے روشن عقل ودل، دین وفراست، علم وفن

یَـا رَبِّ صَـلِّ وَسَـلِّـمْ دَائِمـاً اَبَداً

عَـلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمٖ

درود نہ بھیجنے والا بخیل ہے

﴿۸۷۲﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَـلَّـی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْبَخِیْلُ الَّذِیْ مَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ یُصَـلِّ عَـلَـیَّ۔ (رَوَاهُ التِّـرْمِـذِیُّ وَرَوَاهُ اَحْـمَدُ عَنِ الْحُسَیْنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ غَرِیْبٌ)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۱۹۴، باب قول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رغم انف رجل، کتاب الدعوات، حدیث نمبر:۳۵۴۶۔مسند احمد: ۱/۲۰۱.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا'' کہ پورا بخیل ہے وہ شخص کہ جس کے سامنے میرا تذکرہ ہوا اور اس نے میرے اوپر درود نہیں بھیجا (ترمذی) اس حدیث کو احمدؒ نے حضرت حسین بن علیؓ سے روایت کیا ہے اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

تشریح: عام طور پر جو شخص مال میں بخل کرتا ہے، اس کو بخیل سمجھا جاتا ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فرمایا کہ بڑا بخیل وہ ہے جو اپنی سستی وغفلت کی بناء پر میرا تذکرہ سننے کے باوجود میرے اوپر درود نہ بھیجے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امت کے اوپر جو عظیم احسان ہے، اس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ ہمہ وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجنے سے زبان تر رہے لیکن اگر یہ نہیں کیا جا سکتا، تو کم از کم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود تو بھیجا جا سکتا ہے، اب اگر کوئی نام مبارک سننے کے باوجود اپنے اور پوری کائنات کے محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام تک نہیں بھیجتا جس میں ڈھیلا بھی خرچ نہیں ہوتا اس سے بڑھ کر بخیل کون ہوگا یقیناً وہ شخص ابخل الناس ہے۔

البخیل: گذشتہ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مذکور تھا "من سرہ ان یکتال بالمکیال الاوفی" یعنی جس کی خواہش ہو کہ اس کو بھرپور ثواب ملے تو وہ مجھ پر حدیث پاک میں موجود درود پڑھے، اب ایک شخص کے سامنے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک آیا اور اس نے نام مبارک سننے کے باوجود، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام نہیں بھیجا، تو اس شخص نے بخل سے کام لیا اور اپنے کو اس عظیم ثواب سے محروم کرلیا، اس بنا پر اس شخص کو بخیل کہا گیا ہے، ایک روایت میں تو "البخیل کل البخیل" کے الفاظ منقول ہیں کہ وہ پورا پورا بخیل ہے پکا بخیل ہے۔

یارب صل وسلم دائما ابداً

علی حبیبک خیر الخلق کلھم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پاس والے کے درود کو سننا

﴿۸۷۳﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ نَائِياً أُبْلِغْتُهُ۔ (رواه البیهقی فی شعب الایمان)

حواله: بیهقی شعب الایمان: ۲/۲۱۸، باب فی تعظیم النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث نمبر: ۱۵۸۳۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جس نے میری قبر کے پاس میرے اوپر درود بھیجا تو اس کو میں سنتا ہوں، اور جو شخص دور سے میرے اوپر درود بھیجتا ہے تو وہ میرے پاس پہنچایا جاتا ہے۔

تشریح: جو شخص بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے اگر کوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس کے پاس حاضر ہو کر درود وسلام بھیجتا ہے تو اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بغیر کسی واسطے کے خود سنتے ہیں، اور اگر کوئی دور دراز کا رہنے والا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہے تو کچھ فرشتے اسی کام کے لئے مقرر ہیں کہ وہ بھیجنے والے لوگوں کے درود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائیں، چنانچہ یہ فرشتے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک درود پہنچاتے ہیں، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قریب دور دونوں طرح کے لوگوں کے صلاۃ وسلام کا جواب مرحمت فرماتے ہیں۔

اس سے درود وسلام پڑھنے والے کے مقام ومرتبہ کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سلام کا جواب مرحمت فرماتے ہیں کیا ہی مرمٹنے کی چیز ہے۔

قبر اطہر علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام پر حاضری کی ترغیب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد عالی سے قبر اطہر علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام پر حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کی ترغیب بخوبی واضح ہے، اور اس سے محض اس مقصد کے لئے سفر کی ممانعت کرنے والوں کی تردید ہو جاتی ہے، اس لئے ممانعت کرنے والے اس ارشاد میں غور کریں اور بار بار غور کریں۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِماً اَبَداً
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمٖ

ستر رحمتوں کا نزول

﴿۸۷۴﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ مَنْ صَلّٰی عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاحِدَةً صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَمَلَائِکَتُهٗ سَبْعِیْنَ صَلَاةً۔ (رواه احمد)

حواله: مسند احمد: ۲/۱۸۷.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے، تو اس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے ستر رحمتیں نازل کرتے ہیں۔

تشریح: اس حدیث سے بندہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا خود اس کے حق میں کتنا زیادہ مفید ہے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک

مرتبہ درود بھیجنے والا اللہ اور اس کے معصوم فرشتوں کی طرف سے ستر رحمتوں کا مستحق بن جاتا ہے، یہ حدیث اگر چہ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے لیکن کوئی صحابی اپنی طرف سے کسی عمل کا ثواب بیان نہیں کر سکتا لامحالہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی اس کو بیان کیا ہوگا، اس وجہ سے یہ موقوف حدیث حکم میں مرفوع حدیث کے ہے۔

اشکال: پہلے حدیث میں گذر چکا کہ ایک مرتبہ درود شریف پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دس رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور اس حدیث پاک میں ستر رحمتوں کا ذکر ہے دونوں احادیث میں تعارض ہو گیا اس کی جوابات دئے گئے ہیں۔

جوابات

(۱) صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ ثواب جمعہ کے دن کے ساتھ مخصوص ہو اس وجہ سے کہ جمعہ کے دن اعمال کا ثواب ستر گنا بڑھ جاتا ہے اسی بناء پر ہر حج اکبر جو کہ جمعہ کے دن واقع ہوتا ہے اس کا ثواب ستر حجوں کے برابر ہے۔ (مرقات: ۱/۳۷۴)

(۲) اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اختلاف احوال پر محمول ہو کہ عام لوگوں کے درود شریف بھیجنے پر دس رحمتوں کا نزول ہوتا ہو اور جو شخص کمال خشوع وخضوع اور کمال الفت ومحبت اور کمال آداب کی رعایت کرتے ہوئے دورد شریف پڑھے اس پر ستر رحمتوں کا نزول ہوتا ہو۔

(۳) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اولاً دس رحمتوں کا نزول کا حکم ہوا اس کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا اور بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس کو دس سے بڑھا کر ستر فرما دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں اس کو بیان فرمایا۔ فقط

صلی اللہ علیہ والہ بحسب جماله وکماله

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا واجب ہونا

﴿۸۷۵﴾ وَعَنْ رُوَيْفِعٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلّٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَقَالَ اللّٰهُمَّ أَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِيْ۔

(رواه أحمد)

حواله: مسند أحمد:۴/۱۰۸.

ترجمه: حضرت رویفع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جس شخص نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا اور اس کے بعد یہ دعاء مانگی "اللهم انزله المعقد الخ" اے اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مقام پر اتار جو آپ کے نزدیک مقرب ہے، قیامت کے دن تو اس شخص کے لئے سفارش لازم ہوگی۔

تشریح: بندہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مقام محمود کے حاصل ہونے کی دعاء کرے، یہ بات تو طے ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام محمود ملے گا، چاہے کوئی دعا کرے یا نہ کرے کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ "وابعثه مقاما محمودا" لیکن جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ دعا کرے گا خود اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت لازم ہو جائے گی۔

"اللهم انزله المقعد المقرب" مراد اس سے مقام محمود ہے، ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں "المقرب عندک فی الجنة" اس روایت کی وجہ سے اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد "وسیلہ" ہے اور وسیلہ جنت میں سے اعلیٰ درجہ کا نام ہے، جو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص ہے ایک قول یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کے دو مقام ہیں۔

(۱)......عرشِ رحمٰن کے دائیں جانب وہ مقام جہاں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمائینگے۔

(۲)......دوسرے وہ مقام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت میں قیام کے لئے حاصل ہوگا۔

وجبت: مطلب یہ ہے کہ اس دعاء کے کرنے والے کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ضرور حاصل ہوگی، یوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر امتی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش حاصل ہوگی، لیکن اس دعاء کے کرنے والے کو خصوصی سفارش یعنی رفع درجات کی سفارش بھی حاصل ہوگی، یا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا مقصد اس کے حسن خاتمہ کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ جو کیا ہی عظیم بشارت اور کیا ہی مرمٹنے کی چیز ہے۔(مرقات:۲/۳۴۷)

اقسام شفاعت

قیامت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چند قسم کی شفاعت حاصل ہوگی:

(۱) شفاعت عظمیٰ یا شفاعت کبریٰ جو تمام اہل موقف کے لئے ہوگی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش سے حساب و کتاب شروع ہوگا اور تمام اہل محشر کو محشر کی پریشانی سے نجات حاصل ہوگی۔

(۲) ان خوش نصیب حضرات کے لئے جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش سے بلا حساب جنت میں داخل کیا جائے گا۔

(۳) مستحق جہنم لوگوں کے لئے کہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش سے بلا دخول جہنم ہی جنت میں داخل کیا جائے گا۔

(۴) ان لوگوں کے لئے جو جہنم میں داخل ہو چکے ان کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا۔

(۵) اہل جنت کے لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش سے ان کے درجات بلند کئے جائیں گے۔

(۶) بعض کافروں کے لئے کہ ان کے عذاب میں تخفیف کردی جائے گی جیسے ابوطالب۔

(۷) ان حضرات کے لئے جن کی وفات مدینہ طیبہ (زادھا اللہ شرفاً و کرامۃً) میں ہوئی جیسا کہ حدیث شریف میں موجود ہے۔ (ترجمہ روضۃ الاحباب: ۲۹۳)

شیخ سعدیؒ نے کیا ہی خوب فرمایا:

نماند بعصیاں کسے در گرو — کہ دارد چنیں سید پیشرو

چہ نعت پسندیدہ گویم ترا — علیک السلام اے نبی الوریٰ

شفاعت عظمیٰ

شفاعت کی ان تمام اقسام میں سب سے اہم شفاعت عظمیٰ ہے اسی کو شفاعت کبریٰ بھی کہتے ہیں اور ایک قول کے مطابق یہی ''مقام محمود'' ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام اہل محشر کی سفارش فرمائینگے جس میں تمام انبیاء علیہم السلام بھی ہوں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش سے ہی تمام اہل محشر کا حساب شروع ہوگا۔

فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہٗ نے اپنے ایک شعر اس کی طرف اشارہ فرمایا: شعر مع تشریح ملاحظہ ہو۔

اللہ اللہ رحمت حق ہے شفاعت پر نثار

ہے شفیع المذنبین کا آسرا بس اپنا دھن

وضاحت: محشر میں جب نفسی نفسی کا عالم ہوگا ساری مخلوق پریشان ہوگی اور پریشانی کی شدت سے آپس میں گتھم گتھا ہوں گے، شدت سے بے چین و بیتاب ہوکر چاہیں گے کہ جلد حساب و کتاب ہو جائے، اور اس پریشانی سے نجات ملے۔

ایک جماعت حضرت سیدنا وابونا آدم صفی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جائیگی عرض کرے گی کہ آپ حق تعالیٰ شانہ سے سفارش فرما دیجئے کہ جلد حساب و کتاب ہو جائے، حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے۔

لست لها میرا یہ مقام نہیں

ہاں تم حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جاو چنانچہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے، لیکن وہ بھی **لست لها** فرما دیں گے، اس طرح باری باری ہر نبیؑ دوسرے کے پاس جانے کا مشورہ دے گا اور وہ معذرت فرما دیں گے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے پاس بھی یہی جواب ملے گا تا آنکہ یہ جماعت حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سفارش کی درخواست لے کر پہونچیں گیں، جس کو سن کر حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے **انا لها** یہ میرا ہی مقام ہے اور سربسجود ہوکر حق تعالیٰ شانہ کی حمد و ثنا فرمائیں گے کہ وہ کلمات حمد و ثنا بھی اسی وقت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو الہام کئے جائیں گے۔

اس حمد و ثنا کے بعد حق تعالیٰ شانہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمائینگے:

یا محمد ارفع راسک	اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سر اٹھاؤ، اور کہو
وقل یسمع لک وسل	آپ کی بات سنی جائے گی آپ سوال کیجئے
تعطه واشفع تشفع	آپ کو دیا جائے گا آپ سفارش فرمایئے آپ کی سفارش قبول کی جائے گی۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فاقول یارب امتی امتی	میں عرض کروں گا اے میرے پروردگا! میری امت میری امت......

حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے حکم ہوگا:

انطلق فمن کان فی قلبه مثقال حبة من برة او شعیرة من ایمان فاخرجه منها.	آپ جائیے پس جس کے دل میں گیہوں یا جو کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو اسکو نکال لو۔ (اور جنت میں داخل کردو)

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جائیں گے اور جن کے دل میں گیہوں یا جو کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا ان سب کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل فرمائیں گے اور واپس آکر سربسجود ہو کر حق اللہ تعالیٰ شانہ کی حمد وثنا فرمائیں گے حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے پھر ارشاد ہوگا۔

یا محمد ارفع رأسک وقل یسمع بک وسل تعطه واشفع تشفع	اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سر اٹھائیے اور کہئے آپ کی بات سنی جائے گی اور آپ سوال کیجئے آپ کا سوال پورا کیا جائے گا سفارش فرمائیے آپ کی سفارش قبول کی جائے گی۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوال کریں گے:

یارب امتی امتی.	اے میرے پروردگار! میری امت میری امت!

پروردگار عالم تعالیٰ شانہ وجل اسمہ کی طرف سے پھر ارشاد ہوگا:

انطلق فمن کان فی قلبه مثقال حبة من خردل من ایمان فاخرجه منها.	آپ جائیے پس جس کے قلب میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو اس کو بھی جہنم سے نکال لو۔

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جائیں گے اور جن کے قلوب میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا ان سب کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل فرمائیں گے اور واپس ہو کر پھر سربسجود ہو کر جناب باری تعالیٰ عز اسمہ کی حمد وثنا میں مشغول ہو جائیں گے۔

پروردگار عالم کی طرف سے پھر ارشاد ہوگا:

یا محمد ارفع رأسک	اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سر اٹھایئے اور کہئے
وقل یسمع بک وسل	آپ کی بات سنی جائے گی اور آپ سوال کیجئے
تعطہ واشفع تشفع	آپ کا سوال پورا کیا جائے گا ۔ سفارش فرمائیے آپ کی ۔ سفارش قبول کی جائے گی۔

رحمت عالم شفیع المذنبین محبوب پروردگار صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پھر وہی درخواست ہوگی۔

یارب امتی امتی.	اے میرے پروردگار! میری امت میری امت!

رحمٰن ورحیم رب العالمین تعالیٰ شانہ کی طرف سے ارشاد ہوگا:

انطلق فمن کان فی قلبہ	آپ جایئے اور جس کے دل میں رائی کے دانہ
ادنیٰ ادنیٰ حبۃ من خردل من	سے بھی ادنیٰ ادنیٰ درجہ ایمان ہو اس کو بھی جہنم
ایمان فاخرجہ منھا.	سے نکال لیجئے۔

محبوب رب العالمین رحمت للعالمین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جائیں گے اور جن کے قلوب میں رائی کے دانہ سے بھی ادنیٰ ادنیٰ درجہ ایمان ہوگا ان سب کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل فرمائیں گے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو جمع الفوائد: ۳۰۲و۲/۳۰۳)

لست لھا فرمائیں گے اور نبی
میرے نبی کی زبان پر انا لھا ہوگا

مذکورہ بالا حدیث پاک کے مضمون سے حق تعالیٰ شانہ کی رحمت کا حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر نثار ہونا خوب واضح ہے۔ (نعت محمود الملقب بہ وصف محبوب صلی اللہ علیہ وسلم: ۱۹۹ تا ۲۰۲)

یــارب صــل وسـلـم دائـمـا ابداً

عـلى حبيبک خير الخلق كلهم

درود وسلام کا مقام ومرتبہ

﴿۸۷۶﴾ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى دَخَلَ نَخْلًا فَسَجَدَ فَاَطَالَ السُّجُوْدَ حَتّٰى خَشِيْتُ اَنْ يَكُوْنَ اللّٰهُ تَعَالٰى قَدْ تَوَفَّاهُ قَالَ فَجِئْتُ اَنْظُرُ فَرَفَعَ رَأْسَهٗ فَقَالَ مَالَكَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهٗ قَالَ فَقَالَ اِنَّ جِبْرَئِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ لِيْ اَلَا اُبَشِّرُكَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُوْلُ لَكَ مَنْ صَلّٰى عَلَيْكَ صَلَاةً صَلَّيْتُ عَلَيْهِ وَمَنْ سَلَّمَ عَلَيْكَ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ۔ (رواہ أحمد)

حواله: مسند أحمد: ۱۹۱/۱.

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکل کر کھجور کے ایک باغ میں تشریف لے گئے اور وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں پڑ گئے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ اتنا لمبا کیا کہ مجھے خوف ہوا کہ کہیں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات تو نہیں دے

دی، چنانچہ میں دیکھنے کے لئے آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور فرمایا کیا ہوا؟ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صورت حال ذکر کی، راوی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کہ'' بے شک جبرئیل امین علیہ السلام تشریف لائے اور مجھ سے کہا کہ میں آپ کو بشارت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ عز وجل فرماتے ہیں کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے گا میں اس پر درود بھیجوں گا اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجے گا اس پر میں سلام بھیجوں گا۔

تشریح: جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے، تو اللہ جل شانہ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے "ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء" یہی وہ عظیم بشارت تھی جس کو سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سجدہ شکر کو اتنا لمبا کیا کہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو یہ خیال گذرا کہ خدانخواستہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت تو نہیں ہو گئے۔

حتی دخل نخلا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد یا مکان سے نکل کر کھجور کے باغ میں داخل ہوئے ایک روایت کے الفاظ ہیں '' فاستقبل القبلۃ راکعا'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر سجدہ ریز ہو گئے۔

فجئت انظر: حضرت عبدالرحمٰن ؓ کہتے ہیں کہ سجدہ کی طوالت سے مجھے یہ خیال ہوا کہ کہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واصل بحق تو نہیں ہو گئے، چنانچہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آیا، تا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریب سے دیکھ کر صحیح کیفیت کا اندازہ کروں۔

فقال مالک: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن ؓ کے چہرہ سے پریشانی کی علامت کو محسوس کر کے فرمایا کہ کیا بات ہے؟ ایک روایت کے الفاظ ہیں ''قال من

ھــذا“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ یہ کون ہے؟ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے جب اپنا نام بتایا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا بات ہے؟ تو حضرت عبدالرحمٰنؓ نے اپنے خوف زدہ ہونے کی وجہ بتائی ،تب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کو جبرئیل امین کی آمد اور جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ سنائی گئی خوش خبری سے واقف کیا، مسند احمد کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں ”فسجدت شکراً للہ“ یعنی میں سجدہ میں جو گیا وہ اس بشارت کو سن کر اللہ تعالیٰ کی شکر گذاری کی بناء پر کیا تھا۔ مرقات:۳۴۸/۲)

یــا رب صــل وسـلـم دائـمـاً ابـداً

علـیٰ حبیبک خیـر الـخـلق کلهم

درود شریف کے بغیر دعا قبول نہیں ہوتی

﴿۸۷۷﴾ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ اِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوفٌ بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَایَصْعَدُ مِنْہُ شَیْءٌ حَتّٰی تُصَلِّیَ عَلٰی نَبِیِّکَ۔ (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱۱۰/۱، باب فضل الصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب الوتر، حدیث نمبر:۴۸۶۔

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ دعاء اس وقت تک آسمان وزمین کے درمیان معلق رہتی ہے اور اس میں سے کوئی چیز اوپر نہیں چڑھتی، جب تک تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہیں بھیجتے۔

تشریح: دعاء میں درود شریف کو ضرور شامل کیا جائے اگر درود شریف کو شامل کرلیا

جائے تو دعا ضرور قبول ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ درود شریف کو ضرور قبول کرتے ہیں تو درود شریف کے ساتھ دعا بھی قبول کرلیں گے، دعا کے پہلے اور دعاء کے اختتام پر دونوں مواقع پر درود شریف پڑھنا چاہئے۔

ان الدعاء موقوف: صاحب مرقات لکھتے ہیں ممکن ہے کہ یہ حدیث موقوف ہو، یعنی حضرت عمر بن خطابؓ کا اپنا قول ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر کہی ہو، ایسی صورت میں یہ حدیث مرفوع ہوگی، محققین کہتے ہیں کہ اس قسم کی روایات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اپنی طرف سے نقل نہیں فرماتے، بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سن کر ہی بیان فرماتے ہیں، حصن حصین میں ابو سلیمان الدارمی نے لکھا ہے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ سے کسی حاجت کا سوال کرے، تو شروع میں درود شریف پڑھے، اس کے بعد جو چاہے دعاء مانگے، پھر آخر میں درود شریف پڑھے، اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے جب درود شریف کو قبول فرمائیں گے تو دعاء بھی قبول فرمالیں گے۔ (مرقات: ۳۴۸ ج ۲)

یا رب صل وسلم دائماً ابداً — علیٰ حبیبک خیر الخلق کلهم

فوائد متفرقہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا محدث سہارنپوری ومہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ کی تالیف فضائل درود شریف سے فوائد متفرقہ کو ملخصاً لیا گیا ہے۔

کوئی تفصیل دیکھنا چاہے تو اصل فضائل درود شریف کی طرف رجوع کرے کہ اس موضوع پر بے نظیر کتاب ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک پر سیدنا، کا اضافہ

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کے ساتھ شروع میں "سیدنا" کا لفظ بڑھا دینا مستحب ہے، درمختار میں لکھا ہے کہ سیدنا کا بڑھا دینا مستحب ہے، اس لئے کہ ایسی چیز کی زیادتی جو واقعہ میں ہو وہ عین ادب ہے جیسا کہ رملیؒ شافعیؒ وغیرہ نے کہا ہے یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سید ہونا ایک امر واقعی ہے لہٰذا اس کے بڑھانے میں کوئی اشکال کی بات نہیں، بلکہ ادب یہی ہے، لیکن بعض لوگ اس سے منع کرتے ہیں، غالباً ان کو ابوداؤد شریف کی ایک حدیث سے اشتباہ ہو رہا ہے، ابوداؤد شریف میں ایک صحابی ابومطرفؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ میں ایک وفد کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا "انت سیدنا" آپ ہمارے سردار ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "السید اللہ" یعنی حقیقی سید تو اللہ ہی ہے اور یہ ارشاد عالی بالکل صحیح ہے، یقیناً حقیقی سیادت اور کمال سیادت اللہ ہی کے لئے ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر سیدنا کا بڑھانا ناجائز ہے، بالخصوص جب کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد جیسا کہ مشکوۃ میں بروایۃ شیخین (بخاری

ومسلم) حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا گیا ہے کہ "انا سید الناس یوم القیامۃ۔(الحدیث) کہ میں لوگوں کا سردار ہوں گا قیامت کے دن اور دوسری حدیث میں مسلم کی روایت سے نقل کیا ہے "انا سید ولد آدم یوم القیامۃ" کہ میں قیامت کے دن اولادِ آدم علیہ السلام کا سردار ہوں گا، نیز بروایۃ ترمذی حضرت ابو سعید خدریؓ کی حدیث سے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے "انا سید ولد آدم یوم القیامۃ ولافخر" کہ میں قیامت کے دن اولادِ آدم علیہ السلام کا سردار ہوں گا اور کوئی فخر کی بات نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک پر "مولانا" کا اضافہ

اسی طرح سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک نام پر مولانا کا لفظ بھی تقاضائے ادب ہے حالانکہ بعض لوگ اس کو بھی پسند نہیں کرتے لیکن اس میں کوئی مضائقہ نہیں مشکوٰۃ شریف میں بروایت شیخین حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد حضرت زید بن حارثہؓ کے متعلق "انت اخونا ومولانا" وارد ہے، نیز بروایت مسند احمد وترمذی حضرت زید بن ارقمؓ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" یعنی جس کا میں مولےٰ ہوں علیؓ اس کے مولا ہیں، یہ حدیث مشہور ہے متعدد صحابۂ کرامؓ سے نقل کی گئی ہے، ملا علی قاریؒ اس حدیث کی شرح میں نہایہ سے لکھتے ہیں کہ مولےٰ کا اطلاق بہت سے معنی پر آتا ہے، جیسے ربّ اور مالک اور سیّد اور منعم یعنی احسان کرنے والا اور معتق یعنی غلام آزاد کرنے والا اور ناصر (مددگار) اور محبّ اور تابع اور پڑوسی اور چچازاد بھائی اور حلیف وغیرہ وغیرہ بہت سے معنی گنوائے ہیں اس لئے ہر ایک کے مناسب معنی مراد ہوں گے، جہاں "اللہ مولانا ولا مولا لکم" وارد ہوا ہے وہاں رب کے معنی میں ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک پر آیا ہے جیسا "من کنت مولاہ فعلی مولاہ"

وہاں ناصر اور مددگار کے معنی ہے میں لہٰذا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اسکے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں اور ممانعت کرنے والوں کے پاس کوئی دلیل نہیں اور جو دلیل پیش کرتے اسکا جواب ہوگیا۔ فقط

تحریروں میں نام مبارک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف لکھنا

آداب میں سے یہ ہے کہ اگر کسی تحریر میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک نام گذرے تو وہاں بھی درود شریف لکھنا چاہئے، محدثین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے یہاں اس مسئلہ میں انتہائی تشدد ہے کہ حدیث پاک لکھتے ہوئے کوئی ایسا لفظ نہ لکھا جائے جو استاذ سے نہ سنا ہو حتیٰ کہ اگر کوئی لفظ استاد سے غلط سنا ہو تو اس کی بھی یہ حضرات نقل میں بعینہ اسی طرح لکھنا ضروری سمجھتے ہیں جس طرح استاذ سے سنا ہے، اس کو صحیح کر کے لکھنے کی اجازت نہیں دیتے، اسی طرح اگر توضیح کے طور پر کسی لفظ کے اضافہ کی ضرورت سمجھتے ہیں تو اس کو استاذ کے کلام سے ممتاز کر کے لکھنا ضروری سمجھتے ہیں تا کہ یہ شبہ نہ ہو کہ یہ لفظ بھی استاذ نے کہا تھا، ان سب کے باوجود جملہ حضرات محدثین اس کی تصریح فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی آئے تو درود شریف لکھنا چاہئے اگرچہ استاذ کی کتاب میں نہ ہو، جیسا کہ امام نوویؒ نے شرح مسلم شریف کے مقدمہ میں اس کی تصریح کی ہے اسی طرح امام نوویؒ تقریب میں اور علامہ سیوطیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں، ضروری ہے یہ بات کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کے وقت زبان کو اور انگلیوں کو درود شریف کے ساتھ جمع کرے یعنی زبان سے درود شریف پڑھے اور انگلیوں سے لکھے بھی اور اس میں اصل کتاب کا اتباع نہ کرے اگرچہ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اصل کا اتباع کرے۔ انتہی

لفظ صلعم سے احتراز

علماء نے اس بات کو مستحب بتایا ہے کہ اگر تحریر میں بار بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک نام آئے تو بار بار درود شریف لکھے اور پورا درود شریف لکھے اور کاہلوں اور جاہلوں کی طرح سے صلعم وغیرہ الفاظ کے ساتھ اشارہ پر قناعت نہ کرے۔

چند احادیث مبارکہ

اس کے بعد علامہ سخاویؒ نے اس سلسلہ میں چند حدیثیں بھی نقل کی ہیں وہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص کسی کتاب میں میرا نام لکھے فرشتے اس وقت تک لکھنے والے پر درود بھیجتے رہتے ہیں جب تک میرا نام اس کتاب میں رہے، حضرت ابو بکر صدیقؓ سے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص مجھ سے کوئی علمی چیز لکھے اور اس کے ساتھ درود شریف بھی لکھے اس کا ثواب اس وقت تک ملتا رہے گا جب تک وہ کتاب پڑھی جائے، حضرت ابن عباسؓ سے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص مجھ پر کسی کتاب میں درود شریف لکھے اس وقت تک اس کو ثواب ملتا رہے گا، جب تک میرا نام اس کتاب میں رہے۔

علمائے حدیث کا مقام

علامہ سخاویؒ نے متعدد روایات سے یہ مضمون بھی نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن علماء حدیث حاضر ہونگے اور ان کے ہاتھوں میں دواتیں ہوں گی (جن سے وہ حدیث لکھتے تھے) اللہ جل شانہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمائیں گے ان سے پوچھو یہ کون ہیں اور کیا چاہتے

ہیں، وہ عرض کرینگے کہ ہم حدیث لکھنے پڑھنے والے ہیں، وہاں سے ارشاد ہوگا کہ جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ تم میرے حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود شریف بھیجتے تھے، علامہ نوویؒ تقریب میں اور علامہ سیوطیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہ ضروری ہے کہ درود شریف کی کتابت کا بھی اہتمام کیا جائے، جب بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک نام گذرے اور اس کے بار بار لکھنے سے اکتاوے نہیں اس واسطے کہ اس میں بہت ہی زیادہ فوائد ہیں اور جس نے اس میں تساہل کیا بہت بڑی خیر سے محروم رہ گیا۔

چند خواب

حضرت سفیان بن عیینہؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ میرا ایک دوست تھا وہ مر گیا تو میں نے اس کو خواب میں دیکھا میں نے اس سے پوچھا کہ کیا معاملہ گذرا اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مغفرت فرمادی میں نے کہا کس عمل پر اس نے کہا کہ میں حدیث پاک لکھا کرتا تھا اور جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک نام آتا تھا تو میں اس پر صلی اللہ علیہ وسلم لکھا کرتا تھا اسی پر میری مغفرت ہوگئی، ابوالحسن میمونیؒ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے استاذ ابو علی کو خواب میں دیکھا ان کی انگلیوں کے اوپر کوئی چیز سونے یا زعفران کے رنگ سے لکھی ہوئی تھی، میں نے ان سے پوچھا یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ میں حدیث پاک کے اوپر صلی اللہ علیہ وسلم لکھا کرتا تھا، حسن بن محمدؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ کو خواب میں دیکھا انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ کاش تو یہ دیکھتا کہ ہمارا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کتابوں میں درود لکھنا کیسا ہمارے سامنے روشن اور منور ہو رہا ہے۔ (بدیع)

یَـارَبِّ صَـلِّ وَسَـلِّـمْ دَائِمـاً اَبَداً
عَـلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

کن کن موقعوں پر درود شریف پڑھنا چاہئے

علامہ سخاویؒ نے قول بدیع میں مستقل ایک باب ان درودوں کے بارے میں تحریر فرمایا ہے جو اوقات مخصوصہ میں پڑھے جاتے ہیں اور اس میں یہ مواقع گنوائے ہیں:

وضو اور تیمم سے فراغت پر اور غسل جنابت اور غسل حیض سے فراغت پر نیز نماز کے اندر اور نماز سے فراغ پر اور نماز قائم ہونے کے وقت اور اس کا مؤکد ہونا صبح کی نماز کے بعد اور مغرب کے بعد اور التحیات کے بعد اور قنوت میں اور تہجد کے لئے کھڑے ہونے کے وقت اور اس کے بعد اور مساجد پر گذرنے کے وقت اور مساجد کو دیکھ کر اور مساجد میں داخل ہونے کے وقت اور مساجد سے باہر آنے کے وقت اور اذان کے جواب کے بعد اور جمعہ کے دن میں اور جمعہ کی رات میں اور شنبہ کو اتوار کو پیر کو منگل کو اور خطبہ میں جمعہ کے اور دونوں عیدوں کے خطبے میں اور استسقاء کی نماز کے بعد اور کسوف کے اور خسوف کے خطبوں میں اور عیدین اور جنازہ کی تکبیرات کے درمیان میں اور میت کے قبر میں داخل کرنے کے وقت اور شعبان کے مہینے میں اور کعبہ شریف پر نظر پڑنے کے وقت اور حج میں صفا، مروہ پر چڑھنے کے وقت اور لبیک سے فراغت پر اور حجر اسود کے بوسہ کے وقت اور ملتزم سے چمٹنے کے وقت اور عرفہ کی شام کو اور منٰی کی مسجد میں اور مدینہ منورہ پر نگاہ پڑنے کے وقت اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے وقت اور رخصت کے وقت اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار شریفہ اور گذرگاہوں اور قیامگاہوں جیسے بدر وغیرہ پر گذرنے کے وقت اور جانوروں کو ذبح کرنے کے وقت اور تجارت کے وقت اور وصیت کے لکھنے کے وقت نکاح کے خطبے میں، دن کے اول آخر میں سونے کے وقت اور سفر کے وقت اور سواری پر سوار ہونے کے وقت اور جس کو نیند کم آتی ہو اس کے لئے اور بازار جانے کے وقت دعوت میں جانے کے

وقت اور گھر میں داخل ہونے کے وقت اور رسالے شروع کرنے کے وقت اور بسم اللہ کے بعد اور غم کیوقت بیچینی کے وقت سختیوں کے وقت اور فقر کی حالت میں اور ڈوبنے کے موقع پر اور طاعون کے زمانہ اور دعا کے اول اور آخر اور درمیان میں کان بجنے کے وقت پاؤں سونے کے وقت چھینک آنے کے وقت اور کسی چیز کو رکھ کر بھول جانے کے وقت اور کسی چیز کے اچھا لگنے کے وقت اور مولی کھانے کے وقت اور گدھے کے بولنے کے وقت اور گناہ سے توبہ کے وقت اور جب ضرورتیں آویں اور ہر حال میں اور اس شخص کے لئے جس کو کچھ تہمت لگائی گئی ہو اور وہ اس سے بری ہو اور دوستوں سے ملاقات کے وقت اور مجمع کے اجتماع کے وقت اور ان کے علیحدہ ہونے کے وقت اور قرآن پاک کے ختم کے وقت اور قرآن پاک کے حفظ کرنے کی دعا میں اور مجلس سے اٹھنے کے وقت اور ہر اس جگہ میں جہاں اللہ کے ذکر کے لئے اجتماع کیا جاتا ہو اور ہر کلام کے افتتاح میں اور جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہو علم کی اشاعت کے وقت حدیث پاک کی قراءت کے وقت فتوے اور وعظ کے وقت اور جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لکھا جائے۔

علامہ سخاویؒ نے اوقات مخصوصہ کے باب میں یہ مواقع ذکر کئے ہیں اور پھر ان کی تائید میں روایات اور آثار ذکر کئے ہیں، اختصاراً صرف مواقع کے ذکر پر اکتفا کیا گیا، البتہ ایک بات قابل تنبیہ یہ ہے کہ سخاویؒ شافعیؒ المذہب ہیں اور یہ سب مواقع شافعیہ کے یہاں مستحب ہیں حنفیہ کے نزدیک چند مواقع میں مستحب نہیں بلکہ مکروہ ہے۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں کہ درود شریف نماز کے قعدۂ اخیرہ میں مطلقاً اور سنتوں کے علاوہ بقیہ نوافل کے اولے میں بھی اور نماز جنازہ میں بھی سنت ہے اور جن اوقات میں بھی پڑھ سکتا ہو پڑھنا مستحب ہے، بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو اور علماء نے تصریح کی ہے اس کے استحباب کی جمعہ کے دن میں اور اس کی رات میں اور شنبہ کو، اتوار کو، جمعرات کو اور صبح، شام اور مسجد کے داخل

ہونے میں اور نکلنے میں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے وقت اور صفا مروہ پر، جمعہ وغیرہ کے خطبہ میں، اذان کے جواب کے بعد اور تکبیر کے وقت اور دعا مانگنے کے شروع میں، بیچ میں اور اخیر میں اور دعا قنوت کے بعد اور لبیک سے فراغت کے بعد اور اجتماع اور افتراق کے وقت، وضو کے وقت، کان کے بجنے کے وقت اور کسی چیز کے بھول جانے کے وقت، وعظ کے وقت، علوم کی اشاعت کے وقت، حدیث کی قراءت کے ابتدا میں اور انتہا میں، استفتاء اور فتویٰ کی کتابت کے وقت اور ہر مصنف اور پڑھنے پڑھانے والے کے لئے اور خطیب کے لئے اور منگنی کرنے والے کے لئے، اپنا نکاح کرنے والے کے لئے، دوسرے کا نکاح کرنے کے لئے اور رسالوں میں اور اہم امور کے شروع کے وقت اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک نام لینے یا سننے یا لکھنے کے وقت۔

سات اوقات میں درود شریف مکروہ ہے

سات اوقات میں درود شریف پڑھنا مکروہ ہے صحبت کے وقت، پیشاب پاخانہ کیوقت، بیچنے کی چیز کی تشہیر کے لئے، ٹھوکر کھانے کے وقت، تعجب کے وقت، جانور کے ذبح کرنے کے وقت، چھینک کے وقت، اسی طرح قرآن پاک کی قراءت کے درمیان میں اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک نام آئے تو درمیان میں درود شریف نہ پڑھے۔

یا رب صل وسلم دائماً ابداً

علیٰ حبیبک خیر الخلق کلھم

❁❁❁

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب الدعاء فی التشهد

رقم الحدیث:...... ۸۷۸ تا ۸۹۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿باب الدعاء فی التشهد﴾

تشہد میں دعاء پڑھنے کا بیان

آخری تشہد میں درود کے بعد سلام سے پہلے دعاء پڑھنا سنت ہے، بہتر یہ ہے کہ وہ دعائیں مانگی جائیں، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں، کیوں کہ یہ دعائیں دنیا وآخرت کے مقاصد کو جامع ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو متوجہ کرنے والی ہیں، تشہد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو دعائیں منقول ہیں، یا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہؓ کو سکھائی ہیں، ان کے علاوہ دعا کرنا یعنی ماثورہ کے علاوہ دعاء پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ حنفیہ کے یہاں ماثورہ دعاء پڑھنا افضل ہے، لیکن دیگر دعاؤں کی بھی گنجائش ہے، البتہ ایسی دعائیں درست نہیں ہیں، جو کلام الناس سے مشابہت رکھتی ہوں، حنفیہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس کی وضاحت باب کے تحت موجود حدیث میں ہوگی "ان هذه الصلاة لايصلح فيها شی من كلام الناس" امام شافعیؒ کے یہاں ہر قسم کی دعاء مانگنے کی گنجائش ہے، وہ عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں "ثم ليتخير من الدعا اعجبه" (یعنی جو دعاء پسند ہو مانگو) حنفیہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی دعائیں منقول ہیں، ان میں اختیار ہے کہ جو چاہو مانگو، اس توجیہ سے تمام احادیث میں تطبیق بھی ہو جائے گی، آگے جو احادیث آرہی ہیں، ان میں بہت سی ان دعاؤں کا ذکر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قعدہ اخیرہ میں مانگی ہیں، یا جن کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو تعلیم دی ہے، تفصیل احادیث کے ضمن میں دیکھی جائے۔

﴿الفصل الاول﴾

تشہد کی مسنون دعاء

﴿۸۷۸﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ يَدْعُوْ فِي الصَّلَاةِ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَفِتْنَةِ الْمَمَاتِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْمَأْثَمِ وَالْمَغْرَمِ فَقَالَ لَهُ قَائِلٌ مَا اَكْثَرَ مَاتَسْتَعِيْذُ مِنَ الْمَغْرَمِ فَقَالَ اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا غَرِمَ حَدَّثَ فَكَذَبَ وَوَعَدَ فَاَخْلَفَ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱/۱۱۵، باب الدعاء قبل السلام، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۸۲۴. مسلم شریف: ۱/۲۱۷، باب استحباب التعوذ من عذاب القبر، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، حدیث نمبر: ۵۸۹۔

حل لغات: المسیح: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب ہے۔ دجال کو مسیح دجال کہتے ہیں۔ ن مسحاء ومسحی، مسح (ف) مسوحاً فی الارض زمین پر کہیں

جانا۔ **الشي مسحا** کسی آلودہ، یا بھیگی چیز کو پونچھنا، **الدجال** انتہائی جھوٹا مسیح کذاب کالقب ہے، جس کا آخر زمانہ میں ظہور ہوگا، **دجل (ن) دجلا** جھوٹ بولنا فریب دینا، **المأثم:** گناہ، **أثم (س) إثما ومأثما**، جرم کرنا، **المغرم (ج) مغارم**، قرض، **غرم (س) غرماً** غیر لازم چیز کا ذمہ دار ہونا۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں (یعنی تشہد میں) یہ دعاء مانگتے تھے "**اللھم انی اعوذبک من عذاب القبر الخ**" اے اللہ میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں قبر کے عذاب سے اور میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں، مسیح دجال کے فتنہ سے، اور میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں زندگی کے فتنوں سے موت کی فتنوں سے، اے اللہ میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں، گناہ سے اور قرض سے، ایک صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ تعجب کی بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرض سے بہت پناہ مانگتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان جب قرض دار ہوتا ہے تو باتیں بناتا ہے، اور جھوٹ بولتا ہے، وعدہ کرتا ہے، وعدہ خلافی کرتا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں جو دعاء مذکور ہے وہ دعاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قعدہ اخیرہ میں التحیات اور درود شریف کے بعد فرماتے تھے اس دعاء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند چیزوں سے پناہ مانگی ہے۔

(۱)......قبر کے عذاب سے پناہ چاہی ہے۔

(۲)......قرب قیامت کے وقت ظاہر ہونے والے کذاب سے پناہ مانگی ہے یہ کذاب نبوت کا دعویٰ کرے گا، پھر اپنے خدا ہونے کا دعویدار ہوگا، شیطان کی پوری اعانت اس کو حاصل ہوگی۔

(۳)......زندگی کے فتنوں سے یعنی ان آزمائشوں سے پناہ مانگی ہے، جن میں صبر ورضا کا دامن انسان کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔

(۴)......موت کے فتنوں یعنی حالت نزع میں شیطان کے وساوس ڈالنے وغیرہ کے فتنوں سے پناہ مانگی ہے۔

(۵)...... ہر قسم کے گناہ اور ایسے قرض سے جس کی بناء پر جھوٹ اور وعدہ خلافی کا ارتکاب ہوتا ہے پناہ مانگی ہے۔

یدعو فی الصلاۃ: نماز میں دعاء مانگتے تھے، مراد یہ ہے کہ نماز کے اخیر میں تشہد سے پہلے دعا مانگتے تھے جیسا کہ اگلی حدیث میں اس کی وضاحت بھی موجود ہے "اذا فرغ احدکم من التشهد الآخر فلیتعوذ باللہ من اربع الخ" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص آخری تشہد سے فارغ ہو جائے تو اسے چاہئے کہ چاروں چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگے۔

عذاب قبر

اعوذبك من عذاب القبر: اے اللہ میں قبر کے عذاب سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں، اس حدیث سے خوب اچھی طرح یہ بات ثابت ہوئی کہ عذاب قبر ثابت ہے۔

معتزلہ کا مذہب اور ان کی تردید: معتزلہ کہتے ہیں کہ عذاب قبر کوئی چیز نہیں ہے، قبر میں کسی کو عذاب وثواب نہیں ہوگا، حالانکہ کہ قرآن مجید کی تقریباً دس آیات میں اشارۃً اور حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ستر احادیث متواترہ میں صراحت کے ساتھ عذاب قبر کا ثبوت ملتا ہے، کسی مسلمان کے لئے اس میں شک وشبہ کی ذرہ برابر گنجائش نہیں ہے، معتزلہ کی طرف سے بعض عامیانہ باتیں پیش کی جاتی ہیں کہ دنیا

میں عذاب وثواب نظر نہیں آتا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کا نظر نہ آنا اس بات کی ہرگز دلیل نہیں ہے کہ وہ چیز موجود نہیں ہے، ہوا، جنات، فرشتے، نظر نہیں آتے، لیکن ان کا وجود ہے، اصل بات یہ ہے کہ عذاب وثواب کا تعلق دوسرے عالم سے ہے، اس کو عالم دنیا پر قیاس کرنا غلط ہے۔

''سورہ والنازعات'' میں موت کے وقت فرشتوں کا آنا اور انسان کی روح قبض کرکے آسمان کی طرف لیجانا، پھر اس کے اچھے یا برے ٹھکانے پر جلدی سے پہنچا دینا اور وہاں ثواب یا عذاب، تکلیف یا راحت کے انتظامات کر دینا مذکور ہے۔ (معارف القرآن)

فتنہ دجال

واعوذبک من فتنۃ المسیح الدجال: میں تیری پناہ چاہتا ہوں مسیح دجال کے فتنہ سے، مطلب یہ ہے کہ فتنہ کے ابتلاء وآزمائش میں پڑنے سے پناہ مانگتا ہوں۔

مسیح دجال

دجال کے معنی ہیں، کذاب اور مکار کے، اس اعتبار سے تو ہر گمراہ کرنے والے کو دجال کہا جاسکتا ہے، لیکن اخیر زمانہ میں جو دجال ظاہر ہوگا، اور جس کے فتنہ سے دعاء میں پناہ مانگی گئی ہے، وہ مسیح دجال ہے، مسیح اس کو کہا گیا ہے اس کی وجہ صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ مسیح فعیل کے وزن پر ممسوح کے معنی میں ہے، اس کی ایک آنکھ ممسوح ملی ہوئی، بالکل سپاٹ ہوگی یعنی وہ کانا ہوگا، یا پھر وہ ہر خیر سے دور ہوگا، اس وجہ سے اس کو مسیح کہا جاتا ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ مسیح فعیل کے وزن پر مساحت سے فاعل کے معنی میں ہے، وہ کچھ ہی مدت میں سوائے مکہ اور مدینہ کے تمام دنیا میں پھر لیگا، اس وجہ سے اس کو مسیح کہا جاتا ہے، حضرت عیسیٰ

علیہ السلام کا جو مسیح لقب ہے وہ بہت مبارک ہے، ان کا لقب اس وجہ سے ہے کہ وہ مریض کو چھوتے تھے اور اللہ کے حکم سے مریض کا مرض دور ہو جاتا تھا، یا پھر اس وجہ سے مسیح لقب ہے کہ وہ زمین پر بہت چل پھر کر دعوت و تبلیغ کا کام کرتے تھے۔(تلخیص مرقات:۲/۳۴۹)

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی متعدد احادیث میں قیامت کے قریب دجال کے ظہور کی اطلاع دی گئی ہے، اور بتایا گیا ہے کہ دجال کا فتنہ قیامت سے پہلے واقع ہونے والے فتنوں میں عظیم تر فتنہ ہوگا، وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا اور نقلی جنت وجہنم بنا کر لوگوں کو دکھائے گا جب کہ فی الواقع جس کو وہ جنت کہے گا وہ جہنم ہوگی، اور جس کو جہنم کہے گا وہ جنت ہوگی، دجال کی یہ جنت اور جہنم اس کی جادوگری اور نظر فریبی کا نتیجہ ہوگی، دجال ایک آنکھ سے کانا ہوگا اور صحیح روایات میں ہے کہ اس کی آنکھ میں انگور کے دانے جیسا پھولا ہوگا، اس کی پیشانی پر دونوں آنکھوں کے درمیان، ک، ف، ر، لکھا ہوا ہوگا، جو سب کو نظر آئے گا، ان سب علامات کے باوجود خدا ناآشنا اور بعض ضعیف الایمان اس کے استدراجی کرشموں سے متاثر ہو کر اس کی خدائی کے دعویٰ کو مان لیں گے لیکن جن کو دولت ایمان نصیب ہوگی ان کے لئے دجال کا ظہور اور اس کے خارق عادت کرشمے ایمان ویقین میں مزید ترقی اور اضافہ کا سبب بنیں گے اور وہ اس کو دیکھ کر کہیں گے کہ یہی وہ دجال ہے جس کی خبر ہمارے پیغمبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی اس طرح دجال کا ظہور ان کے کمال ایمان اور ترقی درجات کا ذریعہ بنے گا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کریں گے۔
(شرح صحیح مسلم للنووی:۶/۵،۷، طریق السالکین شرح ریاض الصالحین)

حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے

حضرت مولانا تقی عثمانی زید مجدہم، نے حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی رائے عالی انعام الباری میں نقل کی ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں مدتوں پریشان رہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دجال سے کیوں پناہ مانگتے تھے، اس لئے کہ آپ کو تو یہ بات پتہ تھی کہ دجال آخری زمانے میں آئے گا اور عیسیٰ علیہ السلام اس کو قتل کریں گے، تو آپ کی حیات میں تو اس کے نکلنے کا کوئی امکان تھا ہی نہیں، تو پھر آپ اس سے کیوں پناہ مانگتے تھے۔

پھر بعد میں شاہ صاحبؒ نے ایک عجیب بات فرمائی ہے جو پوری طرح سمجھ میں نہیں آئی اور ہم جیسوں کو سمجھ میں آنا ضروری بھی نہیں، انہوں نے یہ فرمایا کہ بعد میں مجھے یہ بات پتہ لگی کہ دجال کا جو فتنہ ہے وہ صرف احیا پر ہی اثر انداز نہیں ہوگا بلکہ اموات پر بھی اثر انداز ہوگا، جو لوگ مر چکے ہوں گے اور قبروں میں ہوں گے ان پر بھی اس خبیث کا فتنہ اثر انداز ہوگا کس طرح ہوگا۔ واللہ اعلم

تو حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بہت بڑی بات لکھ دی ہے کہ مرنے والے پر بھی اثر انداز ہوگا، اور وہ کہتے ہیں اسی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ ملا کر ذکر کیا **"اللهم إني أعوذبک من عذاب القبر وأعوذبک من فتنة المسيح الدجال وأعوذبک من فتنة المحيا والممات"** تو اس واسطے آپ نے اس سے پناہ مانگی ہے۔ واللہ اعلم (انعام الباری: ۳/۵۳۱)

باقی اصل وجہ جو سمجھ میں آنے والی ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امت کی تعلیم کی خاطر فتنۂ دجال سے پناہ چاہتے تھے، اور ایک حدیث پاک میں فتنۂ قبر کو فتنۂ دجال کے قریب قریب فرمایا ہے اس لئے فتنہ قبر کے ساتھ ساتھ فتنۂ دجال کا ذکر فرمایا۔ فقط واللہ اعلم

حدیث شریف میں ہے کہ پختہ ایمان والے اس کے فتنہ سے محفوظ رہیں گے اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائیں گے کمزور ایمان والے اور منافق قسم کے لوگ ہی اس کی فتنہ کا شکار ہوں گے۔ فقط

نیز ایمان پر خاتمہ کے بعد انسان ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ و مامون ہو جاتا ہے اور اب وہ مکلّف بھی نہیں رہتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

اعوذبک من فتنۃ المحیا: علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ زندگی میں ہونے والی آزمائشوں سے پناہ چاہتا ہوں جن میں صبر ورضاء کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے، آفتوں اور مصیبتوں میں گرفتار ہونے اور گناہوں پر اصرار کے فتنہ سے پناہ مانگتا ہوں۔ (مرقات: ۲/۳۴۹)

الممات: موت کے فتنوں سے پناہ مانگتا ہوں، یعنی نزع کے وقت کی آزمائش، اور شیطان کے ابتلاء سے، منکر نکیر کی ہیبت ناک اور وحشت ناک صورت اور ان کے سوالوں کے جوابات میں جو تکلیف اور جو خوف ممکن ہے، اس سے پناہ مانگتا ہوں۔

المأثم: ہر قسم کے گناہوں سے پناہ مانگتا ہوں اور ان چیزوں سے بھی جو گناہ کا ذریعہ بنتی ہیں۔

قرض کا حکم

المغرم: یہاں اس قرض سے پناہ مانگی گئی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے، مثلاً بلاضروریات قرض لے یا قرض لیتے وقت ادا کرنیکی نیت نہ ہو یا قرض لینے کے بعد جھوٹ بولنے یا وعدہ خلافی کرنے کی لعنت میں گرفتار ہو، یا قرض کا یہ مال خلاف شرع طریقے پر خرچ ہو، اگر کوئی شخص ضرورت اور مجبوری کیوجہ سے قرض لیتا ہے اور ادا کرنیکی پوری نیت ہو وہ اس میں داخل نہیں۔

ایضاً

﴿۸۷۹﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا فَرَغَ اَحَدُکُمْ مِنَ التَّشَھُّدِ الآخِرِ فَلْیَتَعَوَّذُ بِاللّٰہِ مِنْ اَرْبَعٍ مِنْ عَذَابِ جَھَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَۃِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ شَرِّ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲۱۷/۱، باب استحباب التعوذ من عذاب القبر، کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ، حدیث نمبر: ۵۸۸۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جب تم میں سے کوئی شخص آخری تشہد سے فارغ ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ چار چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے۔ (۱) جہنم کے عذاب سے۔ (۲) قبر کے عذاب سے۔ (۳) زندگی اور موت کے فتنوں سے۔ (۴) مسیح دجال کی برائی سے۔

تشریح: جب آدمی قعدہ اخیرہ میں تشہد اور درود پڑھ چکے تو مذکورہ بالا دعاء مانگے، دعاء میں چار بہت اہم چیزوں سے پناہ مانگی گئی ہے، جن میں سے تین، عذاب قبر، زندگی اور موت کے فتنوں اور مسیح دجال کے فتنہ کا ذکر گزشتہ حدیث میں بھی تھا، اس حدیث میں مزید جہنم کے عذاب سے بھی اللہ کی پناہ طلب کرنے کا ذکر ہے۔

دعا کا محل قعدہ اخیرہ ہے

اذا فرغ احدکم من التشھد: نماز کا اخیر مراد ہے، اگر چہ تشہد پہلا ہی کیوں نہ ہو، دو رکعت والی نماز میں پہلا تشہد ہی آخری تشہد بھی ہے، علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ حدیث باب سے اخیر تشہد میں تعوذ کے استحباب کی صراحت ثابت ہوتی ہے اور اس بات کا اشارہ بھی ملتا ہے کہ پہلے تشہد میں تعوذ یعنی وہ دعائیں جن میں پناہ مانگی گئی ہے کا پڑھنا مستحب

نہیں ہے اس لئے کہ پہلا تشہد یعنی قعدۂ اولی تخفیف پر مبنی ہے، اور یہ بات بھی ہے کہ دعاء کا محل تکمیل کا وقت ہوتا ہے اس لئے کہ امیدوں کا طلب کرنا اور آرزؤں کا اظہار کرنا کام مکمل کرنے کے بعد ہی مناسب ہوتا ہے۔

فلیتعوذ: امر استحباب کے لئے ہے، جمہور کے نزدیک، بعض لوگوں نے کہا کہ وجوب کے لئے ہے۔

من عذاب جھنم: جہنم کے عذاب کا تذکرہ سب سے پہلے کیا، اس لئے کہ وہ سب سے زیادہ شدید اور سب سے خطرناک ہے،

حضور ﷺ کا دعاء سکھانا

﴿۸۸۰﴾ وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُعَلِّمُھُمْ ھٰذَا الدُّعَاءَ کَمَا یُعَلِّمُھُمُ السُّوْرَۃَ مِنَ الْقُرْآنِ یَقُوْلُ قُوْلُوْا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ جَھَنَّمَ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَۃِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَۃِ الْمَحْیَا وَالْمَمَاتِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۲۱۸، باب استحباب التعوذ من عذاب القبر، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، حدیث نمبر: ۵۹۰۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ بلاشبہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یہ دعاء ایسے سکھاتے تھے، جیسے کہ قرآن مجید کی کوئی سورت سکھاتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ یوں پڑھو "اللھم انی اعوذبک الخ" اے اللہ میں جہنم کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں، عذاب

قبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں، مسیح دجال کے فتنہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں، اور زندگی و موت کے فتنوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو قرآن جیسے یاد کراتے تھے، ویسے ہی مذکورہ دعاء بھی یاد کراتے تھے، اور تشہد کے بعد دوران تعلیم امت کے لئے بلند آواز سے بھی یہ دعاء کبھی کبھی پڑھتے تھے، تا کہ لوگوں کو یاد ہو جائے۔

قولہ ۱: علامہ نوویؒ کہتے ہیں کہ امام طاؤس اس بات کی طرف گئے ہیں کہ یہ امر وجوب کے لئے ہے، یعنی قعدہ اخیرہ میں التحیات اور درود پڑھنے کے بعد مذکورہ دعاء کا پڑھنا واجب ہے، چنانچہ ایک مرتبہ امام طاؤس کے صاحبزادہ نے یہ دعاء نہیں پڑھی، تو انہوں نے اس کو نماز دہرانے کا حکم کیا، لیکن جمہور کے نزدیک مذکورہ دعا کا پڑھنا مستحب ہے۔

دعائے صدیقؓ

﴿۸۸۱﴾ وَعَنْ اَبِیْ بَكْرٍ الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِّمْنِیْ دُعَاءً اَدْعُوْبِهٖ فِیْ صَلَاتِیْ قَالَ قُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا كَثِیْرًا وَّلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱/۱۱۵، باب الدعاء قبل السلام، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۸۳۴۔ مسلم شریف: ۱/۳۴۷، باب استحباب خفض الصوت بالذکر، کتاب الذکر، والدعاء والتوبة والاستغفار، حدیث نمبر: ۲۰۷۵۔

ترجمه: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسی دعاء سکھا دیجئے، جس کو میں اپنی نماز میں پڑھ لیا کروں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ دعاء پڑھا کرو" **اللھم انی ظلمت نفسی الخ**" اے اللہ میں نے اپنی ذات پر بہت ظلم کیا اور گناہوں کو بخشنے والا تیرے سوا کوئی نہیں ہے، تو اپنی بخشش سے مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کر، بیشک تو بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

تشــریح: حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طلب پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں تشہد اور درود کے بعد پڑھی جانے والی ایک دعاء کی تعلیم فرمائی ہے۔ اس دعاء میں اپنے گناہوں پر ندامت وشرمندگی کے ساتھ اپنے قصوروں کا اعتراف ہے، اور رب العالمین سے خطاؤں کی معافی کو طلب کیا گیا ہے۔

علمنی دعاء: حضرت ابوبکر صدیقؓ کے کلام میں تو مطلقاً نماز میں پڑھنے والی دعاء سکھانے کا ذکر ہے، لیکن علماء نے اس کو تشہد کے بعد کی دعاء ہی پر محمول کیا ہے، چنانچہ امام بخاریؒ نے اس حدیث "**باب الدعاء قبل السلام**" کے تحت ذکر کیا ہے۔

انی ظلمت: میرا نفس ان امور کا ارتکاب کرتا ہے جو امور سزا کو واجب کرنے والے اور مرتبہ کو گھٹانے والے ہیں، حافظؒ اس موقع پر لکھتے ہیں، انسان تقصیر سے مبرا نہیں ہے، اگر چہ صدیق ہی کیوں نہ ہو۔

ولایغفر الذنوب الا انت: اس میں وحدانیت کا اقرار اور مغفرت کا طلب ہے، یہ اللہ کے اس فرمان کے مطابق ہے۔

"**والذین اذا فعلوا فاحشۃ او ظلموا الخ**" آیت میں گناہ کے بعد مغفرت طلب کرنے والوں کی مدح ہے، اور ضمناً نفس استغفار کی بھی تعریف ہے، صرف اللہ ہی سے مغفرت طلب کی جاسکتی ہے، کیونکہ اللہ کے علاوہ سے گناہوں کا معاف کیا جانا ناممکن ہے۔

مغفرۃ: نکرہ لائے ہیں، تنوین تعظیم کے لئے ہے، یعنی عظیم مغفرت مطلوب ہے۔
وارحمنی: اور مجھ پر رحم فرما۔

دعا کی جامعیت

یہ دعا جوامع الکلم میں سے ہے اس وجہ سے کہ اس میں اپنی کوتاہی کی کثرت کا اعتراف بھی ہے، اور بے انتہاء بخشش کی طلب بھی ہے، مغفرت کا مطلب گناہوں کو ڈھانکنا اور مٹانا ہے جب کہ رحمت کا مطلب نیکیوں کو پہنچانا ہے، تو مغفرت طلب کرنے کا مقصد جہنم سے دوری کو طلب کرنا ہے اور رحمت طلب کرنے کا مقصد نیکیوں کے ساتھ جنت میں دخول کی طلب ہے۔

انت الغفور الرحیم: خاتمہ کلام پر اللہ تعالیٰ کی دو صفات مقابلہ کے طور پر ذکر کی گئی ہیں، اغفرلی: دعاء کی، تو اس کے مقابل میں "الغفور" ذکر کیا۔ ارحمنی: دعا کی تو اس کے مقابل میں "الرحیم" ذکر کیا، یعنی جس ذات سے مغفرت اور رحمت طلب کی جارہی ہے وہ ذات خوب مغفرت کرنے والی اور رحم کرنیوالی ہے، یہ دعاء بہت جامع ہے، اسی وجہ سے اس کو اختیار کیا گیا ہے۔ (مرقات: ۳/۳۵۱، فتح الباری: ۳/۳۰۸)

دعاء کا حکم

نماز میں قعدۂ اخیرہ کے اندر تشہد و درود سے فراغت کے بعد دعاء کرنا فرض وواجب نہیں ہے، البتہ مسنون ومستحب ہے، یہی جمہور کا مذہب ہے، جو دعائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں وہ سب کی سب احناف کے نزدیک پڑھی جاسکتی ہیں، نماز کے اندر ایسی دنیوی باتوں کی دعاء جو انسان بھی پوری کرسکتا ہے احناف کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

(مسلم شریف: ۲۰۳/ ۱، باب تحریم الکلام فی الصلاۃ) کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، ''ان ھذہ الصلاۃ لایصلح فیھا شئ من کلام الناس انما ھو التسبیح والتکبیر وقرأۃ القرآن الخ'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہماری اس نماز میں انسانوں کے کلام کی گنجائش نہیں ہے، اس میں تو صرف تسبیح، تکبیر اور قرآن مجید کی تلاوت ہوتی ہے، شافعیہ وحنابلہ ہر طرح کی دعاء کو جائز کہتے ہیں۔ (ماخوذ از نصر الباری: ۴/۳۶)

دو سلام

﴿۸۸۲﴾ وَعَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ کُنْتُ اَرٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُسَلِّمُ عَنْ یَمِیْنِهٖ وَعَنْ یَسَارِهٖ حَتّٰی اَرٰی بَیَاضَ خَدِّهٖ۔ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عامر بن سعد رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد مکرم حضرت سعد بن وقاصؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا تھا کہ وہ اپنے داہنے اور بائیں جانب سلام پھیرتے تھے، یہاں تک کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی سفیدی دیکھ لیتا تھا۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دائیں جانب سلام پھیرتے وقت اپنا چہرہ اتنا زیادہ پھراتے تھے کہ پیچھے نماز ادا کرنے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کو دیکھ لیتے تھے۔

عن یمینہ: یعنی پہلے سلام میں دائیں طرف اور دوسرے سلام میں بائیں طرف چہرہ پھراتے تھے۔

بیاض خدہ: حافظ نے "خدیہ" تثنیہ کا صیغہ ذکر کیا ہے، لیکن دونوں میں کوئی مخالفت نہیں ہے، اس وجہ سے کہ دونوں صورتوں میں مطلب یہی ہے کہ دائیں طرف سلام پھیرنے میں داہنا رخسار نظر آتا تھا اور بائیں طرف سلام پھیرتے وقت بایاں رخسار نظر آتا تھا۔

سلام کے سلسلہ میں اختلاف مذاہب

امام مالکؒ واوزاعیؒ: کے نزدیک سامنے کی طرف ایک سلام پھرنا واجب ہے یہ امام اور منفرد کے لئے ہے اور مقتدی کے لئے تین سلام واجب ہیں ایک سامنے کی طرف دوسرا دائیں جانب تیسرا بائیں جانب۔

امام ابو حنیفہؒ: وغیرہ کے نزدیک سب کے لئے دو سلام ہیں دائیں طرف ایک اور بائیں طرف ایک۔

دلیل امام مالک واوزاعی: حضرت عائشہؓ کی حدیث "قالت انه علیه الصلوة والسلام لیسلم تلقاء وجهه تسلیمة واحدةً (رواہ الترمذی)

جمہور کی اس باب کی تمام حدیثیں ہیں جن میں دو سلام کا ذکر ہے حتی کہ علامہ عینی نے دو سلام والی حدیث کو بیس صحابہ کرامؓ سے نقل کیا ہے لہٰذا دو سلام ہی ہونا چاہئے۔

جوابات: امام مالک واوزاعی نے جو حضرت عائشہؓ کی حدیث سے استدلال کیا اس کے مختلف جوابات ہیں:

(۱)......وہ حدیث ضعیف ہے کما قال الترمذی۔

(۲)......احادیث کثیرہ کے مقابلہ میں وہ شاذ ہے اگر صحیح بھی مان لیا جاوے۔

(۳)......اکثر عادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو سلام کی تھی مگر کبھی بیان جواز کے لئے ایک سلام پر بھی اکتفا فرماتے تھے۔

(۴)...... حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک سلام فراغ عن الصلاۃ کا سلام نہیں بلکہ سجدۂ سہو کا سلام تھا لہٰذا اس سے استدلال صحیح نہیں۔

(۵)...... دوسرا سلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سلام کے مقابلہ میں آہستہ فرماتے تھے، جس کو پچھلی صف والے بعض دفعہ نہیں سنتے تھے اور حضرت عائشہ عورتوں کی صف میں پیچھے ہوتی تھیں اس لئے انہوں نے نہیں سنا اسی کو انہوں نے بیان فرمایا۔

(۶)...... سلام دو ہی ہوتے تھے مگر پہلے سلام کی ابتداء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سامنے کیطرف سے فرماتے تھے اس کو ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا ہے لہٰذا اس سے استدلال صحیح نہیں۔

سلام کے بعد امام کا مقتدیوں کیطرف متوجہ ہونا

﴿۸۸۳﴾ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلّٰى صَلَاةً أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ۔ (رواه البخاری)

حواله: بخاری شریف: ۱۱۷/۱، باب مایستقبل الامام الناس اذا سلم، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۸۴۵۔

ترجمه: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوتے، ہماری طرف رخ کرکے بیٹھتے۔

تشریح: جب جماعت مکمل ہوجاتی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنا روئے مقدس مقتدیوں کی طرف کرکے بیٹھتے تھے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی

صلاۃ: حضرت سمرہؓ کی اس روایت سے یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فراغت کے بعد ہمیشہ مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھتے تھے۔

سلام کے بعد مقتدیوں کیطرف رخ کرنے کی مصلحت

نماز سے فراغت کے بعد مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھنے کی کیا حکمت ہے؟ اس کے بارے میں حافظؒ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ ''الحکمة فی استقبال المؤمنین ان یعلمھم مایحتاجون الیه'' یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کو جو مسائل یا جن چیزوں کی ان کو ضرورت ہوتی وہ سکھانے کے لئے اپنے مقتدیوں یعنی صحابہؓ کی طرف رخ کر کے نماز کے بعد بیٹھتے تھے، ایک حکمت اس کی یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ بعد میں آنے والے کو معلوم ہو جائے کہ نماز پوری ہو چکی، اس وجہ سے کہ اگر امام اپنی حالت پر بیٹھا رہے گا، تو ممکن ہے کہ اس کو یہ وہم ہو کہ امام ابھی تشہد میں بیٹھا ہے۔

زین بن منیرؒ نے یہ حکمت لکھی ہے کہ اصل تو یہ ہے کہ کسی مومن کیطرف پشت نہیں ہونی چاہئے کہ یہ اس کے احترام کے خلاف ہے اور امام کی پشت کا مقتدیوں کی جانب ہونا، امامت کے حق کی بناء پر ہے، جب نماز پوری ہوگئی تو اب سبب زائل ہوگیا، لہٰذا اب امام مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھے، اگر ایسا نہ ہوا تو تکبر پیدا ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم (مستفاد از فتح الباری: ۲/۳۳۰)

سلام کے بعد امام کا دائیں جانب کو لوٹنا

﴿۸۸۴﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَنْصَرِفُ عَنْ یَمِیْنِهٖ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف؛ ٢٤٧/ ١، باب الانصراف من الصلاۃ عن الیمین والشمال، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، حدیث نمبر: ٧٠٨۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دائیں جانب سے پھر کر بیٹھتے تھے۔

تشریح: گذشتہ حدیث میں یہ بات بیان کی گئی تھی کہ نماز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھتے تھے، اس حدیث میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دائیں طرف سے پھر کر تھوڑا سا بائیں طرف ہو کر بیٹھتے تھے، یعنی تشہد کی ہیئت سے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھرتے تو دائیں طرف اپنا رخ بالکل سامنے کرنے کے بجائے تھوڑا سا بائیں طرف مائل رکھتے تھے۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینصرف: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مصلّٰی سے دائیں طرف پھرتے تھے، حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جب دائیں جانب کی ضرورت ہوتی تو دائیں جانب سے لوٹتے اور جب بائیں جانب کی ضرورت ہوتی تو بائیں جانب سے پھرتے تھے، صاحب مرقات کہتے ہیں کہ مصلی کو جس طرف سے ضرورت ہو اس طرف سے لوٹے، مثلاً نماز کے بعد بائیں جانب جانا ہے تو بائیں جانب سے پھر جائے، دائیں جانب جانا ہے تو دائیں جانب سے پھرے اور جب دونوں جانب برابر ہوں تو جس طرف سے چاہے لوٹے، لیکن داہنی جانب سے لوٹنا افضل ہے اس وجہ سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر کام میں داہنی جانب کو پسند فرماتے تھے۔ (مرقات: ٢/٣٥٢)

دائیں اور بائیں طرف سے لوٹنا

﴿۸۸۵﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ لَایَجْعَلُ اَحَدُکُمْ لِلشَّیْطَانِ شَیْئًا مِنْ صَلَاتِہٖ یُرٰی اَنَّ حَقًّا عَلَیْہِ اَنْ لَایَنْصَرِفَ اِلَّا عَنْ یَمِیْنِہٖ لَقَدْ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَثِیْرًا یَنْصَرِفُ عَنْ یَسَارِہٖ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۱۸، باب الانفتال والانصراف عن الیمین وعن الشمال، کتاب الاذان۔ حدیث نمبر: ۸۵۲۔ مسلم شریف: ۱/۲۴۷، باب جواز الانصراف من الصلاۃ عن الیمین والشمال، حدیث نمبر: ۷۰۷۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ تم میں سے کوئی شخص بایں طور شیطان کا حصہ اپنی نماز میں مقرر نہ کرے کہ وہ سمجھنے لگے کہ اس پر نماز میں دائیں ہی طرف سے پھرنا واجب ہے، حالانکہ میں نے بہت سی مرتبہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بائیں طرف سے پھرتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔

تشریح: نماز سے فراغت کے بعد چاہے دائیں جانب سے پھرا جائے چاہے بائیں سے پھرا جائے دونوں طریقے صحیح ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب ضرورت دونوں پر عمل کیا ہے، لہٰذا نمازی بھی اپنی ضرورت کے اعتبار سے جس جہت سے چاہے نماز سے فارغ ہو کر اٹھے، یا رخ موڑ کر بیٹھے، لیکن افضل دائیں طرف سے ہی پھرنا ہے اور اسی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عام طور پر عمل کرتے رہے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود حدیث باب سے یہ سمجھا رہے ہیں کہ کسی افضل چیز کو واجب سمجھنا اور جس چیز پر عمل کی گنجائش اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی ہو اس پر عمل کرنے کو برا سمجھنا یہ اپنی جگہ خود شیطانی عمل ہے،

لہٰذا نماز سے پھرنے میں دائیں طرف کو لازم سمجھنا اور بائیں طرف سے پھرنے کو برا سمجھنا یہ غلط عمل ہے اور پھر ابن مسعودؓ نے اس کی بھی صراحت کردی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے بہت سی مرتبہ بائیں جانب سے لوٹتے دیکھا ہے۔

لا یجعل احدکم للشیطان: مطلب یہ ہے کہ نماز میں دائیں طرف سے لوٹنا یہ واجب نہیں ہے، لہٰذا اس کو لازم سمجھنا شیطان کی اتباع کرنا ہے، حافظ ابن حجرؒ ابن منیرؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ مستحبات کو جب اس کے مرتبہ سے بلند کردیا جاتا ہے یعنی اس کو لازم سمجھا جاتا ہے تو وہ مکروہات میں داخل ہوجاتا ہے، عبادت سے متعلق امور میں دائیں طرف کی جہت کو اختیار کرنا مستحب ہے، لیکن جب ابن مسعودؓ کو یہ اندیشہ ہوا کہ اس کو واجب سمجھا جارہا ہے، تو آپ نے اس کی کراہت کی طرف اشارہ کیا فتح الباری: ۲/۳۳۷،۳۸، علامہ طیبیؒ کا قول مرقات میں لکھا ہے کہ ابن مسعودؓ کے اس اشارہ میں اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ جس نے امر مستحب کو لازم کا درجہ دیا اور رخصت پر عمل نہ کیا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شیطان اس کو گمراہ کرنے کے لئے اس کے پاس پہونچ چکا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی ایک حدیث ہے " ان اللہ عزوجل یحب ان توتی رخصتہ کما یحب ان توتی عزائمہ" (مرقات: ۲/۳۵۳) اللہ تبارک وتعالیٰ رخصت پر عمل کرنے کو ایسے ہی پسند فرماتے ہیں جیسے عزیمت پر عمل کرنے کو پسند فرماتے ہیں۔

لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیرا: حافظؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی دائیں طرف پھرتے تھے کبھی بائیں طرف سے پھرتے تھے، اس میں اصل یہی ہے کہ مصلی کو جس میں سہولت ہو وہ صورت اختیار کرے، البتہ اگر دونوں جانب برابر ہوں تو دائیں طرف سے لوٹنا افضل ہے، لیکن اسکو لازم سمجھنا غلط ہے۔

نماز کے بعد دائیں جانب کومتوجہ ہونا

﴿۸۸۶﴾ وَعَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْبَبْنَا أَنْ نَكُوْنَ عَنْ يَمِيْنِهِ يُقْبِلُ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ قَالَ فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ رَبِّ قِنِي عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ أَوْ تَجْمَعُ عِبَادَكَ۔ (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۲۴۷، باب استحباب یمین الامام، کتاب صلوۃ المسافرین و قصرھا، حدیث نمبر: ۷۰۹۔

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تو ہم سب اس بات کو پسند کرتے کہ ہم حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داہنی جانب ہوں، تا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرہ مبارک سے ہماری طرف متوجہ ہوں۔ حضرت براء کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا مانگتے سنا "رب قنی" اے ہمارے رب مجھ کو اپنے عذاب سے اس دن بچا جس دن تیرے بندے اٹھائے یا جمع کئے جائیں گے۔

تشریح: اس حدیث میں دو باتیں قابل ذکر ہیں:

(۱)...... نماز سے فارغ ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دائیں جانب چہرہ مبارک کر کے تشریف فرما ہوتے تھے اس لئے حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خواہش دائیں جانب ہوتی تھی، تا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پر توجہ ہو، اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کی زیارت سے مشرف ہوں۔

(۲)...... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے کے بعد تعلیم امت کی خاطر مذکورہ دعا مانگتے تھے۔

رب قنی عذابک: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عذاب نہیں ہوگا، لیکن یہ دعاء تعلیم امت کی خاطر تھی یا پھر اپنے رب کے ساتھ تواضع کی بنا پر تھی۔

تبعث او: راوی کو شک ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگتے وقت "تبعث" کہا تھا یا "تجمع" کہا تھا۔

فائدہ: حدیث پاک سے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے کمال عشق اور کمال فدائیت کا اندازہ ہوا۔

امام کے انتظار میں مقتدیوں کا بیٹھے رہنا

﴿۸۸۷﴾ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ اِنَّ النِّسَاءَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنَّ اِذَا سَلَّمْنَ مِنَ الْمَكْتُوْبَةِ قُمْنَ وَثَبَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ صَلّٰى مِنَ الرِّجَالِ مَاشَاءَ اللّٰهُ فَاِذَا قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ الرِّجَالُ۔ (رواه البخاري) وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ فِيْ بَابِ الضَّحِكِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

حوالہ: بخاری شریف: ۱۱۹/۱، باب انتظار الناس قیام الامام العالم، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۸۶۶۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ بیشک عورتیں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جب فرض نماز سے سلام پھیر لیتیں، اٹھ جاتی تھیں، جب کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مردوں میں سے جو لوگ نماز میں شامل رہتے جتنی دیر اللہ تعالیٰ چاہتا بیٹھے رہتے، پھر جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے

ہوتے تو مرد حضرات بھی کھڑے ہو جاتے۔(بخاری) حضرت جابر بن سمرہؓ کی روایت انشاء اللہ "باب الضحک" میں ذکر کریں گے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک میں جب عورتیں مسجد میں نماز کے لئے آتی تھیں تو سلام پھیرتے ہی گھروں کو چلی جاتی تھیں، مقصد یہ تھا کہ راستہ میں مردوں سے اختلاط نہ ہو۔

و ثبت: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ بیٹھے رہتے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مصلی پر کتنی دیر بیٹھتے تھے۔

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ کبھی اتنا مختصر بیٹھتے کہ صرف "اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یاذاالجلال و الاکرام" پڑھنے کے بقدر کبھی کچھ زائد مدت بیٹھتے اور کچھ دیگر اذکار پڑھتے۔

و سند کر حدیث جابر: جس حدیث کا حوالہ دے رہے ہیں وہ حدیث یہ ہے:

"کان لایقوم من مصلاہ الذی یصلی فیہ الصبح حتی تطلع الشمس و کانوا یتحدثون فیأخذون فی امر الجاھلیة فیضحکون ویتبسم صلی اللہ علیہ وسلم"

(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز کے بعد سورج نکلنے تک اپنے مصلی پر بیٹھے رہتے تھے، لوگ بات چیت کرنے لگتے، تو اس میں زمانۂ جاہلیت کا بھی ذکر چھڑ جاتا تو اس پر صحابہؓ ہنستے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی مسکراتے تھے)

صاحب مرقات کہتے ہیں کہ صاحب مشکوۃ کو یہ حدیث یہاں ذکر کرنا چاہئے تھا، حوالہ نہ دینا چاہئے تھا، اس وجہ سے کہ جب کوئی حدیث طویل مختلف امور پر مشتمل ہو، تو اس کو

ہر اس باب کے تحت لایا جا سکتا ہے جس کے وہ مناسب ہو، اسی وجہ سے امام بخاریؒ نے ایک ہی حدیث کو بہت سے ابواب کے تحت اپنی کتاب بخاری شریف میں ذکر کیا ہے، پھر حدیث کے شروع کا حصہ "کان لایقوم من مصلاہ الخ" اس مقام کے بہت ہی مناسب بھی تھا۔ واللہ اعلم بالمراد، وھو الھادی بالالھام (مرقات:۲/۳۵۳)

فوائد: اس حدیث سے متعدد فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

(۱) نماز کے بعد اپنی جگہ پر بیٹھے رہنے کی فضیلت۔

(۲) نماز کے بعد ذکر کی فضیلت۔

(۳) مسجد میں کلام مباح کی اجازت۔

(۴) ایک مصلحت یہ تھی کہ کسی کو مسئلہ وغیرہ پوچھنا ہو تو پوچھ سکے۔

(۵) امام کا ادب کہ جب تک امام بیٹھا رہے مقتدی بھی جن کو عذر نہ ہو بیٹھے رہیں۔

(۶) مقتدیوں کی رعایت، معلوم ہوا کہ امام کو چاہئے جہاں تک ممکن ہو مقتدیوں کی رعایت کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی رعایت میں ان کی مباح باتیں کہتے اور سنتے ہنسنے کی باتوں پر بھی مسکراتے۔

(۷) حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا کمال ادب کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما رہتے وہ حضرات بھی بیٹھے رہتے۔

عورتوں کے مسجد میں نماز پڑھنے کا مسئلہ

عورتوں کو مسجد میں آ کر نماز پڑھنے کی اجازت دینی چاہئے یا نہیں؟ اس کو سمجھنے سے پہلے یہ بات سمجھئے کہ آپ ﷺ کے دور خیر میں عورتوں کا گھر سے باہر نکلنا، فتنہ کا سبب نہیں تھا، اس وجہ سے چند شرائط کے ساتھ عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت دی تھی، اور ان کو مسجد آنے سے

روکنے سے منع فرمایا تھا، لیکن اسی کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دور میں بھی یہ ترغیب دی تھی کہ عورتیں گھر ہی میں نماز پڑھیں تو بہتر ہے اور ان کی بہترین مسجد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں ہی کو قرار دیا تھا، چنانچہ ارشاد گرامی ہے "**خیر مساجد النساء قعر بیوتھن**" عورتوں کے گھروں کا گوشہ ان کی بہترین مساجد ہیں۔

حافظ ابن عبدالبرؒ لکھتے ہیں "**لم یختلفوا ان صلاۃ المرأۃ فی بیتھا افضل من صلاتھا فی المسجد**" (**التمھید: ١١/١٩٦**)

(اس بارے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ عورت کا گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے کے مقابلے میں زیادہ بہتر ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب بگاڑ پیدا ہونے لگا اور جن شرائط کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنے کی اجازت دی تھی شرائط کی پابندی میں کوتاہی ہونے لگی تو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا، آج کے حالات اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشاہدہ فرماتے تو عورتوں کو مسجد میں آنے سے روک دیتے، لہٰذا صحابہ اکرامؓ نے بعد میں یہ فیصلہ کیا کہ عورتوں کا مسجد آنا فتنہ سے خالی نہیں، اس لئے اس پر پابندی عائد کر دی جائے۔

﴿الفصل الثانی﴾

نماز کے بعد کی ایک اہم دعا

﴿٨٨٨﴾ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اَخَذَ بِيَدِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ لَاُحِبُّكَ يَامُعَاذُ فَقُلْتُ وَاَنَا اُحِبُّكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَلَا تَدَعْ اَنْ تَقُوْلَ فِيْ دُبُرِ

كُلِّ صَلَاةٍ رَبِّ اَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيْ اِلَّا اَنَّ اَبَا دَاوُدَ لَمْ يَذْكُرْ قَالَ مُعَاذُ وَاَنَا اُحِبُّكَ۔

حوالہ: مسند أحمد: ۵/۲۴۴، أبوداؤد: ۱/۲۱۳، باب فی الاستغفار، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۱۵۲۲۔ نسائی: ۲/۲۴۶، باب نوع آخر من الدعاء، کتاب السھو، حدیث نمبر: ۱۳۰۲۔

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا'' اے معاذ میں تم سے محبت کرتا ہوں، میں نے عرض کیا میں بھی آپؐ سے محبت کرتا ہوں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ہر نماز کے بعد یہ دعاء مانگنا مت چھوڑو ''رب اعنی علی الخ'' اے پروردگار اپنے ذکر کرنے اور اپنے شکر ادا کرنے اور اپنی اچھی طرح عبادت کرنے پر میری مدد فرمایئے۔ (احمد، ابوداؤد، نسائی) مگر ابوداؤد کی روایت میں حضرت معاذ کا یہ جملہ ''و انا احبک'' مذکور نہیں۔

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو نماز کے بعد پڑھی جانے والی ایک دعا سکھائی ہے، اس دعاء میں رب العالمین سے ہی اس کی مخلصانہ عبادت اور اس کے ذکر و شکر ادا کرنے پر قدرت و طاقت کو طلب کیا گیا ہے۔

ذکرک: سے مراد زبان کی اطاعت ہے۔

وشکرک: قلب کی اطاعت مراد ہے۔

وحسن عبادتک: ارکان اطاعت کا حسن مراد ہے حسن عبادت کی تفسیر حدیث جبرئیل میں گذر چکی ہے،" ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ

یـراک“ عبادت ایسے کروگویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو، اگر یہ نہ ہو سکے تو کم از کم یہ سمجھو کہ اللہ تم کو دیکھ رہا ہے۔(مرقات:۲/۳۵۴)

حــدیــث مســلســل : اس حدیث کو محدثین حدیث مسلسل میں شمار کرتے ہیں، حدیث مسلسل وہ حدیث کہلاتی ہے جس کی سند کے تمام رواۃ کسی خاص صفت میں مشترک ہوں، خواہ وہ صفت قولی ہو یا فعلی۔

ایک خاص حدیث مسلسل

اس کی ایک بہت واضح مثال وہ حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" **لایجد العبد حلاوة الایمان حتی یؤمن بالقدر خیره وشره حلوه ومره قال الناس وقبض رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم علی لحیته وقال امنت بــالــقــدر**“ (بندہ اچھی و بری، شریں و تلخ، تقدیر پر ایمان لائے بغیر ایمان کی حلاوت نہیں پا سکتا، لوگوں نے کہا اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی داڑھی پکڑ کر کہا کہ میں تقدیر پر ایمان لایا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس راوی نے بھی یہ حدیث نقل کی تو "**امـنـت بـالقدر**“ داڑھی پکڑ کر کہا، یہی ہے حدیث مسلسل، کیونکہ اس حدیث کے تمام راوی حدیث بیان کرنے میں ایک خاص وصف یعنی داڑھی پکڑنے میں مشترک ہیں۔

حدیث مسلسل بقول انا احبک

جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے تو وہ یوں مسلسل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو یہ دعاء سکھانے سے پہلے ان کا ہاتھ پکڑا اور یوں کہا "**انـا احبـک**“ تو بعد میں تمام راویوں نے یہ حدیث سنانے سے پہلے اپنے شاگردوں سے آقا کا یہ فرمان اسی طرح

سے نقل کیا، لہٰذا یہ حدیث بھی مسلسل ہوگئی، اس سلسلہ کی مزید تفصیلات کے لئے حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کا رسالہ ''الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین'' دیکھا جا سکتا ہے۔

فوائد حدیث

حدیث باب سے متعدد فوائد حاصل ہوتے ہیں:

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال شفقت ومحبت۔

(۲) نصیحت کا ادب معلوم ہوا کہ نصیحت کرنے سے پہلے محبت کا اظہار ہو اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ پکڑ کر عملی طور پر بھی محبت کا اظہار فرمایا اور زبان سے بھی محبت کا اظہار فرمایا اس کے بعد نصیحت فرمائی۔

(۳) جس سے محبت ہو اس سے محبت کا اظہار کر دینا چاہئے۔

(۴) اساتذہ کو اپنے طلباء سے اور مشائخ کو اپنے طالبین ومریدین سے بے تکلف رہنا چاہئے۔

(۵) اساتذہ کو اپنے طلباء سے مشائخ کو اپنے مریدین طالبین سے محبت کرنا اور اس کا اظہار کرنا درست ہے۔

(۶) طلباء کو اپنے اساتذہ سے مریدین کو اپنے مشائخ سے محبت ہونا چاہئے اور اس کا اظہار بھی کر دینا چاہئے۔

(۷) نماز کے بعد دعاء کا ثبوت ہوا۔

(۸) ذکر کی اہمیت معلوم ہوئی کہ اس کے لئے دعا کا اہتمام کیا گیا۔

(۹) اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی شکر گذاری کی اہمیت معلوم ہوئی کہ اس کے لئے دعا کا اہتمام کیا گیا۔

(۱۰)صرف عبادت ہی نہیں بلکہ حسن عبادت مطلوب ہے اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔
(۱۱)ان چیزوں کا مجموعہ صحبت مشائخ کے بغیر عامۃً حاصل نہیں ہوتا اس لئے اس سے مشائخ کی ضرورت واہمیت معلوم ہوئی۔

نماز کے بعد دائیں بائیں دونوں جانب سلام پھیرنا

﴿۸۸۹﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یُسَلِّمُ عَنْ یَّمِیْنِهٖ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ حَتّٰی یُرٰی بَیَاضُ خَدِّهِ الْاَیْمَنِ وَعَنْ یَسَارِهٖ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ حَتّٰی یُرٰی بَیَاضُ خَدِّهِ الْاَیْسَرِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَلَمْ یَذْکُرِ التِّرْمِذِیُّ حَتّٰی یُرٰی بَیَاضُ خَدِّهٖ وَرَوَاهُ اِبْنُ مَاجَةَ عَنْ عَمَّارِ بْنِ یَاسِرٍ)

حوالہ: ابوداؤد: ۱/۱۴۳، باب السلام، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۹۹۶۔ ترمذی شریف: ۲/۶۵، باب ماجاء فی التسلیم، کتاب الصلاۃ. نسائی: ۱/۱۴۸، باب کیف السلام علی الشمال، کتاب السهو، حدیث نمبر: ۱۳۲۱۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "السلام علیکم ورحمة الله" کہتے ہوئے اپنی دائیں طرف اس طور پر سلام پھیرتے کہ آپ کے داہنے رخسار کی سفیدی نظر آجاتی، اوراپنی بائیں طرف "السلام علیکم ورحمة الله" کہتے ہوئے اس طرح سلام پھیرتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں رخسار کی سفیدی نظر آجاتی (ابوداؤد، ترمذی، نسائی) لیکن ترمذی

کی روایت میں ”حتی یری بیاض خدہ“ کے الفاظ نہیں ہیں اور ابن ماجہ نے عمار بن یاسرؓ سے یہ روایت کی ہے۔

تشـــریح: اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دائیں اور بائیں دونوں طرف سلام پھیرتے تھے، اور سلام پھیرنے میں ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ“ پر اکتفا فرماتے تھے، دائیں بائیں رخ کرنے میں کچھ مبالغہ فرماتے تھے، اسی بناء پر مقتدیوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار مبارک نظر آجاتے تھے۔

سلام کی انتہاء

السلام علیکم ورحمۃ اللہ : بعض شوافع ”وبرکاتہ“ کی زیادتی کو مستحب قرار دیتے ہیں، نسائی کی روایت میں ہے کہ دائیں طرف سلام پھیرتے وقت ”ورحمۃ اللہ“ کہا، اور بائیں طرف سلام پھیرتے وقت ”السلام علیکم“ کہا، چونکہ اکثر روایات میں یہ فرق مذکور نہیں ہے، اسی طرح اکثر روایات میں ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ“ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اکتفاء فرمایا ہے، لہٰذا جمہور کے نزدیک دونوں سلاموں میں یہی الفاظ کہنا مسنون ہے۔

نماز کے بعد بائیں جانب کولوٹنا

﴿۸۹۰﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ کَانَ اَکْثَرُ اِنْصِرَافِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ صَلَاتِهٖ اِلٰی شِقِّهِ الْاَیْسَرِ اِلٰی حُجْرَتِهٖ۔ (رواہ السنۃ)

حوالہ: بغوی فی شرح السنۃ، ۲۱۰/ ۲۱۱/۳، باب الانصراف

عن الصلاۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر:۷۰۲۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر نماز کے بعد بائیں طرف پھر کر حجرہ مبارکہ میں تشریف لیجاتے تھے۔

تشریح: ماقبل حدیث کے تحت یہ بات گذر چکی ہے کہ نمازی نماز کے بعد اپنی سہولت کے اعتبار سے جس طرف چاہے لوٹے، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ مبارکہ کا دروازہ مسجد میں بائیں طرف تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بائیں جانب کو حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے جاتے تھے۔

فرض کے بعد سنتوں کے لئے جگہ بدلنا

﴿۸۹۱﴾ وَعَنْ عَطَاءِ الْخُرَاسَانِيِّ عَنِ الْمُغِيْرَةِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايُصَلِّي الْإِمَامُ فِيْ الْمَوْضِعِ الَّذِيْ صَلّٰى فِيْهِ حَتّٰى يَتَحَوَّلَ۔ (رواہ ابوداؤد وَقَالَ: عَطَاءُ الْخُرَاسَانِيُّ لَمْ يُدْرِكِ الْمُغِيْرَةَ)

حوالہ: ابوداؤد: ۹۱/۱، باب الامام یتطوع فی مکانہ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر:۶۱۶۔

ترجمہ: حضرت عطاء خراسانی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت مغیرہؓ نے بیان کیا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا'' کہ امام اس جگہ نماز نہ پڑھے جس جگہ نماز پڑھ چکا ہے، بلکہ اس جگہ سے ہٹ کر نماز پڑھے (ابوداؤد کہتے ہیں کہ حضرت عطا خراسانی کی ملاقات حضرت مغیرہؓ سے نہیں ہے۔

تشریح: جس جگہ فرض پڑھی ہو، اس جگہ سنت پڑھنے سے گریز کرنا چاہئے، سنن

ونوافل تھوڑا ہٹ کر پڑھنا چاہئے۔

حدیث کے ظاہر الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے اس ممانعت کا تعلق صرف امام سے ہے، لیکن محدثین وضاحت کرتے ہیں کہ یہ ممانعت تام ہے، امام ومقتدی سب کو شامل ہے، ایک حدیث ہے 'ایعجر احدکم ان یتقدم او یتأخر او عن یمینه او عن شماله فی الصلاة" یہ حدیث تام ہے، اس میں امام کی قید نہیں ہے، لہٰذا جمہور کے نزدیک یہ حکم بھی تام ہے۔(مرقات:۳۵۵/۲)

عطاء خراسانی کی ملاقات حضرت مغیرہؓ سے ثابت نہیں ہے۔

ممانعت کیوجہ یہ بھی ہے کہ بعد میں آنیوالوں کو فرض نماز کا خیال نہ ہو کہ وہ فرض نماز سمجھ کر اقتداء کرینگے دوسری وجہ یہ ہے کہ اس جگہ سے ہٹ کر نماز پڑھنے میں دونوں جگہیں قیامت میں گواہ بنیں گیں۔

قوله عطاء الخراسانی : حدیث باب ضعیف ہے، وجہ ضعف یہ ہے کہ حدیث منقطع ہے، عطاء خراسانی اور حضرت مغیرہؓ کے درمیان کوئی راوی ضرور ہوگا کیونکہ عطاء خراسانی کی ملاقات حضرت مغیرہؓ سے ثابت نہیں ہے۔

مقتدیوں کو امام سے پہلے اٹھنے کی ممانعت

﴿۸۹۲﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَضَّهُمْ عَلَى الصَّلَاةِ وَنَهَاهُمْ اَنْ يَّنْصَرِفُوْا قَبْلَ اِنْصِرَافِهٖ مِنَ الصَّلَاةِ۔ (رواه ابوداؤد)

حواله: ابوداؤد شریف:۹۲/۱، باب فیمن ینصرف قبل الامام، کتاب الصلاة، حدیث نمبر:۶۲۴۔

ترجمه: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرامؓ کو نماز پڑھنے کی ترغیب دیتے تھے، اور اس بات سے منع کرتے تھے کہ صحابہؓ نماز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اٹھنے سے پہلے اٹھیں۔

تشریح: اس حدیث میں ایک بات تو یہ بتائی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کو نماز پڑھنے کی یا جماعت سے نماز پڑھنے کی بہت ترغیب دیتے تھے، دوسری بات اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ صحابہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہدایت دیتے تھے کہ نماز اور ذکر و اذکار سے فراغت کے بعد جب تک میں نہ اٹھوں تم لوگ نہ اٹھا کرو، چنانچہ صحابہؓ کا معمول یہی تھا کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مصلی سے نہیں اٹھتے تھے صحابہؓ بھی مصلی پر بیٹھے رہتے تھے۔

ونهاهم ان ينصرفوا: یہاں ''انصراف'' یعنی اٹھنے سے کیا مراد ہے اس میں تین اقوال ہیں:

(۱)......مقتدی امام کے نکلنے سے پہلے مسجد سے نہ نکلیں اس کی وجہ یہ تھی کہ عورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام پھیرتے ہی مسجد سے نکل جاتی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذکر و اذکار میں لگ جاتے تھے، اب اگر مرد بھی فوراً نکلتے تو عورتوں کے ساتھ راستہ میں اختلاط ہوتا، اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا۔

(۲)......امام کے سلام پھیرنے سے قبل مقتدی سلام نہ پھیریں۔

(۳)......مسبوق امام کے سلام پھیرنے سے قبل اپنی بقیہ نماز کی ادائیگی کے لئے کھڑے نہ ہوں یہ ہمارے یہاں حرام ہے۔ (مرقات: ۱/۳۵۵)

﴿الفصل الثالث﴾

تشہد میں پڑھی جانے والی ایک اور دعا

﴿۸۹۳﴾ وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِیْ صَلَاتِہِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ الثَّبَاتَ فِی الْاَمْرِ وَالْعَزِیْمَۃَ عَلَی الرُّشْدِ، وَاَسْاَلُکَ شُکْرَ نِعْمَتِکَ وَحُسْنَ عِبَادَتِکَ وَاَسْاَلُکَ قَلْباً سَلِیْماً وَلِسَاناً صَادِقاً وَاَسْاَلُکَ مِنْ خَیْرِ مَا تَعْلَمُ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَنَسْتَغْفِرُکَ لِمَا تَعْلَمُ۔

(رواہ النسائی وروی احمد نحوہ)

حوالہ: سنن نسائی: ۱۴۶/ ۱، باب نوع آخر من الدعاء، کتاب السھو، حدیث نمبر:۱۳۰۳۔مسند أحمد: ۱۲۳/ ۴.

ترجمہ: حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز میں یہ دعا مانگتے تھے،''اللھم انی اسالک الخ'' اے اللہ میں آپ سے دینی معاملات میں ثابت قدمی کا سوال کرتا ہوں اور درست بات کا عزم مانگتا ہوں، اور اس بات کا سوال کرتا ہوں کہ میں آپ کی نعمت کا شکر یہ ادا کروں اور آپ کی بہترین عبات کروں، اور آپ سے قلب سلیم اور سچی زبان کا طلبگار ہوں، اور میں اس چیز کی بھلائی مانگتا ہوں جس کو آپ جانتے ہیں اور اس چیز کی برائی سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں جس کو آپ جانتے ہیں اور اس گناہ کی بخشش چاہتا ہوں جو آپ کے علم میں ہے(نسائی) احمد نے بھی اسی طرح یہ روایت نقل کی ہے۔

تشریح: الامر: دین سے متعلق تمام امور مراد ہیں۔

العزیمة علی الرشد: کسی کام کے کرنے کا پختہ ارادہ کرنا عزم ہے مطلب یہ ہے کہ خیر کی بات اختیار کرنے میں تذبذب کا شکار نہ ہوں، ہدایت کو فوراً اختیار کرلوں اور ہدایت کو اپنے لئے لازم کرلوں۔

واسالک شکر نعمتک الخ: یعنی آپ نے جو نعمتیں عطاء کیں ہیں، ان کو آپ کی فرمانبرداری میں صرف کروں، حاصل یہ ہے کہ آپ کے اوامر پر عمل کروں اور نواہی سے اجتناب کروں۔

وحسن عبادتک: عبادت اس کے شرائط، ارکان اور کامل اخلاص کے ساتھ ادا کروں۔

قلباً سلیماً: ایسے دل کا طلب گار ہوں جو فاسد عقائد اور شہوات کی طرف مائل ہونے سے پاک ہو اس وجہ سے کہ یہ چیزیں قلب کے امراض میں سے ہیں، اور قلب کی صحت علم اور اخلاق فاضلہ ہیں، یا پھر یہ مراد ہے کہ ایسا قلب عطاء فرمائیے جو کینہ کپٹ، بغض وحسد اور دیگر اخلاق رذیلہ سے پاک ہو۔

واسالک من خیر الخ: بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں، جن کے ظاہر سے انسان اس کو اپنے حق میں مفید خیال کرتا ہے، حالانکہ حقیقت کے اعتبار سے اس کے حق میں بہتر نہیں ہوتی، اسی طرح بہت سی اشیاء کو انسان بری سمجھتا ہے، لیکن وہ اپنے انجام کے اعتبار سے اس انسان کے حق میں مفید ہوتی ہیں، ارشاد خداوندی ہے "عسیٰ ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم وعسیٰ ان تحبوا شیئا وھو شرلکم" ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کررہے ہو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کررہے ہو

جب کہ وہ تمہارے حق میں بری ہو، اس وجہ سے دعاء فرمائی کہ اے اللہ جو چیز آپ کے علم میں بہتر ہے وہ عطاء کیجئے اور جس چیز کو آپ برا جانتے ہیں اس سے ہمیں محفوظ رکھئے۔

نستغفر ک: گناہوں اور غلطیوں سے بھی اللہ تعالیٰ خوب واقف ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی مغفرت بھی طلب کی ہے۔

تشہد کے بعد کی دعاء

﴿۸۹۴﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ صَلَاتِهٖ بَعْدَ التَّشَهُّدِ اَحْسَنُ الْكَلَامِ كَلَامُ اللّٰهِ وَاَحْسَنُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ۔ (رواه النسائی)

حوالہ: نسائی: ۱۴۷/۱، باب نوع آخر من الذکر بعد التشہد، کتاب السہو، حدیث نمبر: ۱۲۱۰۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز میں تشہد کے بعد یہ دعاء مانگتے تھے، "احسن الکلام الخ" سب سے بہترین کلام اللہ کا کلام ہے، سب سے اچھا طریقہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔

تشریح:

کس دعا سے نماز باطل ہو جاتی ہے

اشکال: جو الفاظ ذکر و دعاء کے علاوہ ہوں ان کے تلفظ سے نماز باطل ہو جاتی ہے، پھر نماز میں "احسن الھدی ھدی محمد" کے الفاظ کہنے سے نماز کیوں نہیں باطل ہوئی، یہ الفاظ نہ دعا ہیں نہ ذکر ہیں۔

جواب: اللہ اور اس کے رسول کے کلام کی مدح یہ درحقیقت اللہ کے رسول کی مدح ہے، اور یہ ذکر و تسبیح اور رسول اللہ پر درود بھیجنے کے حکم میں ہے، کیونکہ اعتبار معنی کا ہوتا ہے، الفاظ کا نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ ہمارے علماء نے کہا ہے کہ اگر کسی سے نماز میں کہا گیا کہ فلاں کی وفات ہوگئی اور نمازی نے یہ سن کر " انا للّٰہ و انا الیہ راجعون " پڑھا تو نماز باطل ہوگئی، اس وجہ سے کہ معنی کے اعتبار سے یہ قائل کے کلام کا جواب ہوگیا، اگر چہ الفاظ کے اعتبار سے قرآن کے الفاظ ہی ہیں، علماء لکھتے ہیں کہ تشہد کے بعد سلام سے پہلے یعنی نماز میں وہ دعا نہ کرنا چاہئے، جن کو انسان سے طلب کیا جاتا ہے، لہٰذا اگر کسی نے دعا کی "اللھم اعطنی مالا وجاریۃ" اے اللہ مال عطا فرمادیجئے، باندی عطا فرمادیجئے تو اس سے دعا کرنے والے کی نماز باطل ہو جائے گی۔ اس کے برخلاف اگر کسی نے یہ دعا کی "اللھم اغننی و زوجنی الحور العین" اب نماز باطل نہ ہوگی، کیونکہ غنا عطا کرنا اور حور عین سے شادی کر دینا کسی انسان کا کام نہیں ہے۔ (مرقات: ۲/۳۵۶)

ایک سلام پھیرنے کا ذکر

﴿۸۹۵﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ فِي الصَّلَاةِ تَسْلِيْمَةً تِلْقَاءَ وَجْهِهٖ ثُمَّ يَمِيْلُ إِلَى الشِّقِّ الْاَيْمَنِ شَيْئًا۔ (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/ ۶۶، باب کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۲۹۶۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ایک سلام اس طور پر پھیرتے کہ شروع میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رخ سیدھا ہوتا پھر کچھ دائیں طرف مائل ہو جاتا۔

تشریح: سلام سے متعلق تفصیل اوپر گذر چکی وہاں اس حدیث کے جوابات بھی گذر چکے۔ فقط

سلام پھیرتے وقت جواب کی نیت

﴿۸۹۶﴾ وَعَنْ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَرُدَّ عَلَى الْإِمَامِ وَنَتَحَابَّ وَاَنْ يُسَلِّمَ بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ۔ (رواه ابو داؤد)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۱۴۳/۱، باب الرد علی الامام، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۱۰۰۱۔

ترجمہ: حضرت سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حکم دیا کہ ہم امام کا جواب دیا کریں، ایک دوسرے سے محبت کریں، ہم میں سے بعض بعض کو سلام کرے۔

تشریح: جب امام سلام پھیرے، تو مقتدی امام کے سلام جواب دینے کی نیت کریں، دائیں طرف والے دوسرے سلام کے جواب میں امام کی نیت کریں، اور بائیں طرف والے پہلے سلام میں امام کے جواب کی نیت کریں، نیز ایک دوسرے پر سلام کی نیت کریں، امام کی پشت والے ہر سلام میں امام کے جواب کی نیت کریں، امام بھی مقتدیوں کی نیت کرے نیز اور ایک دوسرے کو سلام کریں، یعنی مقتدی سلام میں دوسرے مقتدیوں کی نیت کریں۔

علماء نے لکھا ہے جماعت میں شریک جنات اور فرشتوں کی نیت بھی کی جائے۔

❁❁❁

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب الذکر بعد الصلاۃ

رقم الحدیث:...... ٨٩٧ تا ٩١۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿باب الذکر بعد الصلاة﴾

نماز کے بعد ذکر کا بیان

ذکر کے لغوی معنی ہیں: بیان کرنا، یاد کرنا، اور دینی اصطلاح میں ذکر سے مراد ہوتا ہے اللہ کو یاد کرنا۔ نماز کے بعد ذکر کا مطلب یہ ہے کہ نمازی جب نماز ختم کر چکے تو مصلے پر بیٹھا ہوا کچھ ذکر بھی کرے خواہ دعاء کی صورت میں ہو یا خواہ کسی اور صورت میں۔ (مظاہر حق جدید: ۱/۶۴۷)

نماز کے بعد ذکر واذکار اور دعاء میں مشغول ہونا مستحب ہے، جن فرض نمازوں کے بعد سنن ونوافل ہیں ان میں مختصر دعاء کرنا چاہئے اور جن میں سنن ونوافل نہیں ان میں دیر تک دعاء میں مشغول رہنا بہتر ہے۔

فرض نماز کے بعد دعاء مانگنے کا ثبوت

اس باب کے تحت ترمذی کے حوالے سے حدیث آرہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سے وقت سب سے زیادہ دعاء قبول ہوتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جوف اللیل الآخر ودبر الصلاة المکتوبات" اس حدیث میں

صاف صراحت ہے کہ فرض نمازوں کے بعد دعاء مقبول ہوتی ہے، علامہ سیوطیؒ نے اپنے رسالہ "فض الوعاء فی احادیث رفع الیدین فی الدعاء" میں بحوالہ ابن ابی شیبہ محمد یحیٰ اسلمی سے نقل کیا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو اس طرح دیکھا کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہی ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگ رہا ہے جب وہ شخص نماز سے فارغ ہوا تو اس سے فرمایا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک نماز سے فارغ نہ ہو جاتے دعاء کیلئے ہاتھ نہ اٹھاتے، اس روایت کے سب روای ثقہ ہیں۔

دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا

حضرت سلمان فارسیؓ سے ابن ماجہ، ترمذی وغیرہ میں روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ان اللہ حیي کریم یستحی اذا رفع الرجل الیہ یدیہ ان یردھما صفراء خائبین" اللہ تعالیٰ بہت حیا کرنے والے اور کریم ہیں، وہ اس سے حیا کرتے ہیں کہ کوئی شخص اس کی طرف دعاء کیلئے ہاتھ اٹھائے اور وہ انہیں خالی ہاتھ اور محروم لوٹا دے۔

ابو داؤد شریف میں مالک بن یسارؓ کی روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اذا سألتم اللہ فاسئلوہ ببطون اکفکم ولاتسألوہ بظھورھما" جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو ہاتھوں کے باطنی جانب سے سوال کرو، ظاہر طرف سے نہ کرو، یعنی ہتھیلیاں چہرے کی طرف کر کے دعا کرو۔

ذکر کے وقت ہاتھ نہ اٹھانا بہتر ہے

محمد بن عبدالرحمٰنؒ فرماتے ہیں کہ دعاء کے وقت خواہ کوئی دعاء ہو اور کسی وقت ہو، نماز کے بعد ہو یا ان کے سواء دیگر اوقات میں ہو ہاتھ اٹھانے پر احادیث نبویہ دالالت کرتی ہیں،

یہاں پر یہ ذہن میں رہے کہ دعاء کے لئے ہاتھ اٹھانا اس وقت مستحب ہے جب کہ الفاظ دعاء طلب کے مقصد و نیت سے ہوں، لیکن جب یہ قصد نہ ہو بلکہ بطور ذکر مسنون کے پڑھنا ہو، جیسے صبح و شام کی، بیداری اور سونے کی دعائیں بیت الخلاء جانے اور نکلنے کی دعا تو ان میں ہاتھ اٹھانے کا کوئی قائل نہیں ہے کیونکہ، اگر ایسا ہوا تو کوئی وقت بھی ہاتھ اٹھانے سے خالی نہ رہے، کیونکہ ہر نقل و حرکت کے لئے کوئی نہ کوئی دعاء ہے جو کہ مسنون ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے جنبی ذکر کے طور پر قرآن پڑھ سکتا ہے تلاوت کے قصد سے نہیں پڑھ سکتا ہے۔ (تلخیص امداد الفتاوی: جلد اول)

﴿الفصل الاول﴾

نماز کے بعد ذکر

﴿۸۹۷﴾ وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ کُنْتُ اَعرِفُ اِنْقِضَاءَ صَلَاۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالتَّکْبِیْرِ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۱۶/۱، باب الذکر بعد الصلاۃ، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۸۴۲۔ مسلم شریف: ۲۱۷/۱، باب الذکر بعد الصلاۃ وبیان صفتہ، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، حدیث نمبر: ۵۸۳۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے اختتام کو آپ کے "اللہ اکبر" کہنے سے پہچان لیتا تھا۔

تشریح: اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نماز کے اختتام پر بلند آواز سے "**اللہ اکبر**" کہتے تھے، اسی "**اللہ اکبر**" کے کہنے سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سمجھ لیتے تھے کہ نماز پوری ہوگئی۔

علامہ نووی شرح مسلم میں اور بدرالدین عینی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ بعض سلف کے نزدیک بعد سلام زور سے ایک بار تکبیر کہنا مستحب ہے اور اسی پر اہل بدعت عمل کرتے ہیں اور ابن حزم کی رائے بھی یہی ہے لیکن جمہور علماء وائمہ اربعہ اس کے استحباب کے قائل نہیں ہیں بلکہ یہ مکروہ ہے کیونکہ لوگ سمجھیں گے کہ اس کے بغیر نماز تام نہیں ہوتی، قائلین نے حدیث مذکور سے استدلال کیا ہے۔ جمہور کی دلیل یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مروی ہے کسی نے اس کا ذکر نہیں کیا، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر عمل ہوتا تو ضرور ذکر کرتے۔

جوابات

(۱)......ان کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس تکبیر سے مراد تسبیح فاطمی ہے اس میں جو تکبیر ہے اس کو تعلیم کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زور سے کہتے تھے۔

(۲)......یا اس سے تکبیرات انتقالات مراد ہیں اور صلوۃ سے رکن صلوۃ مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہر رکن کا انقضاء تکبیر سے پہچانا جاتا تھا الخ۔

(۳) یا تکبیر تشریق مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایام منیٰ میں نمازوں کے بعد تکبیر تشریق پڑھی جاتی تھی اس سے نماز کے ختم ہونے کو پہچانتا تھا۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس سے مراد نماز کے بعد ذکر ہے یعنی نماز کے بعد ذکر جہری مستحب ہے۔

دلیل: ان حضرات کی دلیل حدیث باب ہی ہے، اس سے استدلال کر کے کہتے ہیں، کہ یہ

حدیث بتارہی ہے کہ نماز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذکر بالجہر کرتے تھے، التعلیق الصبیح: ۲/۲ پر ہے: وقال الامام النووی فی ھذا دلیل لما قالہ بعض السلف انہ یستحب رفع الصوت بالتکبیر والذکر عقب المکتوبہ" امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ حدیث باب ان اسلاف کی دلیل ہے جو فرض نماز کے بعد تکبیر اور ذکر کو بلند آواز سے مستحب قرار دیتے ہیں۔

جواب: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد ذکر بالجہر نہیں فرماتے تھے، باب میں جو "رفع الصوت بالتکبیر" کا ذکر ہے وہ ذکر کی تعلیم کے لئے تھا اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھی کیا ہے یہ کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی معمول نہیں تھا یا پھر "رفع الصوت بالتکبیر" سے منیٰ وغیرہ میں ایام تشریق کی تکبیر مراد ہے۔ (بذل، والتعلیق)

ائمہ اربعہ کا مذہب: ائمہ اربعہ نمازوں کے بعد ذکر بالجہر کے استحباب کے قائل نہیں ہیں۔

دلیل: اور ان کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو زور سے ذکر کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا "انکم لاتدعون اصم ولا غائبا انہ یعلم انہ سمیع قریب" تم کسی بہرے کو کسی غائب کو نہیں پکارتے ہو تم تو اس ذات کو پکارتے ہو جو تمہارے ساتھ ہے سنتا ہے اور قریب ہے، اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ تمام اذکار میں مسنون یہ ہے کہ آہستہ ذکر کیا جائے، لیکن کچھ مواقع مستثنیٰ ہیں مثلاً تلبیہ وغیرہ تفصیل کے لئے دیکھئے۔ (مرقات: ۲/۳۷۵)

ذکر جہری

تنبیہ: مشائخ کے یہاں جو ذکر جہری بتایا جاتا ہے وہ بطور علاج ہے جیسا کہ تجربہ

سے مفید ہونا معلوم ہوا، مشائخ اس کے شرائط کیساتھ اس کی اجازت دیتے ہیں اس میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ بیحد مفید ہے البتہ اس کے شرائط کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

نماز کے بعد دعاء

﴿۸۹۸﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَلَّمَ لَمْ يَقْعُدْ إِلَّا مِقْدَارَ مَا يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف:۲۱۸/۱، باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ وبیان صفتہ، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، حدیث نمبر:۵۹۲۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنی دیر بیٹھتے تھے جتنی دیر میں یہ دعاء پڑھی جائے ''اللھم انت السلام'' اے اللہ آپ سلام ہیں اور آپ ہی سے سلامتی ملتی ہے، اے بزرگی و بخشش والی ہستی، آپ بابرکت و برتر ہیں اے بزرگی اور اکرام والے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان فرض نمازوں کے بعد جن نماز کے بعد سنن ہیں، بہت زیادہ دیر تک بیٹھ کر دعائیں نہیں مانگتے تھے، اور نہ بہت دیر تک ذکر اللہ کرتے تھے، بلکہ مختصراً بیٹھ کر سنن ونوافل کی ادائیگی فرماتے تھے، البتہ جن فرض نمازوں کے بعد سنن ونوافل نہیں ہیں مثلاً فجر یا عصر ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پھیرنے کے بعد دیر تک بیٹھنا ثابت ہے۔

فجر وعصر کے بعد ذکر

حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ بسا اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اتنی دیر بیٹھتے تھے اور بسا اوقات سلام پھیرنے کے بعد معاً سنت کی ادائیگی کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے، لیکن فجر اور عصر کی نماز میں زیادہ دیر تک بیٹھنا اور ذکر کرنا مستحب ہے بلکہ فجر میں طلوع شمس اور عصر میں غروب شمس تک ذکر ودعاء کے لئے بیٹھنا مستحب ہے، حضرت انسؓ کی روایت آگے آرہی ہے ''عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لان اقعد مع قوم یذکرون اللہ من صلاۃ الغداۃ حتی تطلع الشمس احب الی ان اعتق اربعۃ من ولد اسماعیل ولان اقعد مع قوم یذکرون اللہ من صلاۃ العصر الی ان تغرب الشمس احب الی من ان اعتق اربعۃ'' (ابوداؤد) حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس جماعت کے ساتھ بیٹھنا جو نماز فجر سے طلوع آفتاب تک اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں میرے نزدیک حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے چار غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے اور عصر کی نماز کے بعد سے غروب آفتاب تک ایسے لوگوں میں میرا بیٹھنا جو اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ چار غلام آزاد کروں، معلوم ہوا کہ فجر وعصر کی نماز کے بعد ذکر واذکار میں مشغول ہونا مستحب ہے۔

اللھم انت السلام: اے اللہ آپ ہر عیب وحوادث اور تغیر وآفات سے پاک وصاف اور محفوظ ہیں۔

ومنک السلام: یعنی سلامتی آپ ہی سے طلب کی جاتی ہے اور آپ سے ہی سلامتی کی امید کی جاتی ہے۔

والیک یرجع السلام وغیرہ کا اضافہ

شیخ جزائری نے ''تصحیح المصابیح'' میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے فرمان "منک السلام" کے بعد جو اضافے کئے جاتے ہیں مثلاً "والیک یرجع السلام فحینا ربنا بالسلام وادخلنا دار السلام" ان کی کوئی اصل نہیں ہے۔

تبارکت: آپ کی ذات ان تمام چیزوں سے بلند ہے جو یہ ظالم کہتے ہیں، یا پھر یہ مطلب ہے کہ آپ کی صفات مخلوق کی صفات سے بہت بلندو بالا ہیں۔(مرقات: ۳/۳۵۸)

اسم اعظم: یا ذاالجلال و الاکرام الخ: ایک قول کے مطابق الجلال والاکرام اسم اعظم ہے جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے سنا کہ وہ کہہ رہا ہے "یاذالجلال والاکرام" تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مانگو تمہاری دعا قبول ہوگی، امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں کہ یہ کلمات اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کا عنوان کامل ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک نقل کیا ہے کہ ان کلمات کو کثرت سے کہا کرو۔(طریق السالکین ترجمہ ریاض الصالحین: ۳/۲۳۸)

نماز کے بعد دعاءواستغفار

﴿۸۹۹﴾ وَعَنْ ثَوبَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلَاتِهٖ اِسْتَغْفَرَ ثَلَاثاً وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔ (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۲۱۸، باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ وبیان صفتہ، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، حدیث نمبر: ۵۹۱۔

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوجاتے تو تین مرتبہ "استغفار" پڑھتے پھر یہ دعاء مانگتے "اللھم انت السلام الخ".

تشریح: استغفر ثلاثا: نماز سے فراغت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین مرتبہ "استغفر اللہ" کہتے تھے، یا پھر تین مرتبہ استغفار پڑھتے تھے "استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم و اتوب الیہ" استغفار کا مقصد رب العالمین کی عبادت میں کوتاہی کا اعتراف تھا، اور یہ بات اس وجہ سے تھی کہ دستور ہے "حسنات الابرار سیئات المقربین" یعنی جو چیزیں نیک لوگوں کی نیکیاں شمار ہوتی ہیں مقربین کے حق میں وہ غلطیاں ہوتی ہیں اسی وجہ سے حضرت رابعہ بصریہ کہا کرتی تھیں، "استغفارنا یحتاج الی استغفار کثیر" ہمارے استغفار ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی معافی کے لئے بہت استغفار کی ضرورت ہوتی ہے۔ (مرقات: ۲/۳۵۸)

نیز امت کو تعلیم بھی مقصود تھی کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہونے کے باوجود استغفار کا اتنا اہتمام فرماتے ہیں تو امت کو استغفار کا کتنا اہتمام کرنا چاہئے۔

فائدہ: نماز کے بعد استغفار فرمانے سے اس طرف بھی اشارہ مقصود ہے کہ نماز پڑھ کر بندہ غرور میں مبتلا نہ ہو کہ میں بڑا عبادت گذار ہوں بلکہ نماز کے بعد بندہ کے اندر ندامت اور شرمندگی ہو کہ مجھ سے نماز کا حق ادا نہ ہوسکا اور اپنی کوتاہی پر استغفار ہو۔

نماز کے بعد کی ایک اور دعاء

﴿۹۰۰﴾ وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ

مَكْتُوبَةٍ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔ (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۱۷، باب الذکر بعد الصلاۃ، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۸۴۴۔ مسلم شریف: ۱/۲۱۸، باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ، وبیان صفته، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ.

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد یہ دعاء پڑھتے تھے "لا الٰہ الا اللہ وحدہ الخ" اللہ کے سواء کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہت ہے، اور تمام تعریف اسی کے لئے ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، اے اللہ تو جس کو عطاء فرمائے اس سے کوئی روکنے والا نہیں ہے، اور جسے تو نہ دے اس کو کوئی دینے والا نہیں ہے اور مالداروں کو اس کی دولت تیرے سامنے کوئی نفع نہیں پہونچا سکتی۔

تشریح: حدیث پاک سے ہر فرض نماز کے بعد دعا مانگنا ثابت ہوا لہذا جو حضرات فرض نماز کے بعد سنن سے ماقبل دعا کو مکروہ کہتے ہیں اس سے ان کی تردید ہو جاتی ہے البتہ جن فرض نمازوں کے بعد سنن ونوافل ہیں ان میں فرض نماز کے بعد مختصر دعا کر کے سنن ونوافل ادا کریں اور جن فرض نمازوں کے بعد سنن ونوافل نہیں ان کے بعد اذکار مسنونہ کے بعد دعا کرنا چاہئے۔

نماز کے بعد ذکر

﴿۹۰۱﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَلَّمَ مِنْ صَلَاتِهِ يَقُوْلُ بِصَوْتِهِ الْأَعْلٰى لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف:۱/۲۱۸، باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، حدیث نمبر:۵۹۴۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے سلام پھیر کر فارغ ہوتے تو بلند آواز سے یہ پڑھتے "لا الہ الا اللہ الــخ" اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں ہے، وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اس کے لئے بادشاہت ہے اور اس کے لئے تمام تعریفیں ہیں، وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، گناہ سے باز رہنے اور عبادت کرنے کی توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے، اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں، ہم اسی کی بندگی کو خالص کرنے والے ہیں، اگر چہ کافروں کو برا کیوں نہ لگے۔

تشریح: نماز کے بعد دعاء اور ذکر آہستہ آواز سے ہی افضل ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان جواز یا تعلیم امت کی خاطر کبھی بلند آواز سے بھی دعا یا ذکر کو پڑھا ہے۔

حدیث میں بھی جو کلمات مذکور ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلند آواز سے اسی لئے پڑھا، تا کہ صحابہؓ ان کو ذہن نشین کرلیں، اور بعد والوں تک پہنچا دیں، ہمیشہ بلند آواز سے ان کلمات کا پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔

لا الہ الا اللہ وحدہ: اللہ تعالیٰ الوہیت میں تنہا ہیں۔

لاشریک لہ: اللہ کی الوہیت میں کوئی شریک نہیں ہے۔

لہ الملک: ظاہر اور باطن ہر اعتبار سے اللہ ہی کی بادشاہت ہے۔

و لہ الحمد: اول و آخیر ہر اعتبار سے اسی کی حمد ہے۔

وھو علی کل شیٔ قدیر: وجود بخشنے، فنا کرنے، انعام کرنے، رنج دینے نفع، نقصان، عزت ذلت سب پر قادر ہے۔

لاحول: اللہ کی نافرمانی سے کوئی بچا نہیں سکتا۔

و لاقوۃ: نیکی کرنے کی کوئی قوت نہیں دے سکتا۔

الا باللہ: اللہ تعالیٰ ہی معصیت سے حفاظت فرماتے ہیں اور اللہ ہی اطاعت کرنے پر اعانت کرتے ہیں۔

لا الہ الا اللہ: کائنات میں جو کچھ ہے اس کو اللہ ہی نے وجود بخشا ہے، اور اللہ ہی نے اس کو باقی رکھا ہے اس وجہ سے اس کے علاوہ کوئی معبود ہو ہی نہیں سکتا۔

و لانعبد: اللہ کے علاوہ کوئی ذات مستحق عبادت نہیں، لہٰذا عبادت بھی صرف اللہ ہی کی کی جائے گی۔

لا الہ الا اللہ: مشرکین کا رد ہے۔

مخلصین: منافقون اور ریاکاروں پر رد ہے۔ (تلخیص، مرقات: ۲/۳۵۹)

کلمات تعوذ کا بیان

﴿۹۰۲﴾ وَعَنْ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ أَنَّهُ يُعَلِّمُ بَنِيْهِ هٰؤُلاءِ الْكَلِمَاتِ وَيَقُوْلُ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَعَوَّذُ بِهِنَّ دُبُرَ الصَّلَاةِ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَأَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ أَرْذَلِ الْعُمُرِ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔ (رواه البخاري)

حوالہ: بخاری شریف: ۳۹۶/۱، باب مایتعوذ من الجبن، کتاب الجهاد، حدیث نمبر: ۲۸۲۲۔

ترجمہ: حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ اپنے بیٹوں کو یہ دعاء سکھاتے تھے اور کہتے تھے کہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد انہی کلمات کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے تھے "اللهم انی اعوذبک من الجبن" اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں بزدلی سے، اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں بخل سے، اور تیری پناہ مانگتا ہوں ناکارہ عمر سے، اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں دنیا کے فتنوں سے اور عذاب قبر سے۔

تشریح: اس حدیث شریف میں پانچ چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی گئی ہے۔

(۱)......بزدلی سے یعنی نیک کام کرنے کی ہمت نہ رہے اس سے پناہ مانگی ہے۔

(۲)......بخل یعنی اپنے علم، مال، عمل سے دوسروں کو نفع نہ پہنچانے سے پناہ مانگی ہے۔

(۳)......ایسی عمر جس میں پہنچ کر سوچنے سمجھنے کی صلاحیت جواب دے جاتی ہے اس سے پناہ مانگی ہے۔

(۴)......دنیا کے فتنوں سے پناہ مانگی ہے۔

(۵)......ان فتنوں سے پناہ مانگی ہے جو عذاب قبر کا سبب ہیں۔

وعن سعد: سعد سے مراد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں۔

اولاد حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ

انه کان یعلم بنیه: مذکورہ دعا حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنی اولاد کو سکھاتے تھے، جن میں مذکر و مؤنث سب داخل ہیں، یہاں پر تغلیباً "بنیه" یعنی مذکر کا ذکر ہے حافظؒ کہتے ہیں کہ محمد بن سعد نے طبقات میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی اولاد کا

ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ انکے چودہ عدد لڑکے اور سترہ عدد لڑکیاں تھیں۔ (فتح الباری: ۳۹۷/۷)

دبر الصلاۃ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کلمات کے ذریعہ نماز کے بعد پناہ مانگتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان چیزوں سے پناہ چاہنا یا تو تعلیم امت کی خاطر تھا یا پھر بارگاہ خداوندی میں تقرب میں اضافہ کی بناء پر رب العالمین کے آگے تذلل کے طور پر تھا۔

جبن وبخل

من الجبن: نفس میں بخل کو جبن کہتے ہیں، یعنی طاعت پر جرأت نہ ہونا۔

البخل: مال یا علم یا ان کے علاوہ کے ذریعہ غیر کو نفع نہ پہنچانا بخل ہے، فیاضی نفس کے ذریعہ ہوتی ہے تو اس کو شجاعت کہتے ہیں اور اس کی ضد "جبن" ہے مال کے ذریعہ فیاضی ہے تو یہی سخاوت ہے اور اس کے مقابلہ میں بخل ہے، شجاعت اور سخاوت نفس کامل میں ہی جمع ہوتی ہیں، اور دونوں صفات میں سے عاری شخص انتہائی ناقص ہوتا ہے۔

ارذل عمر

ارذل العمر: اس سے مراد "ھرم" یعنی اتنی زیادہ عمر ہے جس عمر میں پہنچ کر انسان سٹھیا جاتا ہے، اس کی عقل کم ہو جاتی ہے، اور اس کی قوت کمزور پڑ جاتی ہے، اس عمر سے اس وجہ سے پناہ چاہی گئی کہ زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور وفکر کر کے اس کا شکر یہ ادا کرنا ہے، یہ چیز اس عمر میں پہنچ کر فوت ہو جاتی ہے۔

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ عموماً پچھتر سال کی عمر کے بعد ہوتا ہے یا اسی برس کے بعد یا نوے برس کے بعد، لیکن درحقیقت اس کی کوئی حد نہیں ہے بعض ایسے لوگ بھی دیکھے جاتے ہیں جن کی عمریں سو سال کی قریب ہوں گی مگر ان کے ہوش وحواس بدستور اور سماعت

وبصارت قائم ہوتی ہے علی الخصوص علماء حدیث کی عمریں اکثر دراز ہوتی ہیں اور حدیث شریف کی برکت سے وہ اخیر عمر تک باہوش وحواس رہتے ہیں۔ (مظاہر حق)

فتنۃ الدنیا: دنیا کا فتنہ یہ ہے کہ دنیا اچھی لگنے لگے، آخرت کی یاد دل سے نکل جائے، اور دنیا کی ہوس بہت بڑھ جائے کہ آخرت سے غافل ہوکر ہر وقت دنیا کی فکر میں لگا رہے۔

وعذاب القبر: جو فتنے عذاب قبر کا ذریعہ ہیں ان فتنوں سے بھی پناہ مانگی ہے۔ (تلخیص مرقات: ۲/۳۵۹)

تسبیح فاطمی کی فضیلت

﴿۹۰۳﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اِنَّ فُقَرَاءَ الْمُهَاجِرِيْنَ اَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا قَدْ ذَهَبَ اَهْلُ الدُّثُوْرِ بِالدَّرَجَاتِ الْعُلٰى وَالنَّعِيْمِ الْمُقِيْمِ فَقَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوا يُصَلُّوْنَ كَمَا نُصَلِّيْ وَيَصُوْمُوْنَ كَمَا نَصُوْمُ وَيَتَصَدَّقُوْنَ وَلَا نَتَصَدَّقُ وَيُعْتِقُوْنَ وَلَا نُعْتِقُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفَلَا اُعَلِّمُكُمْ شَيْئًا تُدْرِكُوْنَ بِهٖ مَنْ سَبَقَكُمْ وَتَسْبِقُوْنَ بِهٖ مَنْ بَعْدَكُمْ وَلَا يَكُوْنُ اَحَدٌ اَفْضَلَ مِنْكُمْ اِلَّا مَنْ صَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُمْ قَالُوا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ تُسَبِّحُوْنَ وَتُكَبِّرُوْنَ وَتَحْمَدُوْنَ دُبُرَ كُلِّ صَلٰوةٍ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ مَرَّةً قَالَ اَبُوْ صَالِحٍ فَرَجَعَ فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِيْنَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا سَمِعَ اِخْوَانُنَا اَهْلُ الْاَمْوَالِ بِمَا فَعَلْنَا فَفَعَلُوا مِثْلَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔ (متفق علیه) وَلَيْسَ قَوْلُ اَبِيْ صَالِحٍ

اِلٰی آخِرِہٖ اِلَّا عِنْدَ مُسْلِمٍ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِلْبُخَارِیِّ، تُسَبِّحُوْنَ فِیْ دُبُرِ کُلِّ صَلٰوۃٍ عَشْراً وَتَحْمَدُوْنَ عَشْراً وَتُکَبِّرُوْنَ عَشْراً بَدَلَ ثَلاَثاً وَثَلٰثِیْنَ۔

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۱۶، باب الذکر بعد الصلاۃ، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۸۴۳۔ مسلم شریف: ۱/۲۱۹، باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، حدیث نمبر: ۵۹۵۔

حل لغات: الدثور جمع ہے، واحد الدثر، مال کثیر، یعتقون: باب افعال سے، مصدر اعتاق العبد، غلام کو آزاد کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ "فقرائے مہاجرین" حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ مالدار، دولت مند لوگوں نے بلند درجے اور ہمیشہ رہنے والی نعمت (جنت) حاصل کرلی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ کیسے؟ تو ان لوگوں نے کہا کہ وہ بھی نماز پڑھتے ہیں، جیسے ہم نماز پڑھتے ہیں، وہ بھی اس طرح روزہ رکھتے ہیں، جیسے ہم روزہ رکھتے ہیں، لیکن وہ صدقہ کرتے ہیں اور ہم صدقہ نہیں کرسکتے ہیں، وہ غلام آزاد کرتے ہیں، اور ہم غلام آزاد نہیں کرسکتے ہیں، تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتادوں، جس کے ذریعہ سے تم ان لوگوں کو پالوگے جو تم سے آگے بڑھ گئے ہیں، اور اسکے ذریعہ سے بعد والوں سے تم آگے بھی بڑھ جاؤگے، اور کوئی (مالدار) شخص تم سے افضل نہیں ہوگا، مگر وہ شخص جو تمہاری طرح کرنے لگے۔ لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ضرور بتادیجئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہر نماز کے بعد "سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر" تینتیس بار پڑھو۔ ابو صالح نے کہا (راوی حدیث) "فقراء مہاجرین" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوٹ کر آئے اور انہوں نے کہا ہمارے مالدار بھائیوں نے

جب اس عمل کو سنا، جو ہم کرتے ہیں، تو وہ بھی اسی طرح کرنے لگے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء (یہ اللہ کا فضل ہے جسکو چاہتا ہے عطا کرتا ہے)۔

صالح کا قول اخیر تک صرف امام مسلم نے نقل کیا ہے اور بخاری کی ایک روایت میں تینتیس بار کے بجائے یہ ہے کہ ہر نماز کے بعد دس مرتبہ "سبحان اللہ" دس مرتبہ "الحمد للہ" دس مرتبہ "اللہ اکبر" پڑھو۔

تشریح: تسبحون: اس حدیث میں "سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر" تینتیس بار پڑھنے کو کہا ہے، تینتیس کی مراد میں چند اقوال ہیں:

(۱)...... ہر کلمہ کو تینتیس تینتیس بار پڑھا جائے یہی سب سے بہتر اور راجح قول ہے، بخاری شریف میں اسی روایت کے بعد یہ الفاظ ہیں، کہ ہمارے درمیان اختلاف ہو گیا تو ہم نے پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رجوع کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قولوا سبحان اللہ، والحمد للہ، اللہ اکبر حتی یکون منھن کلھن ثلثا وثلثین" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سبحان اللہ، والحمد للہ، اللہ اکبر" کہو یہاں تک کہ ان میں سے ہر ایک تینتیس مرتبہ ہو جائے اسی طرح ایک روایت آگے آرہی ہے "انه قال علیه السلام من سبح اللہ فی دبر کل صلاۃ ثلاثا وثلاثین وحمد اللہ ثلاثا وثلاثین وکبر اللہ ثلاثا وثلاثین فتلک تسعة وتسعون الخ" ان روایات سے معلوم ہوا کہ ہر کلمہ کو علیحدہ علیحدہ تینتیس بار پڑھنا مراد ہے۔

(۲)...... تینوں کلمہ مل کر تینتیس ہوں یعنی ہر ایک کو گیارہ گیارہ مرتبہ پڑھا جائے۔

(۳)...... تینوں کو ملا کر تینتیس بار پڑھا جائے اس طرح ان میں سے ہر ایک کا تینتیس مرتبہ پڑھنا بھی ہو جائے گا۔

نیکی میں حرص

فــائدہ: (۱)......حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ نیک کام میں ایک دوسرے کی حرص کرنا محبوب اور پسندیدہ ہے۔

شکر گذار مالدار

فائدہ: (۲)......حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو مالدار شکر گذار ہو، اور اپنے مال کا حق ادا کرنے والا ہو، صدقہ، خیرات بھی کرتا ہو، غرباء کی مدد بھی کرتا ہو، اور ساتھ ساتھ عبادت بھی کرتا ہو، وہ عبادت گذار اور صبر کرنے والے فقیر سے افضل ہے۔

تسبیحات پڑھنے والا محروم نہیں ہوگا

﴿۹۰۴﴾ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعَقِّبَاتٌ لَايَخِيْبُ قَائِلُهُنَّ اَوْ فَاعِلُهُنَّ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوْبَةٍ ثَلَاثٌ وَثَلَاثُوْنَ تَسْبِيْحَةً وَثَلَاثٌ وَثَلَاثُوْنَ تَحْمِيْدَةً وَاَرْبَعٌ وَثَلَاثُوْنَ تَكْبِيْرَةً۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۲۱۹، باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، حدیث نمبر:۹۵۶۔

ترجمہ: حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' کہ چند کلمات ہیں، جن کو ہر فرض نماز کے بعد پڑھنے والا یا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کرنے والا محروم نہیں ہوتا، تینتیس مرتبہ سبحان اللہ تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر۔

تشریح: اس حدیث میں بھی مذکورہ تسبیح کی فضیلت بیان کی گئی ہے لہٰذا ہر نماز کے بعد اس کا اہتمام ضرور کرنا چاہئے، اس کی بدولت انسان دنیا وآخرت کی سعادتوں سے مستفید ہوگا۔

معقبات: مذکورہ تسبیحات کو معقبات قرار دیا ہے، اس لئے کہ ان کو نماز کے بعد پڑھا جاتا ہے یا اس وجہ سے کہ ان کے بعد ثواب ملتا ہے۔

واربع وثلاثون تکبیرۃ: گذشتہ حدیث میں تینوں کلمات تینتیس مرتبہ کہنے کا حکم تھا، اس حدیث میں اللہ اکبر کو چونتیس مرتبہ کہنے کی تاکید ہے، اس طرح کل ملا کر سو کا عدد پورا ہو جائے گا، دونوں طریقوں پر عمل کرنے کی گنجائش ہے اور یہاں گذشتہ حدیث سے جو زیادتی ہے اس کو قبول کیا جائے گا کہ ثقہ کی زیادتی معتبر ہے۔

تسبیحات سے گناہوں کی مغفرت

﴿۹۰۵﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَبَّحَ اللّٰهَ فِیْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ وَحَمِدَ اللّٰهَ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ وَكَبَّرَ اللّٰهَ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ فَتِلْكَ تِسْعَةٌ وَّتِسْعُوْنَ وَقَالَ تَمَامُ الْمِائَةِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ غُفِرَتْ خَطَايَاهُ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۲۱۹، باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، حدیث نمبر: ۵۹۷۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جس نے ہر نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ اور الحمد للہ تینتیس بار اور اللہ اکبر تینتیس بار پڑھا تو ننانوے کی تعداد ہوگئی اور سو کے عدد کو پورا کرنے کے لئے ایک مرتبہ "لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیٔ قدیر" پڑھا۔ (اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں ہے، وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے، بادشاہت اسی کے لئے ہے، تمام تعریفیں اس کے لئے ہیں، وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے) تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حدیث میں موجودہ کلمات کو پڑھنے کی برکت سے تمام گناہ صغیرہ معاف ہو جاتے ہیں۔

غفرت خطایاہ: تسبیح پڑھنے سے تمام صغیرہ گناہ تو معاف ہو ہی جائیں گے، اور کبیرہ کے معاف ہونے کا بھی احتمال ہے۔

مثل زبد البحر: یعنی اگرچہ گناہ کثرت اور عظمت میں سمندر کے جھاگ کے مانند کیوں نہ ہوں، لیکن اللہ کی رحمت اور ان کلمات کی برکت سے وہ بھی معاف ہو جائیں گے۔

﴿الفصل الثانی﴾

قبولیت دعاء کاوقت

﴿۹۰۶﴾ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَیُّ الدُّعَاءِ اَسْمَعُ قَالَ جَوفُ اللَّیْلِ الآخِرِ وَدُبُرُ الصَّلَوَاتِ الْمَکْتُوبَاتِ۔ رواه الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱۸۷/۲، باب کتاب الدعوات، حدیث نمبر: ۳۴۹۹۔

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کون سی دعاء سب سے زیادہ قبول ہوتی ہے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اخیر رات کے بیچوں بیچ اور فرض نماز کے بعد۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث میں یہ بات پوچھی گئی ہے کہ کس وقت دعاء کی قبولیت کا زیادہ امکان ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں دو وقتوں کی نشاندہی فرمائی ہے۔(۱) رات کے اخیر حصہ میں۔(۲) فرض نمازوں کی ادائیگی کے بعد۔ معلوم ہوا کہ ان دو وقتوں میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔

فرض نماز کے بعد دعا

فائدہ: (۱)......حدیث پاک سے فرض نمازوں کے بعد دعا کا ثبوت ہو گیا، جو حضرات فرض نمازوں کے بعد دعا کا انکار کرتے ہیں حدیث پاک سے ان کی تردید ہو جاتی ہے۔

اجتماعی دعاء

فائدہ: (۲)......فرض نمازوں کے بعد جب دعاء کا ثبوت ہو گیا تو اس سے اجتماعی دعا کا ثبوت ہو گیا، اس لئے کہ نماز کے ختم ہونے کا وقت ایک ہی ہوتا ہے، اور جب ہر نماز کے بعد دعا کرے گا تو خود بخود اجتماعی دعا کی شکل ہو جائے گی۔

فرض نماز کے بعد جہراً دعا

فائدہ: (۳)......البتہ فرض نمازوں کے بعد جہراً دعا کرنا کہ امام جہراً دعا کرتا ہے، مقتدی آمین کہتے ہیں اس کا التزام ثابت نہیں، اس التزام کو ترک کر دینا چاہئے۔

دعاء کے بعد معوذتین پڑھنا

﴿۹۰۷﴾ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ اَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَقْرَأَ بِالْمُعَوِّذَاتِ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ۔

(رواہ احمد وابوداؤد والنسائی والبیہقی فی الدعوات الکبیر۔)

حوالہ: مسند احمد: ۱۵۵/۴، ابوداؤد شریف: ۲۱۳/۱، باب الاستغفار، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۱۵۲۳۔

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو حکم دیا کہ میں ہر نماز کے بعد معوذات پڑھا کروں۔ (احمد ابوداؤد ونسائی) بیہقی نے اس روایت کو دعوات کبیر میں نقل کیا ہے۔

تشریح: جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو اس کے فوائد وثمرات بے حد ہوں گے، اس لئے ہمیں اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔

المعوذات: اس سے مراد قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس ہے جمع کا اطلاق دو سورتوں پر اس لئے کیا گیا ہے کہ اقل جمع دو ہی ہے یا پھر تغلیباً اس میں "قل ھو اللّٰہ" اور قل یا ایھا الکافرون" بھی داخل ہیں، کیونکہ ان دو سورتوں میں کفر وشرک سے براءت کا اظہار ہے تو ایک طرح سے اس میں بھی تعوذ کے معنی پائے گئے۔ (مرقات: ۲/۳۶۴)

نماز کے بعد ذکر کی فضیلت

﴿۹۰۸﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاَنْ اَقْعُدَ مَعَ قَوْمٍ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ مِنْ صَلَاۃِ الْغَدَاۃِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اُعْتِقَ اَرْبَعَۃً مِنْ وُلْدِ اِسْمَاعِیْلَ وَلَاَنْ اَقْعُدَ مَعَ قَوْمٍ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ مِنْ صَلَاۃِ الْعَصْرِ اِلٰی اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اُعْتِقَ اَرْبَعَۃً۔ رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲/۵۱۶، باب فی القصص، کتاب العلم، حدیث نمبر: ۳۶۶۷۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس جماعت کے ساتھ میرا بیٹھنا جو فجر کی نماز سے طلوع شمس تک اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں مجھے اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے چار غلام آزاد کروں، اور ایسی قوم کے ساتھ بیٹھنا جو عصر کی نماز سے غروب شمس تک اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں، مجھے اس بات سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں چار غلام آزاد کروں۔

تشریح: اس حدیث میں نماز فجر و عصر کے بعد سے طلوع شمس اور غروب شمس تک ذکر کرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور ایسی جماعت کے ساتھ بیٹھنے کو چار غلام آزاد کرنے سے افضل قرار دیا ہے۔

لان اقعد: لام ابتداء کے لئے ہے، حافظ نے اس کو قسم کا لام قرار دیا ہے۔

یذکرون اللّٰہ: ذکر اللہ عام ہے اس میں دعاء، تلاوت، علم کا مذاکرہ، ذکر صالحین سب داخل ہے۔

ولد اسماعیل: عرب قوم تمام قوموں میں افضل ہے اور عرب میں بنو اسمٰعیل سب سے افضل ہیں اسی بناء پر ان کا تذکرہ کیا ہے اس سے ذکر اللہ کی اہمیت اور اس عمل کو انجام دینے والوں کے ساتھ بیٹھنے کی فضیلت خوب ظاہر ہو رہی ہے۔

علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ حدیث میں چار غلاموں کے آزاد کرانے سے افضل عمل ذکر اللہ میں منہمک جماعت کے ساتھ بیٹھنے کو قرار دیا ہے، اسمیں چار کے عدد کی وجہ تخصیص یقینی طور پر آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم ہی کو معلوم ہے ہمارے اوپر اس کو تسلیم کرنا لازم ہے، البتہ احتمال کے درجہ میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ جس عمل کی طرف دعوت دی جارہی ہے اس میں چار چیزیں ہیں، اس وجہ اس میں بھی چار کا عدد ذکر کیا ہے وہ چار اشیاء یہ ہیں۔(۱) بیٹھنا (۲) ذکر اللہ (۳) ذکر کرنے والی جماعت کے ساتھ بیٹھ کر ذکر کرنا (۴) طلوع شمس یا غروب تک اس عمل کو جاری رکھنا۔(مرقات:۲/۳۶۵)

اجتماعی ذکر

فائدہ: (۱)......حدیث پاک میں اجتماعی ذکر کی اصل موجود ہے۔

مجلس ذکر میں شیخ کی شرکت

(۲)......شیخ کو مریدین کے ساتھ ذکر میں شریک ہونا چاہئے۔

فجر اور عصر کے بعد ذکر کا اہتمام

(۳)......نماز فجر کے بعد سے سورج نکلنے تک نماز عصر کے بعد سے غروب شمس تک ذکر میں مشغول رہنے کا استحباب معلوم ہوا، اسی وجہ سے مشائخ کے یہاں ان دونوں وقتوں میں بطور خاص ذکر کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

نماز فجر کے بعد ذکر اللہ و نماز اشراق کی فضیلت

﴿۹۰۹﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى الْفَجْرَ فِي جَمَاعَةٍ ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُ اللّٰهَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ كَانَتْ لَهُ كَاَجْرِ حَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَامَّةٍ تَامَّةٍ تَامَّةٍ۔ (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۱۳۰، باب ذکر مایستحب من الجلوس فی المسجد بعد صلاۃ الصبح ابواب السفر، حدیث نمبر:۵۸۶۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جس نے فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی پھر وہ بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتا رہا، یہاں تک سورج طلوع ہو گیا، تو اس کے لئے ایک حج وعمرہ کے مانند ثواب ہے۔راوی کہتے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''پورے حج وعمرہ کا ثواب، پورے حج عمرہ کا ثواب، پورے حج وعمرہ کا ثواب۔

تشریح: جماعت کے ساتھ فجر پڑھنے کے بعد اپنی جگہ پر بیٹھ کر ذکر اللہ میں طلوع شمس تک مشغول رہنے والا اور پھر اشراق کا وقت آنے پر نماز اشراق پڑھنے والا اس ثواب کا حقدار ہو جاتا ہے، جو ثواب حج وعمرہ کرنے والے کو ملتا ہے۔

ثم قعد یذکر اللہ : یعنی فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنے کے بعد اسی جگہ بیٹھ کر ذکر اللہ میں لگا رہا اگر کوئی شخص طواف کے لئے اس جگہ سے کھڑا ہو گیا، یا طالب علم کی وجہ سے اٹھا، یا مسجد میں مجلس وعظ میں شریک ہوا اسی طرح اپنے گھر ذکر اللہ کرتے ہوئے لوٹا اور طلوع شمس تک گھر آکر ذکر اللہ میں لگا رہا، پھر نماز اشراق ادا کی تو سب اس حدیث کے مصداق میں شامل ہیں۔

الفصل الثالث

دو نمازوں کے درمیان فصل

﴿۹۱۰﴾ وَعَنِ الْاَزْرَقِ بْنِ قَيْسٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ قَالَ صَلّٰى بِنَا اِمَامٌ لَنَا يُكْنٰى اَبَارِمْثَةَ قَالَ صَلَّيْتُ هٰذِهِ الصَّلَاةَ اَوْ مِثْلَ هٰذِهِ الصَّلَاةِ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَكَانَ اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ يَقُوْمَانِ فِي الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ عَنْ يَمِيْنِهِ وَكَانَ رَجُلٌ قَدْ شَهِدَ التَّكْبِيْرَةَ الْاُوْلٰى مِنَ الصَّلَاةِ فَصَلّٰى نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ سَلَّمَ عَنْ يَمِيْنِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ حَتّٰى رَاَيْنَا بَيَاضَ خَدَّيْهِ ثُمَّ

انْفَتَلَ كَانْفِتَالِ اَبِي رِمْثَةَ يَعْنِي نَفْسَهُ فَقَامَ الرَّجُلُ الَّذِي اَدْرَكَ مَعَهُ التَّكْبِيْرَةَ الْاُوْلٰى مِنَ الصَّلَاةِ يَشْفَعُ فَوَثَبَ عُمَرُ فَاَخَذَ بِمَنْكِبَيْهِ فَهَزَّهُ ثُمَّ قَالَ اِجْلِسْ فَاِنَّهُ لَنْ يَهْلِكَ اَهْلُ الْكِتَابِ اِلَّا اَنَّهُ لَمْ يَكُنْ بَيْنَ صَلَاتِهِمْ فَصْلٌ فَرَفَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّم بَصَرَهُ فَقَالَ اَصَابَ اللّٰهُ بِكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۱۴۴، باب فی الرجل یتطوع فی مکانہ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۱۹۹۷۔

ترجمہ: حضرت ازرق بن قیس رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ہمارے امام صاحب نے جنکی کنیت ابورمثہ ہے، ہم کونماز پڑھائی، پھر امام صاحب نے کہا کہ میں نے یہ نماز یا یہ کہا کہ اس جیسی نماز حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی راوی کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اگلی صف میں دائیں طرف کھڑے تھے، ایک آدمی نماز میں تکبیر اولی ہی سے شریک تھا، پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اور اپنی دائیں وبائیں جانب اس طرح سلام پھیرا کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار مبارک کی سفیدی دیکھ لی، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پلٹے جیسے کہ ابورمثہ یعنی میں خود پلٹا، تو وہ آدمی جو تکبیر اولی سے نماز میں شریک تھے، فوراً کھڑے ہوکر دو رکعت نماز پڑھنے لگے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لپک کر اٹھے اور اس کے دونوں مونڈھے پکڑ کر ہلائے اور کہا کہ بیٹھ جاؤ۔

اہل کتاب اسی وجہ ہلاک ہوئے کہ وہ اپنی نمازوں میں فصل نہیں کرتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نگاہ اٹھائی اور کہا کہ اے خطاب کے بیٹے اللہ نے تم کو درست بات کی توفیق دی۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کے اس عمل کو درست قرار دیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابیؓ کے کسی عمل کو دیکھ کر نکیر نہیں فرمائی، تو وہ عمل بھی حدیث سے ثابت مانا جاتا ہے اور اصطلاح میں اس کو "تقریر" کہتے ہیں، حضرت عمرؓ کے منع کرنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکیر نہیں فرمائی بلکہ اس کو درست قرار دیا؛ لہٰذا اس عمل کو بھی ثابت بالسنۃ ہی کہا جائے گا اور یہ کہا جائے گا کہ سنت یہی ہے کہ نمازوں کے درمیان فصل کیا جائے، اس کے علاوہ دیگر احادیث سے بھی یہ بات ثابت ہے۔

یکنی ابا رمثہ: "ابو رمثہ" کے نام میں مختلف اقوال ہیں، ایک قول تقریب میں یہ لکھا ہے کہ ان کا نام "رفاعۃ بن یثربی" ہے، اور "ابو رمثہ" کنیت ہے۔

الصف المقدم عن یمینہ: حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ آپ کے دائیں طرف پہلی صف میں کھڑے تھے، کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا "لیلینی منکم اولو الاحلام، والنھی" تم میں سے میرے پاس کھڑے ہوں سمجھدار اور عقلمند لوگ، معلوم ہوا کہ مسنون یہ ہے کہ پہلی صف میں کھڑے ہونے کی کوشش کی جائے پھر دائیں طرف کھڑے ہونے کی کوشش کی جائے، یہی افضل ہے۔

التکبیرۃ الاولی: تکبیر اولی کی قید اس لئے لگائی تا کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ جو آدمی سلام پھیرتے ہی نماز کے لئے کھڑے ہو گئے تھے، وہ مسبوق نہیں تھے، کیونکہ مسبوق تو سلام پھیرنے کے معا بعد اپنی نماز کی تکمیل کے لئے لامحالہ کھڑا ہوگا، اس میں نہ کوئی قباحت ہے اور نہ کسی کے لئے اس کو روکنے کی گنجائش ہے، جو شخص کھڑے ہوئے، وہ تکبیر اولی ہی سے شریک تھے، لہٰذا ان کا کھڑے ہو کر نماز پڑھنا یہ دو نمازوں کے درمیان فصل کو ترک کرنا تھا، جس سے ان کو روکا گیا۔

کانفتال ابی رمثۃ: اس کا مطلب یہ ہے کہ ابو رمثہ کہہ رہے ہیں کہ جس طرح اس وقت تمہارے سامنے سلام پھیر کر رخ موڑ کر بیٹھا ہوں، اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی بیٹھتے تھے۔

فقام الرجل الذی: وہ آدمی جو تکبیر تحریمہ ہی سے شریک تھے، جس جگہ فرض نماز پڑھی تھی، اسی جگہ دوسری نماز میں لگ گئے۔

فوثب عمر: حضرت عمر رضی اللہ عنہ جلدی سے کھڑے ہوئے۔

لن یھلک اھل الکتاب: اہل کتاب اصلاً تو احکام خداوندی میں تحریف کی وجہ سے ہلاک وبرباد ہوئے حضرت عمرؓ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ نماز کے فوراً بعد اسی جگہ کھڑے ہو کر دوسری نماز پڑھنا یہ بھی حکم الٰہی کو ایک طرح بدلنا ہے، لہٰذا یہ بھی ہلاکت کا سبب ہے اور اس کو حصر کے طور پر اس لئے بیان کیا تاکہ دعوے میں قوت پیدا ہو جائے۔

لم یکن بین صلاتھم فصل: نماز میں فصل سے کیا مراد ہے، فصل سے مراد یا تو یہ ہے کہ جس جگہ فرض نماز ادا کی ہے اس سے ذرا ہٹ کر سنن ونوافل میں لگنا چاہئے، یا پھر فصل سے مراد یہ ہے کہ دو نمازوں کے درمیان کسی عمل سے فصل کرلے، مثلاً بات چیت کرلے، یا مسجد سے نکل جائے یا پھر فصل سے مراد یہ ہے کہ دو نمازوں کے درمیان کچھ ذکر واذکار کرلے، اور یہی زیادہ قرین قیاس ہے، اسی وجہ سے صاحب مشکوٰۃ اس حدیث کو ''باب الذکر بعد الصلاۃ'' کے تحت لائیں ہیں۔

فوائد: (۱) دو نمازوں کے درمیان فصل ہونا چاہئے۔

(۲) منکر پر نکیر کی اہمیت معلوم ہوئی۔

(۳) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور جذبہ اصلاح کا علم ہوا۔

(۴) بڑوں کی موجودگی میں چھوٹے بھی نصیحت اور اصلاح کرسکتے ہیں۔

(۵) ہر نماز کے بعد کچھ ذکر واذکار ہونا چاہئے۔

نماز کے بعد ایک اور ذکر

﴿۹۱۱﴾ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ أُمِرْنَا اَنْ نُسَبِّحَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ وَنَحْمَدَ ثَلَاثًا وَّثَلَاثِيْنَ وَنُكَبِّرَ اَرْبَعاً وَّثَلَاثِيْنَ فَاُتِيَ رَجُلٌ فِي الْمَنَامِ مِنَ الْاَنْصَارِ فَقِيْلَ لَهُ اَمَرَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تُسَبِّحُوْا فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ كَذَا وَكَذَا قَالَ الْاَنْصَارِيُّ فِيْ مَنَامِهِ نَعَمْ قَالَ فَاجْعَلُوْهَا خَمْسًا وَّعِشْرِيْنَ خَمْساً وَعِشْرِيْنَ وَاجْعَلُوْا فِيْهَا التَّهْلِيْلَ خَمْساً وَّعِشْرِيْنَ فَلَمَّا اَصْبَحَ غَدَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَافْعَلُوْا۔ (رواه احمد والنسائی والدارمی)

حواله: مسند احمد: ۱۸۴/۵، نسائی: ۱۵۱/۱، باب اخر من عدد التسبيح، كتاب السهو، حدیث نمبر:۱۳۴۹۔ دارمی: ۳۶۰/۱، باب التسبيح في دبر الصلاة، كتاب الصلاة، حدیث نمبر:۱۳۵۴۔

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ ہم ہر نماز کے بعد تینتیس مرتبہ "سبحان اللہ" تینتیس مرتبہ "الحمد للہ" چونتیس مرتبہ "اللہ اکبر" پڑھا کریں، ایک انصاری صحابیؓ کے خواب میں ایک آدمی (فرشتہ) دکھایا گیا، اوران صحابی سے خواب میں ہی کہا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو ہر نماز کے بعد اتنی اتنی مرتبہ تسبیح پڑھنے کا حکم کیا ہے، انصاری صحابیؓ نے خواب ہی میں کہا کہ ہاں ایسا ہی ہے، تو وہ آدمی (فرشتہ) بولا کہ ان تینوں کلمات کو پچیس پچیس مرتبہ کرلو، اوران میں پچیس مرتبہ "لا الہ الا اللہ" بھی شامل کرلو، جب صبح ہوئی تو وہ صحابیؓ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت حاضر

ہوئے اور اپنا خواب بتایا، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اسی طرح کرلو"۔

تشریح: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین کلمات پڑھنے کا حکم اتنی تعداد میں کیا تھا، جن کی مجموعی تعداد سو ہوتی تھی، ایک انصاری صحابیؓ کو فرشتہ نے اس ذکر میں "لاالہ الا اللہ" داخل کرنے اوان کلمات کی تعداد میں کمی کرنے کی ہدایت دی، صحابیؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر خواب بتایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کی توثیق فرمائی، تو اب یہ عمل صحابیؓ کا خواب نہیں رہا، بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توثیق فرمانے سے ایسا ہوگیا، جیسا کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا، اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توثیق نہ ہوتی، تو محض کسی کا خواب خواہ وہ صحابیؓ کیوں نہ ہوں ہرگز حجت نہیں بن سکتا۔

امرنا: مراد استحباب کے طور پر ہے، وجوب کے طور پر نہیں۔

فی دبر کل صلاۃ: یعنی ہر فرض نماز کے بعد۔

وتکبر اربعا وثلاثین: "سبحان اللہ" اور "الحمد للہ" تینتیس مرتبہ، جب کہ اللہ اکبر چونتیس مرتبہ کہنے کا حکم کیا، تا کہ سو کا عدد پورا ہو جائے۔

فاتی رجل: خواب کا فرشتہ آیا طیبیؒ نے کہا کہ ممکن ہے کہ یہ سونے کی حالت میں خواب نہ ہو بلکہ الہام ہو اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے تعلیم و ہدایت ہو، اس بناء پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برقرار رکھا، فرشتہ نے جو بات کہی وہ یہ تھی کہ مذکورہ تینوں کلمات کو پچیس پچیس مرتبہ پڑھو اور پچیس مرتبہ "لا الہ الا اللہ" پڑھو یہ صورت زیادہ جامع ہے۔ اس وجہ سے کہ اس میں "لاالہ الا اللہ" کا شمول بھی ہوگیا ہے اور سو کا عدد بھی مکمل ہے۔

فافعلوا: یہ امر بطور استحباب ہے اور ہمارے لئے اس عمل کو اختیار کرنا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی بناء پر ہے، کیوں کہ الہام یا خواب حجت نہیں، (مرقات: ۲/۳۶۷)

نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھنا

﴿۹۱۲﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَعْوَادِ هٰذَا الْمِنْبَرِ يَقُوْلُ مَنْ قَرَأَ آيَةَ الْكُرْسِيِّ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ لَمْ يَمْنَعْهُ مِنْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ اِلَّا الْمَوْتُ وَمَنْ قَرَأَهَا حِيْنَ يَأْخُذُ مَضْجَعَهُ اٰمَنَهُ اللّٰهُ عَلٰى دَارِهٖ وَدَارِ جَارِهٖ وَاَهْلِ دُوَيْرَاتٍ حَوْلَهٗ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَقَالَ اِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ)

حواله: بيهقي في شعب الايمان:۲/۴۵۸، باب في تعظيم القرآن، حدیث نمبر:۲۳۹۵۔

ترجمه: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی منبر کی لکڑیوں پر کھڑے ہو کر یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''جس نے ہر نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھنے کا معمول بنایا، تو اس کو جنت میں داخل ہونے سے موت کے علاوہ کوئی چیز روک نہیں سکتی، اور جو شخص اپنے بستر پر لیٹتے وقت آیت الکرسی پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے گھر کو اور اس کے پڑوسی کے گھر کو اور اس کے اردگرد کے بہت سے گھروں کو محفوظ رکھے گا۔ (بیہقی فی شعب الایمان) اور بیہقی نے کہا ہے کہ اس کی اسناد ضعیف ہے۔

تشریح: اس حدیث میں آیت الکرسی کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اس کو ہر نماز کے بعد پڑھنے کا معمول بنانے والا مرنے کے بعد جنت میں داخل ہوگا، اور سوتے وقت اس کو پڑھنے کا معمول بنانے والا نہ صرف خود ہر طرح کے شرور وفتن سے محفوظ رہے گا، بلکہ اس کا گھر اس کے پڑوس کا گھر اور محلّہ کے بہت سے گھر محفوظ رہیں گے۔

علی اعواد ھذا المنبر: حضرت علیؓ نے یہ بات اس لئے فرمائی تا کہ سمجھ لیا جائے کہ جو بات وہ نقل کر رہے ہیں وہ ان کو خوب اچھی طرح یاد ہے۔
نیز حدیث پاک کی اہمیت کو بتانا مقصود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث پاک مجمع کے سامنے بیان فرمائی ہے اس لئے کہ منبر پر کھڑے ہوکر اسی وقت بیان کیا جاتا ہے جب مجمع زیادہ ہو۔

صلاۃ: مراد فرض نماز ہے۔

الا الموت: یعنی صرف موت حائل ہے اس کے جنت میں داخل ہونے کے لئے، موت آئے اور وہ جنت میں جائے۔

اشکال: حدیث میں دخول جنت کی راہ میں موت کو رکاوٹ قرار دیا ہے، حالانکہ رکاوٹ تو زندگی ہے، جو جنت میں داخل ہونے سے مانع بنی ہوئی ہے، موت تو دخول جنت کی راہ ہموار کرتی ہے، لہٰذا اس کو رکاوٹ کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔

جواب: (۱)...... جنت میں داخل ہونے کے لئے مرنا شرط ہے، اب موت آنہیں رہی ہے، تو گویا موت رکاوٹ ہے، یعنی موت آجائے تو آدمی جنت میں داخل ہو جائے گا۔
(۲)......موت سے مراد عالم برزخ ہے، یعنی جنت کی راہ میں عالم برزخ حائل ہے، جوں ہی قیامت آئیگی اور صور پھونکا جائے گا وہ جنت میں پہنچ جائے گا۔

اسنادہ ضعیف: سند کے اعتبار سے یہ حدیث اگر چہ ضعیف ہے، لیکن فضائل اعمال میں ضعیف احادیث بھی معتبر سمجھی جاتی ہیں۔

فائدہ: معلوم ہوا فرض نمازوں کے بعد اور سوتے وقت آیت الکرسی پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

مغرب اور فجر کے بعد ذکر

﴿۹۱۳﴾ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ غَنْمٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ قَبْلَ اَنْ یَّنْصَرِفَ وَیَثْنِیَ رِجْلَیْہِ مِنْ صَلَاۃِ الْمَغْرِبِ وَالصُّبْحِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ عَشْرَ مَرَّاتٍ کُتِبَ لَہٗ بِکُلِّ وَاحِدَۃٍ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَمُحِیَتْ عَنْہُ عَشْرُ سَیِّئَاتٍ وَرُفِعَ لَہٗ عَشْرُ دَرَجَاتٍ وَکَانَتْ لَہٗ حِرْزاً مِنْ کُلِّ مَکْرُوْہٍ وَحِرْزاً مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ وَلَمْ یَحِلَّ لِذَنْبٍ اَنْ یُدْرِکَہٗ اِلَّا الشِّرْکُ وَکَانَ مِنْ اَفْضَلِ النَّاسِ عَمَلاً اِلَّا رَجُلاً یَفْضُلُہٗ یَقُوْلُ اَفْضَلَ مِمَّا قَالَ۔ (رَوَاہُ اَحْمَدُ وَرَوَی التِّرْمِذِیُّ نَحْوَہٗ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اِلٰی قَوْلِہٖ اِلَّا الشِّرْکُ وَلَمْ یَذْکُرْ صَلَاۃَ الْمَغْرِبِ وَلَابِیَدِہِ الْخَیْرُ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ غَرِیْبٌ)

حوالہ: مسند أحمد: ۴/۲۲۷. ترمذی شریف: ۲/۱۸۵، باب، کتاب الدعوات، حدیث نمبر: ۳۴۷۴۔

حل لغات: ینصرف انصراف عنہ انفعال سے، ہٹنا الگ ہونا، صرف (ض) صرفا الشئی ہٹانا، یثنی ثنیٰ (ض) ثنیا موڑنا، لپیٹنا، حرز، محفوظ مقام، بچاؤ کا ذریعہ، ج احراز حرز (ن) حرازۃ، محفوظ ہونا۔

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جس نے مغرب اور فجر کی نماز کے بعد اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے اور پیر موڑنے سے پہلے "لا الــــہ الا اللہ الـخ" (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ تنہا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اسی کے لئے حکومت ہے اس کے لئے تمام تعریفیں ہیں، خیر اسی کے قبضہ میں ہے وہ زندہ کرتا ہے، اور مارتا

ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے) کا ذکر دس مرتبہ کیا، تو اس کے لئے ہر مرتبہ پڑھنے کے عوض دس نیکیاں لکھ دی جائیں گی، اور دس برائیاں مٹادی جائیں گی، اور اس کے دس درجے بلند کر دیئے جائیں گے، اور ہر بری چیز سے اور شیطان مردود سے اس کی حفاظت ہوگی، شرک کے علاوہ کوئی گناہ اس کو ہلاکت میں نہیں ڈالے گا اور وہ عمل کے اعتبار سے سب سے افضل ہوگا، سوائے اس شخص کے جو اس سے بھی زیادہ ان کلمات کو پڑھنے کی فضیلت حاصل کرلے۔ (مسند احمد) امام ترمذیؒ نے اسی طرح کی روایت حضرت ابو ذر غفاریؓ سے نقل کی ہے، لیکن انہوں نے صرف "الا الشرک" تک کلمات نقل کئے ہیں، مغرب کی نماز کا تذکرہ نہیں کیا ہے اور نہ "ولا بیدہ الخیر" کے الفاظ ذکر کئے ہیں، اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

تشریح: بعد نماز مغرب وفجر اس ذکر کو اسی جگہ پر بیٹھ کر کیا جائے جہاں پر نماز ادا کی گئی ہے، اور تشہد میں بیٹھنے کی جو ہیئت ہوتی ہے اسی ہیئت پر برقرار رہ کر یہ ذکر کیا جائے۔ دس مرتبہ یہ مختصر کلمات پڑھے جائیں گے، تو اس کی برکت سے نہ صرف دس نیکیاں لکھی جائیں گی، بلکہ ذکر کرنے والے کے دس درجے بھی بلند ہوں گے، اور دس برائیاں مٹادی جائیں گی، اسی کے ساتھ ساتھ ہر ناپسندیدہ چیز کے شر سے " شیطان لعین کے شر سے حفاظت بھی رہے گی، اس دعاء واستغفار کی برکت سے ہلاکت میں پڑنے سے محفوظ بھی رہے گا، اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں یہ ذکر کرنے والا بہت معزز ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو اس ذکر پر مداومت اختیار کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (آمین)

طلوع شمس تک ذکر کی فضیلت

﴿۹۱۴﴾ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ

النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بَعْثًا قِبَلَ نَجْدٍ فَغَنِمُوا غَنَائِمَ کَثِیْرَۃً وَاَسْرَعُوا الرَّجْعَۃَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَّا لَمْ یَخْرُجْ مَا رَاَیْنَا بَعْثًا اَسْرَعَ رَجْعَۃً وَلَا اَفْضَلَ غَنِیْمَۃً مِنْ ھٰذَا الْبَعْثِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا اَدُلُّکُمْ عَلٰی قَوْمٍ اَفْضَلَ غَنِیْمَۃً وَاَفْضَلَ رَجْعَۃً قَوْمًا شَھِدُوا صَلَاۃَ الصُّبْحِ ثُمَّ جَلَسُوا یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ حَتّٰی طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَاُولٰٓئِکَ اَسْرَعُ رَجْعَۃً وَاَفْضَلُ غَنِیْمَۃً۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ حَمَّادُ بْنُ اَبِی حُمَیْدٍ الرَّاوِیُّ ضَعِیْفٌ)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۱۹۶، باب، کتاب الدعوات، حدیث نمبر: ۳۵٦۱۔

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی طرف ایک لشکر بھیجا، اس نے بہت کچھ مال غنیمت حاصل کیا، اور وہ لوگ بہت جلد لوٹ آئے، تو ہم میں سے ایک شخص جو لشکر کے ساتھ گیا نہیں تھا بولا ہم نے کوئی ایسا لشکر نہیں دیکھا جو اس سے جلد لوٹ آیا ہو اور اس لشکر سے زیادہ غنیمت لایا ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' کیا میں تم کو ایسی قوم نہ بتاؤں جو مال غنیمت لانے کے اعتبار سے بھی اس سے افضل ہے اور لوٹنے کے اعتبار سے بھی اس سے افضل ہے وہ ایسی جماعت ہے جو فجر کی نماز میں شریک ہوئی، پھر بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتی رہی، یہاں تک کہ سورج طلوع ہوگیا، یہی لوگ جلد لوٹنے والے ہیں اور مال غنیمت میں بڑھے ہوئے ہیں۔

ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا کہ یہ حدیث غریب ہے'' حماد بن ابوحمید راوی ضعیف ہیں۔

تشریح: اس حدیث میں جماعت فجر کے ساتھ شریک ہونے کے بعد سورج نکلنے

تک ذکر اللہ میں مشغول رہنے کی فضیلت بیان ہوئی ہے پیچھے حدیث گذری ہے، جس میں سورج نکلنے کے بعد دو رکعت اشراق پڑھنے کا بھی ذکر تھا اور ایسے شخص کا ثواب حج وعمرہ کرنے والے کے ثواب کے برابر بتایا تھا، حدیث باب میں بھی طلوع شمس تک ذکر اللہ میں مشغول رہنے کو عظیم عمل قرار دیا ہے۔

فوائد: (۱)...... ذکر اللہ کی فضیلت معلوم ہوئی۔

(۲)...... معلوم ہوا کہ ذکر اللہ جہاد سے بھی افضل ہے۔

(۳)...... حدیث پاک سے اجتماعی ذکر کا ثبوت بھی ہو جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب مالا یجوز من العمل فی الصلاۃ ومایباح منہ

رقم الحدیث:...... ۹۱۵، تا ۹۴۷،

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿باب مالا یجوز من العمل فی الصلاۃ وما یباح منہ﴾

نماز میں جائز اور ناجائز امور

اس باب میں جو احادیث منقول ہیں، ان کے ذریعہ سے بعض ان چیزوں کا علم ہوتا ہے جن سے نماز فاسد اور باطل ہو جاتی ہے اسی طرح ان احادیث کے ذریعہ سے بعض ان افعال کی بھی نشاندہی ہوگی، جن کا دوران صلاۃ انجام دینا مکروہ ہے، یعنی ان سے نماز باطل تو نہیں ہوتی، البتہ نماز میں کراہت ضرور آجاتی ہے اس باب میں بعض وہ احادیث بھی مذکور ہیں جن میں ان اعمال کا تذکرہ ہے، جو نماز میں مباح ہیں، یعنی دوران صلاۃ جن اعمال کے کرنے کی گنجائش ہے، ان سے نماز فاسد یا مکروہ نہیں ہوتی۔

﴿الفصل الاول﴾

کلام فی الصلوٰۃ

﴿۹۱۵﴾ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ

بَيْنَا اَنَا اُصَلِّيْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ عَطَسَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ فَقُلْتُ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَرَمَانِيَ الْقَوْمُ بِاَبْصَارِهِمْ فَقُلْتُ وَاثُكْلَ اُمِّيَاهُ مَاشَانُكُمْ تَنْظُرُوْنَ فَجَعَلُوْا يَضْرِبُوْنَ بِاَيْدِيْهِمْ عَلٰى اَفْخَاذِهِمْ فَلَمَّا رَاَيْتُهُمْ يُصَمِّتُوْنَنِيْ لٰكِنِّيْ سَكَتُّ فَلَمَّا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبِاَبِيْ هُوَ وَاُمِّيْ مَا رَاَيْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَهُ وَلَابَعْدَهُ اَحْسَنَ تَعْلِيْمًا مِنْهُ فَوَ اللّٰهِ مَا كَهَرَنِيْ وَلَاضَرَبَنِيْ وَلَاشَتَمَنِيْ قَالَ اِنَّ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ لَايَصْلُحُ فِيْهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ اِنَّمَا هِيَ التَّسْبِيْحُ وَالتَّكْبِيْرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ اَوْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ حَدِيْثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ وَقَدْ جَاءَ نَا اللّٰهُ بِالْاِسْلَامِ وَاِنَّ مِنَّا رِجَالًا يَأْتُوْنَ الْكُهَّانَ قَالَ فَلَاتَأْتِهِمْ قُلْتُ وَمِنَّا رِجَالٌ يَتَطَيَّرُوْنَ قَالَ ذٰلِكَ شَيْءٌ يَجِدُوْنَهُ فِيْ صُدُوْرِهِمْ فَلَا يَصُدَّنَّهُمْ قَالَ قُلْتُ وَمِنَّا رِجَالٌ يَخُطُّوْنَ قَالَ كَانَ نَبِيٌّ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ يَخُطُّ فَمَنْ وَافَقَ خَطَّهُ فَذَاكَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ قَوْلُهُ لٰكِنِّيْ سَكَتُّ هٰكَذَا وَجَدْتُ فِيْ صَحِيْحِ مُسْلِمٍ وَكِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ وَصُحِّحَ فِيْ جَامِعِ الْاُصُوْلِ بِلَفْظِهِ كَذَا فَوْقَ لٰكِنِّيْ)

حواله: مسلم شریف :۲۰۳/ ۱، باب تحریم الکلام فی الصلاۃ وما کان من اباحته، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، حدیث نمبر:۵۳۷۔

حل لغات: عطس: (ض) مصدر عطساً، "الرجل" چھینک آنا، العاطس، چھینکنے والا، رمی: (ض) رمیاً، نشانا بنانا، یہاں گھورنا مراد ہے، الثکل، ثکل (س) ثکلاً، الولد" اولاد سے محروم ہونا، پیار کے موقع پر دعا کے لئے اور ناراضگی کے وقت بددعا کیلئے بولا جاتا ہے، خدا اس کا ناس کرے، افخاذ: جمع ہے واحد فخذ، ران، کھر

(ف) کھر، فلاناً کسی کو روکنا یا اس پر زبردستی کرنا، شتم (ن) شتماً گالی دینا، برا بھلا کہنا، کھانٌ جمع ہے واحد کاھنٌ، کاہن والی بات کہنا، کھن (ف) کھنا انکل سے آئندہ کی بات بتانا، یتطیرون، تطیر، (تفعل) اچھا شگون لینا، پرامید ہونا، لا یصدن صد (ن) صداً وصدوداً عنہ، اعراض کرنا، منہ پھیرنا، روکنا، خط (ن) خطاً الشی، لکیر کھینچنا۔

ترجمہ: حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھ رہا تھا کہ اچانک جماعت میں ایک شخص کو چھینک آئی، میں نے "یرحمک اللہ" کہا اس پر لوگوں نے مجھے گھورنا شروع کیا، میں نے کہا مجھے میری ماں گم کرے، تم مجھے کیوں گھور رہے ہو؟ اس پر انہوں نے اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر مارنے شروع کئے، بہرحال جب میں نے دیکھا کہ لوگ مجھے خاموش کرنا چاہتے ہیں، تو میں خاموش ہوگیا، جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوگئے، تو میرے ماں باپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہترین معلم نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دیکھا اور نہ بعد میں دیکھا، بخدا نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ڈانٹا، نہ مجھ کو مارا پیٹا نہ برا بھلا کہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز میں لوگوں کی بات چیت مناسب نہیں، نماز تو تسبیح تکبیر اور قرآن پڑھنے کا نام ہے۔

پھر اس کے بعد میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بیشک نو مسلم ہوں، اللہ نے ہمیں اسلام کی دولت سے مشرف فرمایا، ہم میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو کاہنوں کے پاس جاتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کے پاس مت جاؤ، میں نے عرض کیا، کہ ہم میں سے کچھ لوگ ہیں جو نیک فالی لیتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ایک ایسی چیز ہے جو وہ اپنے دلوں میں پاتے ہیں، یہ چیز ان کو اپنے کام سے نہ روکے، پھر میں نے عرض کیا، کہ ہم میں سے کچھ خط کھینچتے ہیں (اور اس کے ذریعہ غیب کی خبریں بتاتے ہیں)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام میں سے ایک نبی تھے جو خط کھینچتے تھے لہٰذا جس شخص کا خط اس نبی کے خط کے موافق ہوجائے تو وہ درست ہے، آخر میں صاحب مشکوۃ فرماتے ہیں، کہ حدیث کے الفاظ "لکنی سکت" کو میں نے صحیح مسلم اور حمیدی کی کتاب میں اسی طرح پایا، اور صاحب جامع الاصول نے "لکنی" کے اوپر لفظ "کذا" لکھ کر اس کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

تشریح: ان عطس رجل من القوم: معاویہ بن حکمؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، کہ دوران نماز ایک شخص کو چھینک آئی، اس کے بعد وہ کہتے ہیں، میں نے "یرحمک اللہ" کہا۔

نماز میں چھینکنے والے کے جواب پر "یرحمک اللہ" کہنا

صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ معاویہ بن حکمؓ نے "یرحمک اللہ" اس وقت کہا ہوگا جب چھینکنے والے نے "الحمد للہ" کہا ہوگا، چھینکنے والے کے جواب پر "یرحمک اللہ" کہنے سے جمہور کے نزدیک نماز فاسد ہوجاتی ہے، اس وجہ سے کہ اس میں تخاطب ہے اور نماز میں خطاب وکلام ناجائز ہے۔

اشکال: جب خطاب کے طور "یرحمک اللہ" کہنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے تو حضرت معاویہ بن حکمؓ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز لوٹانے کا حکم کیوں نہیں فرمایا۔

جواب: ......(۱) معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ نو مسلم تھے، ان کو معلوم نہیں تھا نماز میں بات کرنے کا حکم منسوخ ہو چکا ہے، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بناء پر ان کو نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا۔

(۲)......ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز لوٹانے کا حکم فرمایا ہو، لیکن حدیث میں اس کا ذکر صراحتاً نہ کیا گیا ہو۔

فرماني القوم: جب معاویہ بن حکمؓ نے "یرحمک اللہ" کہا تو لوگ ان پر نگاہوں کے تیر مارنے لگے، یعنی ان کو گھورنے لگے۔

واثكل امياه: یہ کلمہ اصلاً بددعا کے لئے ہے، لیکن محاورہ میں اس وقت بولتے ہیں، جب کسی بات پر حیرت ظاہر کرنا ہوتا ہے۔

فجعلوا يضربون: نمازیوں نے اپنے ہاتھ رانوں پر مارنا شروع کئے، معلوم ہوا کہ عمل قلیل مفسد صلاۃ نہیں ہے۔

فلما رأيتهم يصمتونني: یہاں پر شرط کی جزاء محذوف ہے اور جزاء محذوف ہی پر یہ استدراک ہے، اور وہ جزاء محذوف "غضبت" ہے یعنی جب میں نے دیکھا کہ وہ مجھ کو خاموش کرنا چاہ رہے ہیں تو مجھے بڑا غصہ آیا، اس وجہ سے کہ اولاً تو مجھے گھور رہے ہیں، اور میرے حیرت ظاہر کرنے پر مجھے خاموش کر رہے ہیں، لیکن بہر حال میں نے غصہ کو دبا لیا اور خاموش ہو گیا۔

ان هذا الصلوة: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے معلوم ہوا کہ نماز میں بات چیت کی گنجائش نہیں ہے۔

نماز میں دعا، تسبیح، ذکر وغیرہ

قاضیؒ کہتے ہیں کہ کلام کی اضافت الناس کی طرف کرنے سے دعاء و تسبیح اور ذکر اس سے نکل گئے، یعنی ان مذکورہ چیزوں سے نماز فاسد نہ ہوگی، امام نوویؒ کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ بات نہیں کرے گا، پھر تسبیح پڑھی، یا تکبیر کہی یا قرآن پڑھا تو حانث نہ ہوگا۔ (مرقات: ۳/۳)

"یرحمک اللہ" کو انسانی کلام خطاب قرار دیکر یہ کہا گیا ہے کہ اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

انا قوم حدیث عھد: ہم لوگ نو مسلم ہیں، ابھی جلد ہی جاہلیت چھوڑ کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے ہیں۔

یاتون الکھان: ہم میں سے بعض لوگ کاہنوں کے پاس جاتے ہیں، اور ان سے غیب کی خبریں معلوم کرتے ہیں، کیا ان کا یہ عمل ٹھیک ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلط عمل سے ان کو منع فرمایا اور ارشاد فرمایا: کاہنوں کے پاس غیب کی خبریں معلوم کرنے مت جایا کرو۔

ومنا رجل یتطیرون: ہم میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو پرندوں کے ذریعہ شگون لیتے ہیں، عرب کام پر نکلتے وقت پرندوں کو دیکھتے کہ اگر دائیں جانب اڑ رہا ہے تو نیک فال لیتے اور بائیں طرف اڑتے دیکھتے تو بری فال لیتے۔

فلا یصدنھم: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ اگر بدشگونی کی بات بلا اختیار ذہن میں آرہی ہے تو آنے دو کیوں کہ اس کے روکنے پر کوئی قادر نہیں، البتہ اس کے مقتضی پر عمل نہ کرو، یعنی جس کام کا عزم کیا ہے وہ کرلو، چاہے پرندے جس جانب اڑیں، بدشگونی اس کام کے کرنے سے مانع نہ بنے۔

ومنا رجال یخطون: ہم میں سے کچھ لوگ خط کھینچتے ہیں، اس علم کو "علم رمل" کہا جاتا ہے، اس علم کے ذریعہ مخفی چیزوں کا پتہ لگایا جاتا ہے، اس سے منع کیا گیا ہے۔

علم رمل کس نبی کو دیا گیا تھا

کان نبی من الانبیاء یخط: یہ نبی بعض کے نزدیک حضرت ادریس علیہ السلام تھے اور بعض کی صراحت کے مطابق حضرت دانیال علیہ السلام تھے، ان کو بذریعہ وحی علم رمل سکھایا گیا تھا، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب اس کے متعلق

پوچھا گیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس علم میں اگر کسی کا خط اس نبی کے خط کے موافق ہو جائے تو درست ہے۔

درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے عمدہ انداز میں اس علم میں اشتغال سے منع فرمایا، کیونکہ کسی کو بھی معلوم نہیں کہ اس کا خط اس نبی کے خط کے موافق ہے یا نہیں؟ اور جب موافقت کا علم نہیں تو وہ لائق اعتماد نہیں۔

رمل سے صراحۃً ممانعت کیوں نہیں فرمائی

رہی یہ بات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علم سے صراحتاً منع کیوں نہیں فرمایا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صراحتاً ممانعت فرماتے تو اس سے ان نبی کے مقام و مرتبہ کے اعتبار سے نقصان کا اندیشہ تھا، اس بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علم کا مطلقاً ابطال نہیں فرمایا۔

لکنی سکت ھکذا: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ لفظ ''کذا'' محدثین کے نزدیک تصحیح کی علامت ہے، یعنی اگر کسی لفظ کے بارے میں عدم صحت کا گمان ہو تو وہاں لفظ ''کذا'' لکھ دیتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ''کذا فی الاصول'' یعنی اصول میں یہ لفظ ایسا ہی ہے، یا یہ مطلب ہوتا ہے کہ ''کذا روی'' یعنی یہ لفظ اسی طرح روایت کیا گیا ہے، جیسا کہ اس حدیث میں ہے، کہ ''فلما رأیتھم یصمتوننی لکنی سکت'' میں چونکہ نہ تو ''فلما'' کا جواب مذکور ہے اور نہ ''لکنی'' کے لئے مستدرک عنہ مذکور ہے اس لئے کسی کو یہ وہم ہو سکتا ہے کہ لفظ ''لکنی'' یہاں پر صحیح نہیں ہے، اس لئے صاحب جامع الاصول نے ''لکنی'' کے اوپر لفظ ''کذا'' لکھ کر اس طرف اشارہ کیا کہ یہ لفظ اسی طرح روایت کیا گیا ہے۔

کلام فی الصلوٰۃ میں اختلاف ائمہ

اتنی بات پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر کلام عمداً ہو، اصلاح صلوٰۃ کی غرض سے نہ ہو، تو وہ مفسد صلاۃ ہے، اختلاف اس بارے میں ہے کہ اگر نمازی نے بھول کر یا اصلاح صلوٰۃ کی غرض سے کلام کیا تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب: امام صاحبؒ کے نزدیک نماز میں کلام مطلقاً مفسد صلوٰۃ ہے، خواہ عمداً ہو یا نسیاناً، اسی طرح خواہ اصلاح صلوٰۃ کی غرض سے ہو یا اس غرض سے نہ ہو۔

دلائل: (۱)...... سب سے پہلی دلیل تو حدیث باب ہی ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت کے ساتھ فرمایا "**ان ھذہ الصلاۃ لایصلح فیھا شئ من کلام الناس**" (نماز میں لوگوں کے کلام کی کوئی گنجائش نہیں ہے)

(۲)...... نسائی میں: ۱/۱۸۱ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ہے کہ "جب وہ حبشہ سے واپس لوٹے، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی حالت میں سلام کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا، مجھے اس پر بڑی حیرانی اور فکر لاحق ہوئی، چنانچہ میں بیٹھ گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فراغت کے بعد ارشاد فرمایا "**ان اللہ یحدث من امرہ مایشاء و انہ قد احدث من امرہ ان لایتکلم فی الصلاۃ**" (اللہ تعالیٰ جو بھی حکم دینا چاہتا ہے دیتا ہے اب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ نماز میں بات نہ کی جائے)۔

(۳)...... بخاری میں: ۲/۲۵۰، پر حضرت زید بن ارقمؓ کی حدیث ہے "**کنا نتکلم فی الصلاۃ یتکلم الرجل صاحبہ وھو الی جنبہ فی الصلاۃ حتیٰ نزلت**

"فامرنا بالسکوت ونهینا عن الکلام" (نماز میں ہم بات کیا کرتے تھے، چنانچہ نمازی اپنے بغل میں کھڑے نمازی سے گفتگو کرتا، لیکن جوں ہی آیت "وقوموا الآیه" (کھڑے ہو اللہ کے آگے ادب سے) نازل ہوئی، تو ہم کو خاموش رہنے کا حکم کیا گیا، اور بات کرنے سے منع کر دیا گیا، ان دلائل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ "کلام فی الصلاۃ" مطلقاً ممنوع ہے۔

شوافع کا مذہب: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کلام اگر نسیاناً ہو یا جہالۃً ہو تو مفسد صلاۃ نہیں ہے۔

دلیــــــل: امام شافعیؒ کی دلیل مشہور حدیث "ذوالیدین" ہے جو مشکوۃ شریف میں آگے (ص:۹۲،۹۳) پر آرہی ہے، اسکا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی، اور دو رکعت ہی پر سلام پھیر دیا، جو لوگ جلد باز تھے، یہ کہتے ہوئے مسجد سے جانے لگے، "قصرت الصلاۃ" (نماز میں کمی کر دی گئی) حضرت ذوالیدینؓ نے عرض کیا 'یارسول اللہ انسیت ام قصرت الصلاۃ" (اے اللہ کی نبی چار رکعت والی نماز دو رکعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھول کر پڑھائی ہے، یا من جانب اللہ کمی کر دی گئی ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لــم انس ولم اقصر" (نہ میں بھولا ہوں اور نہ ہی نماز میں کمی کی گئی ہے) اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے پوچھا کیا ذوالیدین جو کہہ رہے ہیں معاملہ ویسا ہی ہے؟ جب لوگوں نے بھی تائید کی، تو پہلی نماز پر بناء کرتے ہوئے دو رکعت اور پڑھائی، اور سجدہ سہو کیا، اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے شوافع کہتے ہیں کہ دیکھئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ذوالیدین وغیرہ نے دوران صلاۃ کلام کیا، اگر بات کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم پھر سے نماز پڑھاتے، ان ہی دو رکعتوں پر بناء نہ فرماتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دو رکعت کے بعد کلام ہونے کے باوجود ان ہی دو رکعتوں پر بناء فرمانا یہ دلیل ہے اس بات کی کہ نماز میں کلام کرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

جواب: یہ حدیث منسوخ ہے ان دلائل سے جو اوپر ذکر کئے گئے ہیں، احناف کے دلائل کے ذیل میں تیسری دلیل میں اس کی صراحت ہے کہ ہم "**قوموا لله قانتین**" نازل ہونے سے پہلے بات کیا کرتے تھے، لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی تو ہم کو بات کرنے سے منع کر دیا گیا، اور خاموش رہنے کا حکم دیا گیا۔

اشکال: شوافعؒ کہتے ہیں کہ حضرت ذوالیدین کا واقعہ نسخ کلام کے بعد کا ہے، یعنی پہلے کلام کرنے کی اجازت تھی، پھر ممانعت ہوگئی، اور ذوالیدین کا واقعہ اس ممانعت کے بعد کا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ نماز میں کلام کی ایک گونہ پھر بھی اجازت ہوگئی، شوافع اپنے اس اشکال پر دلیل پیش کرتے ہیں کہ دیکھئے آپ نے نماز میں کلام منسوخ ہونے پر جو دوسری دلیل پیش کی ہے وہ عبداللہ بن مسعودؓ کی ہے، اور اس میں یہ بات ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ جب حبشہ سے تشریف لائے تو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب مرحمت نہیں فرمایا، نماز سے فراغت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے نماز میں بات کرنے سے منع فرمایا ہے، اس دلیل سے نماز میں کلام کرنے کی ممانعت ثابت ہوئی اتنی بات جب ہوگئی تو اب سمجھئے کہ عبداللہ بن مسعودؓ حبشہ سے ہجرت سے پہلے تشریف لے آئے تھے، یعنی مکہ ہی میں آپ حبشہ سے چلے آئے تھے تو گویا نماز میں بات چیت کی ممانعت مکہ میں ہوگئی تھی، اور حضرت ذوالیدین کا واقعہ ہجرت کے بعد کا ہے

بلکہ اواخر ہجرت کا ہے کیونکہ اس کے روای حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، جو کہ ۷ھ میں اسلام لائے تھے۔

جواب: جہاں تک حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ہجرت کا تعلق ہے تو انہوں نے حبشہ دو مرتبہ ہجرت کی ہے، پہلی ہجرت کے بعد جب حبشہ میں یہ افواہ پھیلی کہ پورا قبیلہ قریش مسلمان ہوگیا تو مکہ تشریف لے آئے تھے، لیکن خبر کے غلط ہونے کی بناء پر پھر تشریف لے گئے تھے، اور دوبارہ ۲ھ میں مدینہ منورہ تشریف لائے، اور حدیث میں یہی دوسری والی ہجرت سے واپس تشریف لانا مراد ہے، اور حضرت ذوالیدین کا واقعہ اس سے پہلے ہی پیش آچکا تھا، کیونکہ حضرت ذوالیدین ۲ھ میں غزوۂ بدر میں شہید ہوگئے تھے، یہ جواب اس صورت میں ہے کہ جب کہ حدیث ذوالیدین کو منسوخ مانا جائے۔ اور اگر منسوخ نہ مانا جائے تو دیگر طرح سے بھی جوابات دئے گئے ہیں، مثلاً یہ حدیث مضطرب ہے وغیرہ وغیرہ، حدیث ذوالیدین "**باب السہو**" کے تحت آرہی ہے، مزید تحقیق وہیں پر ذکر کی جائیگی اور جہاں تک ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اس حدیث کو روایت کرنا ہے تو انہوں نے حدیث کسی سے سنی ہوگی، اس کو بیان کیا ہے۔

وجوہ ترجیح: مذہب حنفیہ کو کئی اعتبار سے وجہ ترجیح حاصل ہے (۱) ہمارا مذہب قرآن مجید کی آیت "**قوموا للہ قانتین**" سے مؤید ہے۔

(۲) حنفیہ کے دلائل ضابطہ کلیہ ہیں جب کہ شوافع کی دلیل ایک جزئی واقعہ ہے۔

(۳) حنفیہ کی احادیث محرم ہیں اور شوافع کی دلیل مبیح ہے۔

اور تعارض کے وقت محرم کو ترجیح دی جاتی ہے۔ (یہ مضامین فتح الباری، معارف السنن سے مستفاد ہیں)۔

نماز میں چھینکنے والے کا الحمد للہ کہنا

حدیث باب میں یہ بات آئی کہ "یـرحـمـک اللہ" کہنے والے صحابیؓ کو گھورا گیا اور "یـرحمک اللہ" کہنے سے منع کیا گیا، لیکن ظاہری بات ہے کہ "یـرحمک اللہ" تو اس وقت کہا گیا جب چھینکنے والے نے "الـحـمـد للہ" کہا تو سوال یہ ہے کہ دوران صلوٰۃ "الحمد للہ" کہنے سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟

احناف کے نزدیک اصح قول کے مطابق نماز فاسد نہیں ہوگی، اس وجہ سے کہ یہ کلام الناس نہیں ہے، اور اس میں کسی انسان کو مخاطب بھی نہیں بنایا گیا ہے، "یرحمک" میں "ک" ضمیر کے ذریعہ خطاب تھا، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بہتر یہی ہے کہ خاموش رہے، ایک حدیث گذری ہے جس میں ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوران صلوٰۃ حمد پڑھی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا تھا "لـم یقل باساً" اس کا مطلب یہ ہے کہ معصیت کی نفی ہے یا عدم علم کی وجہ سے ان کو معذور سمجھا گیا ہے، بعض لوگوں نے یہ بات کہی ہے کہ فرض نماز میں حمد فی نفسہ سے زائد کی گنجائش نہیں ہے، البتہ نفل نمازوں میں گنجائش ہے۔ واللہ اعلم

کہانت کا مسئلہ

"کھـانـت" کے معنی غیب کی باتیں بتانا، ہاتھ کی لکیر دیکھ کر فال نکالنا، علامہ طیبیؒ نے لکھا ہے کہ کاہن اس شخص کو کہا جاتا ہے، جو آئندہ کی خبریں بتائے اور علم غیب کا مدعی ہو، بعثت نبویؐ سے قبل شیاطین آسمان کے قریب پہنچ جاتے تھے، اور وہاں سے دنیا میں آئندہ پیش آنے والے واقعات فرشتوں کے آپس میں تذکرہ کرنے کی بناء پر سن لیتے تھے اور اس میں جھوٹ کی

آمیزش کر کے شریر نفسوں پر القاء کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد شیطانوں کو وہاں جانے سے روک دیا گیا، تو کہانت کا یہ سلسلہ ختم ہو گیا، اس قسم کے علاوہ بھی کہانت کی چند قسمیں ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱)...... جنات آسمان سے خبریں تو نہیں لاتے، لیکن جن خبروں پر لوگ مطلع نہیں ہوتے وہ خبریں ان شریر نفوس پر جو کے مدعی ہوتے ہیں، القاء کرتے ہیں اور یہ دوسروں سے بتاتے ہیں۔

(۲)...... محض تخمین و اندازہ سے بعض آگے کی خبریں جانی جائیں، اس میں غلطی کا امکان بہت ہوتا ہے، اس لئے کاہنوں کے پاس جانا ان سے خبریں کرنا اور ان کی تصدیق کرنا اور ان کو اجرت دینا یہ سب کچھ حرام ہے۔

شگون لینے کا مسئلہ

جب ملأ اعلیٰ میں کسی امر کا فیصلہ ہوتا ہے تو وہ چیزیں جن میں سرعت سے اثر پذیری کی صلاحیت ہوتی ہے وہ بہت جلد ان فیصلوں کا اثر قبول کر لیتی ہیں انہی چیزوں میں سے نیک فالی و بد فالی کا مسئلہ ہے، زمانۂ جاہلیت میں لوگ پرندوں کی آوازوں اور ان کی پروازوں کے رخ سے اچھا شگون لیتے تھے، اور ان سے آئندہ کے واقعات کے بارے میں فیصلہ کرتے تھے کہ یہ کام ہو گا یا نہیں؟ شریعت نے نیک فال لینے کی اجازت دی ہے لیکن بری فال لینے سے منع کیا ہے، بدشگونی سے اللہ تعالیٰ کے انکار کی نوبت آجاتی ہے، نیز بدشگونی سے انسان طرح طرح کے وساوس میں گرفتار رہتا ہے، اس وجہ سے بدشگونی سے منع کیا، نیک فال لینے میں یہ قباحت نہیں ہے، اس وجہ سے اس سے منع نہیں کیا، نیک فال لینے میں بندہ اللہ تعالیٰ سے پر امید ہو کر اس سے لو لگاتا ہے۔ (تلخیص رحمۃ اللہ الواسعۃ)

نماز میں سلام اور اس کا جواب

﴿۹۱۶﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ فَيَرُدُّ عَلَيْنَا فَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ عِنْدِ النَّجَاشِيِّ سَلَّمْنَا عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْنَا فَقُلْنَا يَارَسُولَ اللّٰهِ كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَيْكَ فِي الصَّلَاةِ فَتَرُدُّ عَلَيْنَا فَقَالَ إِنَّ فِي الصَّلَاةِ لَشُغْلًا۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱۶۰/۱، باب ماینهی من الکلام فی الصلاۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر:۱۱۹۹۔مسلم شریف: ۲۰۴/۱، باب تحریم الکلام فی الصلاۃ، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، حدیث نمبر:۵۳۸۔

ترجمه: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت سلام کرتے تھے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول ہوتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کے سلام کا جواب عنایت فرماتے تھے لیکن جب ہم نجاشی کے پاس سے لوٹ کر آئے اور ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جواب مرحمت نہیں فرمایا تو ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت سلام کرتے تھے جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہوتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں جواب سے نوازتے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ نماز میں مشغولی ہے۔

تشریح: فلما رجعنا من النجاشی: حبشہ کے بادشاہ کا لقب نجاشی ہوا کرتا تھا، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جو نجاشی بادشاہ تھا

ان کا نام "اصحمہ" تھا، یہ ایمان لے آئے تھے ۹ھ میں ان کی وفات ہوئی تھی، ان کی غائبانہ نماز جنازہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مدینہ منورہ میں پڑھی۔

نماز جنازہ غائبانہ

اس سے بعض حضرات نماز جنازہ غائبانہ کے قائل ہیں، اسکے کئی جواب دئے گئے ہیں:

(۱)......شاہ حبشہ ایمان لے آئے تھے اور حبشہ میں ان کے علاوہ کوئی مومن نہیں تھا جو ان کی نماز جنازہ پڑھتا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ ادا فرمائی۔

(۲)......دوسرا جواب یہ ہے آنحضرت ﷺ کے سامنے سے تمام حجابات مرتفع کردیئے گئے تھے، جس کی وجہ سے جنازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تھا غائب نہیں تھا۔

(۳)......تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر نماز جنازہ غائبانہ درست ہوتی تو کتنے صحابہؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دور دراز جگہوں میں وفات پائی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کی نماز جنازہ غائبانہ ادا نہیں فرمائی۔

بہر حال اس واقعہ سے نماز جنازہ غائبانہ کے جواز پر استدلال کرنا کسی طرح درست نہیں۔

کنا نسلم علیک: صحابہ کی ایک جماعت مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ گئی تھی، جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے آئے، اور وہاں سکون ہو گیا، تو یہ ہجرت کرنے والے مدینہ آگئے، مکہ کی زندگی میں بہت سے امور کی اباحت تھی، مدینہ طیبہ میں حرمت نازل ہوگئی تھی، یعنی بہت سے احکام میں نسخ ہو گیا تھا، ان ہی میں سے دوران صلاۃ کلام کرنا تھا، ہجرت کرنے والوں میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ بھی تھے، جب یہ آئے تو سمجھ رہے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے پہلے نماز میں سلام کرنے والوں کا جواب مرحمت فرماتے تھے اب بھی مرحمت فرمائینگے، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جواب نہیں دیا تو ان کو بہت حیرانی ہوئی، نماز کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں استفسار

کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ان فی الصلاۃ لشغلاً" مطلب یہ تھا کہ نماز میں ادا کئے جانے والے امور کی مشغولی سلام جواب دینے سے مانع ہے۔

طیبیؒ کہتے ہیں "شغلاً" کو نکرہ لائے ہیں تنوع کی بناء پر، یعنی نماز کے اندر مختلف کام ہیں، قرآن کی قراءت ہے، تسبیح ہے، دعاء ہے، بات چیت نماز کے کاموں میں سے نہیں ہے، اور تنوین تعظیم کے لئے ہو اس کا بھی احتمال ہے، یعنی نماز ایک بہت اہم مشغلہ ہے، اس میں حق تعالیٰ کے ساتھ سرگوشی، اور اس کی خدمت میں استغراق ہوتا ہے، دوسرے امور میں مشغول ہونے کی قطعی گنجائش نہیں ہے۔ (مرقات: ۳/۵)

نماز میں اشارہ سے سلام کا جواب دینا اور اس میں اختلاف ائمہ

اس بات پر تو ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ دوران صلوٰۃ زبان سے سلام کا جواب دینا نماز کو فاسد کر دیتا ہے لیکن نماز کی حالت میں اشارہ سے سلام کا جواب دینا کیسا ہے؟ اس سلسلہ میں محدثین لکھتے ہیں کہ ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اشارہ سے سلام کا جواب دینے سے نماز فاسد تو نہ ہوگی کیوں کہ یہ عمل کثیر نہیں ہے، البتہ ایسا کرنا مکروہ ہے یا نہیں، اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

امام صاحب کا مذہب: امام صاحب کے نزدیک اشارہ سے سلام کا جواب دینا بھی مکروہ ہے۔

دلیل: امام صاحب کی دلیل حدیث باب ہے جس میں اس بات کی صراحت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً جواب نہیں دیا "فلم یرد علینا" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہیں دیا، اس سے زیادہ صراحت ایک دوسری حدیث میں ہے جس کے کلمات یوں ہیں۔ (نسائی میں حدیث ہے)

"عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَرُدُّ عَلَيْنَا السَّلَامَ حَتّٰى قَدِمْنَا مِنْ اَرْضِ الْحَبْشَةِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ فَاَخَذَنِيْ مَاقَرُبَ وَمَا بَعُدَ فَجَلَسْتُ حَتّٰى اِذَا قَضَى الصَّلَاةَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ مِنْ اَمْرِهٖ مَايَشَاءُ وَاِنَّهٗ قَدْ اَحْدَثَ مِنْ اَمْرِهٖ اَنْ لَّايُتَكَلَّمَ فِي الصَّلَاةِ"

(حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ (دوران صلوٰۃ) حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جواب عنایت فرماتے تھے، جب ہم حبشہ سے واپس آئے تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہیں دیا، تو مجھے بے چینی وفکر لاحق ہوئی، میں وہیں بیٹھ گیا، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جو نیا حکم دینا چاہتا ہے، دیتا ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ نماز میں بات نہ کی جائے، دیکھئے اس حدیث میں عبداللہ بن مسعودؓ کہہ رہے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب نہ دینے سے مجھے بیحد پریشانی لاحق ہوئی، ظاہری بات ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ سے بھی جواب دیتے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ یوں پریشان نہ ہوتے، معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ زبان سے سلام کا جواب دیا نہ اشارہ سے جواب دیا۔

امام شافعیؒ کا مذہب: امام شافعیؒ بلکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سلام کا جواب اشارہ سے دینا بلا کراہت جائز ہے، بلکہ بعض شوافع تو اشارہ سے جواب دینے کو مستحب قرار دیتے ہیں۔

دلیل: **"قلت لبلال کیف کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرد علیھم حین کانوا یسلمون علیہ فی الصلاۃ قال کان یشیر بیدہ"** ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ

میں نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ جب لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی حالت میں سلام کرتے تھے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیسے جواب دیتے تھے، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ سے جواب دیتے تھے، معلوم ہوا اشارہ سے جواب دینا درست ہے۔

جواب: یہ اس وقت کی بات ہے جب نماز میں کلام منسوخ نہیں ہوا تھا، جب کلام منسوخ ہو گیا تو ہر قسم کے جواب کی ممانعت ہوگئی، جیسا کہ احناف کی دلیل میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے بخوبی واضح ہے۔

سجدہ کی جگہ سے کنکری ہٹانا

﴿۹۱۷﴾ وَعَنْ مُعَيْقِيْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ الرَّجُلِ يُسَوِّي التُّرَابَ حَيْثُ يَسْجُدُ قَالَ اِنْ كُنْتَ فَاعِلًا فَوَاحِدَةً۔ (متفق علیه)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۶۱، باب مسح الحصی فی الصلاۃ، کتاب التھجد، حدیث نمبر: ۱۲۰۷۔ مسلم شریف: ۱/۲۰۶، باب کراھیۃ مسح الحصیٰ، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ۵۴۶۔

ترجمہ: حضرت معیقیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک آدمی کے بارے میں روایت کیا ہے جو سجدہ کی جگہ میں مٹی برابر کرتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور اگر تجھے ایسا کرنا ہی ہے تو بس ایک بار کرو۔

تشریح: ان کنت فاعلا فواحدۃ: اگر کنکری ہٹانے کی ضرورت ہو تو ایک بار ہٹانے کی گنجائش ہے، ضرورت کا مطلب یہ ہے کہ سجدہ کی جگہ پر اتنی زیادہ

کنکریاں ہیں کہ ان پر سجدہ کرنا مشکل ہے، بلاضرورت ہٹانا بالاتفاق مکروہ ہے، ضرورت پر بھی بعض لوگ کراہت کے قائل ہیں، البتہ کراہت سے کراہت تنزیہی یعنی خلاف اولیٰ مراد ہے، بعض حضرات نے کنکری یا مٹی ہٹانے کی ممانعت کی وجہ تحریر فرمائی ہے کہ یہ تواضع کے منافی ہے، بعض ممانعت کی وجہ یہ ذکر کرتے ہیں کہ کنکریاں سجود سے محروم نہ ہوں، اس وجہ سے کہ ہر کنکری یہ آرزو کرتی ہے کہ اس پر نمازی سجدہ کرے۔

خصر فی الصلوٰۃ کا حکم

﴿۹۱۸﴾ وَعَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْخَصْرِ فِی الصَّلَاةِ۔

(متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱۶۳/۱، باب الخصر فی الصلاۃ، کتاب التهجد، حدیث نمبر: ۱۲۲۰۔ مسلم شریف: ۲۰۶/۱، باب کراهیة الاختصار فی الصلاۃ، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، حدیث نمبر: ۵۴۵۔

حل لغات: الخصر: کمر، کوکھ، ج خصور: خصر (ن) خصراً، کوکھ پر ہاتھ رکھنا۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنے سے منع فرمایا۔

تشریح: روایات میں تخصر، خصر اور اختصار تینوں طرح کے الفاظ ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں خصر سے منع فرمایا ہے۔

"خصر" کے معنی: خصر اور تخصر کے معنی میں متعدد اقوال ہیں:

(۱)......ابن سیرینؒ فرماتے ہیں "هو ان يضع يده على خاصرته وهو يصلي" نماز پڑھتے ہوئے کوکھ پر ہاتھ رکھنا، اسی معنی کی تائید ابوداؤد شریف کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ "عن سعيد بن زياد بن صبيح الحنفي قال صليت الى جنب ابن عمر فوضعت يدى على خاصرتي، فلما صلى قال هذا الصليب في الصلاة وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهى" (حضرت سعید بن زیاد بن صبیح حنفی کہتے ہیں کہ ایک روز میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے برابر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور میں نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے کوکھ پر رکھ لئے، جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نماز سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ یہ نماز میں صلیب کی شکل ہے، آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

خصر کے یہی معنی راجح ہیں، چنانچہ حافظ ابن سیرینؒ مذکورہ قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ "وبذلك جزم ابو داؤد ونقله الترمذى عن بعض اهل العلم وهذا هو المشهور في تفسيره"۔

(۲)......خطابی کہتے ہیں کہ "خصر" سے مراد لاٹھی کا سہارا لے کر نماز پڑھنا ہے، صاحب مرقات لکھتے ہیں کہ لاٹھی پر ٹیک لگا کر نماز پڑھنا بغیر کسی عذر کے مکروہ ہے جیسے کہ دیوار پر ٹیک لگا کر نماز پڑھنا مکروہ ہے، البتہ عذر کی حالت اس سے مستثنیٰ ہے۔

(۳)...... ہروی نے نقل کیا ہے کہ "خصر" سے مراد آخیر سورت سے ایک دو آیتوں کی تلاوت مراد ہے۔

(۴)......صاحب مرقات کہتے ہیں کہ ایک قول یہ ہے کہ "خصر" سے مراد مکمل سورت نہ پڑھنا ہے، لیکن یہ قول ضعیف ہے، اس وجہ سے کہ مکمل سورت کا پڑھنا بہتر ہے، لیکن مکمل سورت تلاوت نہ کرنا مکروہ نہیں ہے۔

(۵)......آیت سجدہ کو چھوڑ دینا کہ سجدہ تلاوت نہ کرنا پڑے، "خصر" ہے (غزالی)

(۶)......صرف آیت سجدہ تلاوت کرنا اور اسی پر اکتفاء کرنا۔

(۷) بعض نے کہا کہ ارکان صلوٰۃ رکوع، سجدہ میں اختصار کرنا طمانینت کے ساتھ ادا نہ کرنا،

ان تمام معانی میں اول یعنی کوکھ پر ہاتھ رکھنا زیادہ راجح ہے۔

"خصر" کی ممانعت کی حکمت

جس طرح خصر کے معانی متعدد ہیں، اسی طرح اس کی ممانعت کی وجوہات بھی متعدد ذکر کی جاتی ہیں:

(۱)......"ابلیس کی مشابہت" ابلیس کو جب آسمانوں سے اتارا گیا تو وہ اسی "خصر" یعنی کوکھ پر ہاتھ رکھے ہوئے اترا تھا، لہٰذا اس سے منع کیا ہے۔ (اخرجه ابن الجاشیه)

(۲)......"یہود کی مشابہت" یہود اس طرح کمر پر ہاتھ رکھتے تھے، لہٰذا ان کی مشابہت سے بچانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمادی۔ (اخرجه البخاری فی ذکر بنی اسرائیل عن عائشة)

(۳)......"جہنمیوں کی راحت" جہنمی جب جہنم میں بہت پریشان اور تھک جائیں گے تو راحت کے لئے ایسا کریں گے، چونکہ یہ جہنمیوں کا طریقہ ہے، لہٰذا اس سے منع فرما دیا۔ (اخرجه ابن ابی شیبة)

(۴)......"صفت راجز" رجزیہ اشعار پڑھنے والوں کا یہ طریقہ ہے کہ وہ اشعار پڑھتے وقت یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ (رواه سعید بن منصور)

(۵)......"متکبرین کا طریقہ" تکبر کی بنا پر کوکھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہوتے ہیں، لہٰذا تکبر اور اس کی مشابہت سے بچنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی۔ (حکاه المهلب)

(٦)......"مصیبت زدہ لوگوں کی ہیئت" مصیبت زدہ لوگ کمر پر ہاتھ رکھ کر آہ وفغاں کرتے ہیں اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔ (حکاہ الخطابی)

خصر فی الصلوٰۃ کا حکم

اہل ظواہر کے نزدیک "خصر فی الصلاۃ" حرام ہے، دلیل حدیث باب کو بناتے ہیں اور نہی کو تحریمی قرار دیتے ہیں، جمہور کے نزدیک "خصر فی الصلاۃ" مکروہ ہے ان حضرات کی دلیل بھی حدیث باب ہے، لیکن یہ اس کو کراہت تنزیہی پر محمول کرتے ہیں۔

التفات فی الصلوٰۃ کا حکم

﴿٩١٩﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْاِلْتِفَاتِ فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ هُوَ اِخْتِلَاسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطَانُ مِنْ صَلَاةِ الْعَبْدِ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ١٠٤/١، باب الالتفات فی الصلاة، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ٧٥١.

حل لغات: اختلس الشئ: دوسرے سے چھین لینا، جھپٹا مار کر چھین لینا، مجرد میں (ض) سے اسی معنی میں مستعمل ہے۔

ترجمه: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں التفات یعنی دائیں بائیں جانب دیکھنے کے بارے میں پوچھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شیطان کا جھپٹا ہے، شیطان بندہ کی نماز سے اس کو جھپٹ لیتا ہے۔

تشریح: نمازی نماز میں مشغول ہوکر اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہے، شیطان کو یہ گوارہ نہیں ہوتا، لہٰذا وہ نماز ادا کرنے سے پہلے طرح طرح کی کوشش کرتا ہے کہ نمازی سے نماز چھوٹ جائے، لیکن جب وہ اس کوشش میں ناکام ہوجاتا ہے، تو دوران صلاۃ مختلف قسم کے رخنے ڈالتا ہے، تاکہ نمازی کی توجہ نماز سے ہٹ جائے اور نماز سے خشوع وخضوع ختم ہوجائے، نمازی جوں ہی اس جگہ سے نگاہ ہٹاتا ہے، جہاں نماز میں نگاہ ہونا چاہئے، شیطان فوراً اپنا کام دکھانا شروع کردیتا ہے، نگاہ کے ساتھ اس کی توجہ بھی دوسری طرف مبذول کرادیتا ہے اسی وجہ سے ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**فان الالتفات فی الصلاۃ هلکة**" (ترمذی) نماز میں التفات نماز کے لئے یعنی نماز کے خشوع کے لئے ہلاکت ہے۔

التفات فی الصلوۃ کے اقسام

التفات فی الصلاۃ کی تین صورتیں ہیں:

(۱)......"**تحویل الصدر عن القبله**" یعنی چہرے کے ساتھ سینہ بھی قبلہ سے پھر جائے اس طور پر اگر التفات ہوا تو نماز بالاتفاق فاسد ہوگی۔

(۲)......**تحویل الرأس والوجه عن القبلة**" صرف سر اور چہرہ قبلہ سے پھرا اس صورت میں نماز فاسد نہیں ہوگی، البتہ مکروہ ہوگی۔

(۳)......**التفات بطرف العین**" گوشۂ چشم سے ادہر ادہر دیکھنا، اس صورت میں اگرچہ نہ نماز فاسد ہوگی اور نہ مکروہ، لیکن خلاف اولیٰ بہرحال ہے ہی۔ (مستفاد مرقات:۶، ۳/۷)

اختلاس کے معنی

ھو اختلاس: مطلب یہ ہے کہ نماز میں ادھر ادھر دیکھنے سے نماز کا خشوع زائل ہو جاتا ہے، اور نماز کی برکت چلی جاتی ہے، نیز شیطان اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے، کیونکہ جب تک انسان پورے طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اپنی رحمت کے ساتھ متوجہ رہتا ہے۔ اور جب بندہ دائیں بائیں توجہ کرنے لگتا ہے، تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی توجہ ہٹا لیتے ہیں، ابوداؤد شریف میں حدیث ہے "لایزال اللہ عزوجل مقبلاً علی العبد فی صلاتہ مالم یلتفت فاذا التفت انصرف عنہ"۔

"مختلس" وہ شخص ہے جو غلبہ کے بغیر کوئی چیز اچک لے اور بھاگ کھڑا ہو، "ناھب" وہ شخص ہے جو بزور طاقت کوئی چیز چھین لے، اور "سارق" وہ ہے جو خفیہ طور پر کوئی چیز چرا لے، یہاں "التفات فی الصلاۃ" کو اختلاس اس وجہ سے قرار دیا ہے کہ نمازی رب العالمین کی طرف متوجہ رہتا ہے، تو شیطان برابر اس بات کے انتظار میں رہتا ہے کہ اس کی توجہ ختم کرائیں، نمازی جوں ہی دائیں بائیں نظر کرتا ہے، شیطان کو اس وقت موقع ملتا ہے پس وہ فوراً نمازی کی اس توجہ کو ہٹانے کی کوشش کرتا اور وہ اس میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ (فتح الباری: ۳/۱۷۴)

نماز میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھانا

﴿۹۲۰﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیَنْتَهِیَنَّ اَقْوَامٌ عَنْ رَفْعِهِمْ

اَبْصَارَهُم عِنْدَ الدُّعَاءِ فِیْ الصَّلٰوۃِ اِلٰی السَّمَاءِ اَوْ لَتُخْطَفَنَّ اَبْصَارُهُم۔

(رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۱۸۱ / ۱، باب النهی عن رفع البصر الی السماء فی الصلاۃ، حدیث نمبر: ۴۲۹۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''کہ لوگوں کو نماز میں دعاء کرتے وقت اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھانے سے گریز کرنا چاہئے، ورنہ ان کی نگاہیں اچک لی جائیں گی۔

تشریح: اس ممانعت کی وجہ یہ ہے آسمان کی طرف دعاء کرتے وقت نگاہ اٹھانے سے یہ وہم ہوتا ہے کہ بندہ اس بات کا تصور کر رہا ہے کہ گویا اللہ اوپر ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ مکان سے مبرا ہیں، اللہ کے لئے کوئی ایک جہت یا مکان کا مقرر کرنا گمراہی ہے، اس فاسد خیال سے بچانے کے لئے آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دعاء کرنے سے منع فرمایا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اپنے بڑوں کے سامنے آسمان کی طرف نظر اٹھانا بے ادبی سمجھا جاتا ہے پس نماز میں جب کہ بندہ حق تعالیٰ شانہ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے بندہ کا آسمان کی طرف نظر اٹھانا بدرجہ اولیٰ بے ادبی میں شمار ہوگا اس لئے اس کی ممانعت فرمائی۔

لینتهین: یہ لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ ہے، اسی طرح لتخطفن ہے، مقصد یہ ہے کہ نماز میں دعاء کے وقت نگاہ اٹھانے سے ضرور بچا جائے، ورنہ نگاہیں اچک لی جائیں گی۔

آسمان کی طرف نظر اٹھانا

نماز میں آسمان کی طرف نظر اٹھانا جمہور علماء کے نزدیک مکروہ ہے، ابن حزم کے نزدیک حرام ہے، لہٰذا ان کے نزدیک ایسا کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

غیر نماز میں بوقت دعا آسمان کی طرف نظر اٹھانا

سوال: نماز کے علاوہ دعاء کرنے میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھانا کیسا ہے؟

جواب: قاضی شریح کہتے ہیں کہ نماز کے علاوہ بھی نگاہ کا دعاء کے وقت آسمان کی طرف اٹھانا مکروہ ہے لیکن بعض لوگ جائز قرار دیتے ہیں، اس وجہ سے کہ آسمان دعا کا قبلہ ہے، جیسا کہ نماز کا قبلہ کعبہ ہے، لہٰذا آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے سے دعاء میں منع نہیں کیا جائے گا، جیسے کہ دعاء کے وقت ہاتھ اٹھانے سے نہیں روکا جاتا۔

صاحب مرقاتؒ فرماتے ہیں کہ ''دعا'' میں ہاتھ کا اٹھانا منقول ہے، اس کا حکم دیا گیا ہے، جب کہ آسمان کی طرف دعا میں نگاہ اٹھانے سے روکا گیا ہے۔ (مرقات: ۳/۷)

نماز میں کاندھے پر بچی کو اٹھانا

﴿۹۲۱﴾ وَعَنْ اَبِی قَتَادَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَؤُمُّ النَّاسَ وَاُمَامَةُ بِنْتُ اَبِی الْعَاصِ عَلٰی عَاتِقِہٖ فَاِذَا رَکَعَ وَضَعَھَا وَاِذَا رَفَعَ مِنَ السُّجُوْدِ اَعَادَھَا۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۷۴، باب اذا جعل جاریۃ صغیرۃ علی عنقہ فی الصلاۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۵۱۶۔ مسلم شریف: ۱/۲۰۵، باب جواز حمل الصبیان الخ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۵۴۳۔

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے، امامہ بنت ابی

العاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کاندھے پر تھیں، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کرتے تو امامہ رضی اللہ عنہا کو نیچے بیٹھا دیتے اور سجدہ سے اٹھتے تو ان کو کاندھے پر بیٹھا لیتے۔

تشریح: حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی محترمہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی ہیں حضرت امامہ رضی اللہ عنہا ۸ ھ میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات سے غالباً یہ اس موقع کا واقعہ ہے جو بچی کی دلداری کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اشکال: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اٹھانا اور کاندھے پر بیٹھانا، پھر اتارنا یہ تو عمل کثیر ہے، اور عمل کثیر سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، اور عمل قلیل میں تو شبہ ہی نہیں جو بہرحال نماز میں مکروہ ہے۔

جوابات: (۱)......حضرت امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چمٹ جاتی تھیں، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سے علاحدہ ہوجاتی تھیں، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سے پھر کندھے پر بیٹھ جاتی تھیں، تو درحقیقت یہ حضرت امامہؓ کا فعل تھا، جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کردیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل تھا ہی نہیں جس کو مفسد صلوٰۃ کہا جائے۔

(۲)......آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اٹھانا اور بیٹھانا ایک ہاتھ سے ایسے طور پر ہوتا ہوگا جس کو عمل کثیر نہیں کہتے اسلئے اس سے فساد صلوٰۃ لازم نہیں آتا تھا اور یہ بیان جواز کے لئے تھا۔

(۳)...... یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب عمل کثیر مفسد صلوٰۃ نہیں تھا، بلکہ اس کی گنجائش تھی۔

(۴) یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی۔

فوائد: مذہب اسلام کی جامعیت کا علم ہوا کہ ایسی حالت جب کہ بچی کو سنبھالنے والا بھی کوئی نہ ہو بچی کو سنبھالنے کے ساتھ ساتھ نماز کا فریضہ کس طرح ادا کیا جاسکتا ہے یہ اس وقت ہے جب کہ اس کو فرض نماز پر محمول کیا جائے۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز سے تعلق کا اندازہ ہوا کہ بچی کو سنبھالنے کے ساتھ نوافل میں مشغول ہیں، جب کہ اس کو نفل نماز پر محمول کیا جائے۔

(۳) حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی کی بہترین مثال ہے اوراس پر تنبیہ کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی ادائیگی انتہائی ضروری ہے کسی ایک طرف سے لاپرواہی نہیں ہونی چاہئے۔

(۴) انسان کو ہر حال میں اپنے خالق ومالک کے ساتھ مشغول ہونا چاہئے، ظاہر خلق کے ساتھ ہو لیکن باطن خالق کے ساتھ مشغول ہو۔

(۵) چھوٹے بچوں کے کپڑے جب تک ان پر نجاست ظاہر نہ ہو پاک ہیں۔

(٦) نجاست جب تک اپنے محل میں ہو اس کو ناپاک نہیں کہا جاتا۔

(۷) مس مرأۃ ناقض وضو نہیں۔

(۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بچوں پر کمال شفقت اور کمال انسیت کا اندازہ ہوا۔

(۹) حق تعالیٰ شانہ کی رضاوخوشنودی کو سامنے رکھنا اور کسی کی پرواہ نہ کرنا، دنیا دار انسان ہرگز ایسا نہ کرتا بلکہ وہ سوچتا کہ میں اس حال میں نماز پڑھونگا، دوسرے لوگ کیا کہیں گے۔ پس بندۂ مومن کو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی رضاوخوشنودی کے کو سامنے رکھ کر کام کرنا چاہئے، اور کسی کی پرواہ نہیں کرنا چاہئے۔

خواجہ مجذوبؒ نے کیا خوب کیا ہے:

گر دشمن ہو زمانہ پرواہ نہ چاہئے
پیش نظر تو مرضئ جاناں نہ چاہئے
اس اصول کو رکھ کر سامنے کر تو یہ فیصلہ
کیا تو کرنا چاہئے اور کیا نہ کرنا چاہئے

نماز میں جمائی روکنے کا حکم

﴿۹۲۲﴾ وَعَنْ سَعِيدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَكْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ، رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَفِي رِوَايَةِ الْبُخَارِيِّ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ إِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَكْظِمْ مَااسْتَطَاعَ وَلَايَقُلْ هَا فَإِنَّمَا ذَالِكُمْ مِنَ الشَّيْطَانِ يَضْحَكُ مِنْهُ۔

حوالہ: مسلم شریف: ۲/۴۱۳، باب تشمیت العاطس، کتاب الزهد والرقاق، حدیث نمبر: ۲۹۹۵۔ بخاری شریف: ۲/۹۱۹، باب اذا تثاء ب فلیضع یده علی فمه، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۶۲۲۶۔

حل لغات: تثاء ب، باب تفاعل سے، جمائی لینا، جمائی آنا، ثیب (س) ثیباً، جمائی لینا، فلیکظم: امر ہے کظم (ض) کظماً، النفس، روکنا، غیظة، غصہ کو پی جانا۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو حتی الامکان اس کو روکنا چاہئے، اس وجہ سے کہ شیطان (منہ میں) گھس جاتا ہے، اور بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو اس کو حتی الامکان روکنا چاہئے، اور ”ہا“ نہ کہنا چاہئے، اس وجہ سے کہ یہ شیطان کی طرف سے ہے، اور شیطان اس پر ہنستا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمائی روکنے کا حکم دیا ہے، چونکہ جمائی سستی کی دلیل ہے اور اس سے غفلت میں اضافہ ہوتا ہے۔

جمائی نیند کے غلبہ کی وجہ سے بھی آتی ہے، زیادہ کھانے سے بھی آتی ہے اور یہ چیزیں شریعت کی نگاہ میں محمود نہیں ہیں، اس وجہ سے کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سستی و کاہلی کا ذریعہ ہیں، جمائی آئے تو اس کو روکو، جمائی کو روکنے کیلئے مختلف طریقے علماء نے لکھے ہیں۔

(۱)...... جمائی آنے لگے تو منہ بند کرلے، یا نچلے ہونٹ کو دانت سے دبالے۔

(۲)......علامہ شامیؒ نے بعض علماء سے جمائی روکنے کا ایک طریقہ یہ نقل کیا ہے کہ جمائی آنے لگے تو تصور کرے کہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو جمائی نہیں آتی تھی، اس کے بعد لکھتے ہیں کہ صاحب قدوری نے فرمایا ہے "جربناہ مرارا فوجدناہ کذلک" ہم نے اس کا بارہا تجربہ کیا، تو اس کو درست پایا۔

(۳)...... جمائی روکنے کا ایک طریقہ حدیث میں بھی ہے "اذا تثاءب احدکم فلیمسک یدہ علی فیہ" جب جمائی آنے لگے تو منہ پر ہاتھ رکھ لو۔

بوقت جمائی شیطان کا منہ میں داخل ہونا

جب انسان جمائی کے لئے منہ کھولتا ہے اور منہ پر ہاتھ یا کپڑا وغیرہ نہیں رکھتا ہے تو شیطان اس کے منہ میں داخل ہو جاتا ہے، حافظؒ کہتے ہیں کہ داخل ہونے سے ممکن ہے کہ حقیقتاً داخل ہونا مراد ہو، کیونکہ یہ تو انسان کے خون کے ساتھ دوڑنے کی سکت رکھتا ہے لیکن انسان جب تک ذکر اللہ میں لگا رہتا ہے شیطان اس پر قابو نہیں پاتا، اور جمائی کی حالت میں انسان ذکر کی حالت میں نہیں رہتا ہے، لہٰذا شیطان انسان کے اندر حقیقتاً گھس جاتا ہے، یا پھر داخل ہونے سے مراد قابو پانا ہے کیونکہ کوئی چیز جب کسی چیز میں داخل ہوتی ہے تو گویا وہ اس چیز پر قابو پالیتی ہے، اس معنی کے اعتبار سے دخول سے تمکن یعنی قابو مراد ہوگا۔ (فتح الباری: ۱۲/۷۰)

صاحب مرقات فرماتے ہیں کہ جمائی نیند کو دعوت دیتی ہے، اور نیند (عبادت کی حالت میں) شیطان کا پھندا ہے، تو اس کے ذریعہ سے شیطان نمازی کے اندر گھس جاتا ہے اور نمازی کو اس کی نماز سے نکال دیتا ہے، تو اس بناء پر جمائی کو شیطان کے داخل ہونے کا سبب قرار دیا ہے۔ (مرقات: ۳/۸)

جمائی کو شیطان کا فعل قرار دیا ہے ابن العربیؒ کہتے ہیں کہ ہر ناپسندیدہ فعل کی نسبت شریعت نے شیطان کی طرف کی ہے ہے اس وجہ سے کہ شیطان ہی اس کا واسطہ ہوتا ہے اور اچھے فعل کی نسبت شریعت نے فرشتے کی طرف کی ہے اس وجہ سے کہ نیک کام کے لئے فرشتہ واسطہ ہوتا ہے۔

جب کسی کو جمائی آتی ہے تو شیطان ہنستا ہے، جمائی لیتے وقت جمائی لینے والے کی صورت کچھ متغیر ہو جاتی ہے یہی چیز شیطان کو پسند آتی ہے چنانچہ شیطان اس کو دیکھ کر ہنستا ہے اور اس کا ٹھٹھا کرتا ہے۔ (فتح الباری: ۱۳/۱۸۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں شیطان کی مداخلت کی کوشش

﴿۹۲۳﴾ وَعَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ عِفْرِيْتًا مِنَ الْجِنِّ تَفَلَّتَ الْبَارِحَةَ لِيَقْطَعَ عَلَیَّ صَلَاتِیْ فَاَمْكَنَنِیَ اللّٰهُ مِنْهُ فَاَخَذْتُه فَاَرَدْتُّ اَنْ اَرْبِطَهُ عَلٰی سَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِی الْمَسْجِدِ حَتّٰی تَنْظُرُوا اِلَيْهِ كُلُّكُم فَذَكَرْتُ دَعْوَةَ اَخِی سُلَيْمَانَ رَبِّ هَبْ لِیْ مُلْكًا لَا يَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِنْ بَعْدِیْ فَرَدَدْتُهُ خَاسِئًا۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱/۶۶، باب الاسیر او الغریم یربط فی

المسجد، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر:۴۶۱۔مسلم شریف:۱/۲۰۵، باب جواز لعن الشیطان فی اثناء الصلاۃ، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، حدیث نمبر:۵۶۱۔

حل لغات: العفریت، مکار خبیث، شیطان، دیو، جن: ج عفاریت، تفلت منه: ایک دم چھوٹ جانا، علیہ کسی پر حملہ کرنا (باب تفعل سے) فلتَ (ض) فلتاً، قبضہ سے نکلنا، البارحة، بارح کی مونث، گذشتہ رات، اربطه ربط (ن) ربطاً باندھنا، ملانا، سارية واحد ہے جمع سوار لکڑی کا ستون، پل کھمبا، خاسئاً خسأ(ف) خسأً ذلیل ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا'' کہ ایک سرکش جن گذشتہ رات میری نماز میں خلل ڈالنے کے لئے مجھ پر حملہ آور ہوا، پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قابو فرمادیا، تو میں نے اس کو پکڑلیا، پھر میں نے چاہا کہ اس کو مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون سے باندھوں تاکہ تم لوگ بھی اس کو دیکھ سکو، پھر مجھ کو اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی دعاء یاد آگئی، "رب هب لي الخ" اے میرے پروردگار مجھے ایسی حکومت عطا فرما جو میرے بعد کسی اور کو نہ دی جائے، تو میں نے اس کو ناکام واپس کردیا۔

اقسام جنات

ان عفریتاً: بہت سرکش شیطان کا نام ہے، عربوں میں جنات کے لئے ان کی خصلتوں کی بناء پر جو چند نام متعین تھے، ان میں سے ایک عفریت ہے، یعنی وہ جن جو سب

سے زیادہ قوی اور سرکش ہوتے ہیں۔

(۲)...... ارواح، وہ جن جو لڑکوں بالکوں کو ستاتے ہیں اہل ہند ان کو بھوت یا آسیب کہتے ہیں۔

(۳)...... عامر یعنی ہمزاد وہ جن جو آدمیوں کے ساتھ رہتے ہیں۔

(۴)...... شیطان جو خبیث اور تکلیف دینے والے ہوتے ہیں۔

(۵)...... مارد جو شیطانوں سے بھی زیادہ سرکش ہوتے ہیں۔

(۶)...... ہاتف، جو جنگلوں میں چیختے چلاتے اور آوازیں نکالتے ہیں۔

(۷)...... رجال الغیب جو مسافروں کو راہ بھلا دیتے ہیں۔

(۸)...... شہابہ، جو بیابانوں میں کبھی لشکر اور مشعل وغیرہ کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں۔

(۹)...... چھلاوہ جو رات میں اور بعض اوقات دن میں بھی اجاڑ جنگلوں میں کبھی چھوٹے لڑکوں کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں اور پھر دفعتاً کسی اور شکل میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔(مظاہر حق جدید:۳۶/۲)

یقطع صلاتی: شیطان کا مقصد یہ تھا وسوسہ ڈال کر نماز کے کمال کو فوت کرادے، حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ شیطان نے آگ کا شعلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ انور پر ڈالنے کی کوشش کی۔

فامکننی: اللہ تعالیٰ نے اس پر مجھے قابو عطا کر دیا کہ میں جو چاہوں اس کو سزا دوں۔

فاخذتہ: میں نے اس کو پکڑ لیا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں ہے کہ میں نے اس کو پکڑ لیا، پھر پٹک دیا یہاں تک کہ "وجدت برد لسانه علی یدی" یعنی اس جن کا لعاب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر گرا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی ٹھنڈک محسوس ہوئی۔

فاردت: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرا ارادہ ہوا کہ میں اس کو مسجد کے

ستون سے باندھ دوں۔

حتی تنظروا الیہ: اس سے معلوم ہوا کہ شیطان و جنات کا نظر آنا ممکن ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "انہ یراکم ھو وقبیلہ من حیث لا ترونھم" بیشک شیطان اور اس کی جماعت تم کو اس طرح دیکھتے ہیں کہ تم انہیں نہیں دیکھتے، اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ عمومی حالات میں جنات نظر نہیں آتے۔

فذکرت دعوۃ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باندھنے کا ارادہ کیا، لیکن پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد آ گئی، اس لئے نہیں باندھا، حالانکہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باندھتے تو بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا سے تعارض نہ ہوتا، جیسا کہ اس کی وضاحت آگے آ رہی ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعاء اس زمانہ کے اعتبار سے اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر تھی محض حصول سلطنت کے لئے نہیں تھی۔

فوائد: (۱) جنات نجس نہیں تب ہی تو اس کے چھونے سے نماز باطل نہیں ہوئی۔

(۲) جنات کا لعاب بھی ناپاک نہیں۔

(۳) بڑے سے بڑے ولی پر بھی شیطان حملہ کر سکتا ہے اس لئے کہ جب وہ نبی سے لے کر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر سکتا ہے یہ الگ بات ہے کہ وہاں شیطان کا حملہ نہیں چل سکا اور وہ کامیاب نہیں ہو سکا، پس ولی پر بدرجہ اولیٰ حملہ کر سکتا ہے اس لئے کسی بڑے سے بڑے ولی کو بھی شیطان کے حملہ سے مطمئن اور بے فکر نہیں ہونا چاہئے۔

(۴) حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قیدی کو مقروض کو مجرم کو مسجد کے ستون سے باندھا جا سکتا ہے خواہ وہ کافر بلکہ شیطان اور جن ہی کیوں نہ ہو اس لئے کہ اگر یہ جائز نہ ہوتا تو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو مسجد کے ستون سے باندھنے کا ارادہ کیوں فرماتے۔

(۵) جنات کا دیکھنا ممکن ہے۔

(۶) اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے دولت واقتدار بلکہ سلطنت کا حصول اور اس کا طلب کرنا مذموم نہیں بلکہ محمود ہے تب ہی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو طلب کیا اور ان کی اس طلب کو قرآن پاک میں ذکر کیا۔

(۷) مرنے کے بعد بھی اپنے بھائی کی باتوں کا لحاظ کرنا چاہئے، حضرت سلیمان علیہ السلام کتنا عرصہ پہلے وفات پا چکے لیکن پھر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دعا کا احترام فرمایا۔

دوران صلوٰۃ سبحان اللہ کہنا

﴿۹۲۴﴾ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَابَهُ شَيْءٌ فِيْ صَلَاتِهِ فَلْيُسَبِّحْ فَاِنَّمَا التَّصْفِيْقُ لِلنِّسَاءِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ التَّسْبِيْحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيْقُ لِلنِّسَاءِ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۹۴/ ۱، باب من دخل لیؤم الناس فجاء الامام الاول، کتاب الاذان، حدیث نمبر: ۶۸۴۔ بخاری شریف: ۱۶۰/ ۱، باب التصفيق للنساء، کتاب التهجد، حدیث نمبر: ۱۲۰۳۔ مسلم شریف: ۱۸۰/ ۱، باب تسبيح الرجال، کتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۴۲۲۔

ترجمه: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جس شخص کو نماز کے دوران کوئی بات پیش آجائے تو اس کو سبحان اللہ کہنا چاہئے، تصفیق کا عمل تو وہ عورتوں کے لئے ہے، ایک روایت میں ہے کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تسبیح مردوں کیلئے ہے، تصفیق عورتوں کیلئے ہے۔

تشریح: من نابہ شئ فی صلاتہ: نماز میں کلام ممنوع ہے، لیکن اگر نماز میں کوئی بات پیش آجائے تو تسبیح یعنی "سبحان اللہ" کہنا جائز ہے، جب مقتدی سبحان اللہ کہے گا تو امام کو خود بخود احساس ہوجائے گا کہ اس سے نماز میں کوئی چوک ہورہی ہے اس وجہ سے کہ جس مقتدی کو قراءت کی اجازت نہیں ہے اس کا سبحان اللہ کہنا کسی مصلحت سے ہی ہوگا، چنانچہ جب امام کو کوتاہی کا احساس ہوگا تو وہ تلافی بھی کرے گا۔

التصفیق للنساء: تصفیق عورتوں کے لئے ہے تصفیق کے معنی ہیں تالی بجانا، جو تالی ہم لوگ کھیل کود کے موقع پر بجاتے ہیں وہ لہو ولعب میں داخل ہے، یہاں تصفیق کی صورت یہ ہوگی کہ عورت اپنے بائیں ہاتھ کی پشت پر داہنے ہاتھ کی دو انگلیوں کو مارے گی اس سے جو آواز پیدا ہوگی وہ تصفیق ہے اور اسی آواز سے امام کو احساس ہوگا کہ اس سے نماز میں کوتاہی ہورہی ہے۔

چونکہ عورت کی آواز بھی عورت ہے اس وجہ سے عورت کو تصفیق کا حکم ہے۔ (مرقات: ۳/۱۰)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ جب دوران صلوٰۃ نماز کی اصلاح کی خاطر بھی عورت کو اجانب کے سامنے کلام کی اجازت نہیں تو دوسرے مواقع پر اجانب کے ساتھ بلا سخت ضرورت کلام کی اجازت کس طرح ہوگی؟

الفصل الثانی

نماز میں سلام کے جواب کی ممانعت

﴿۹۲۵﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا

نُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ قَبْلَ اَنْ نَّأْتِيَ اَرْضَ الْحَبْشَةِ فَيَرُدُّ فَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ اَرْضِ الْحَبْشَةِ اَتَيْتُهُ فَوَجَدْتُهُ يُصَلِّي فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ حَتّٰى اِذَا قَضٰى صَلَاتَهُ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ مِنْ اَمْرِهِ مَايَشَاءُ وَاِنَّ مِمَّا اَحْدَثَ اَنْ لَاتَكَلَّمُوا فِي الصَّلَاةِ فَرَدَّ عَلَيَّ السَّلَامَ وَقَالَ اِنَّمَا الصَّلَاةُ لِقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ وَذِكْرِ اللّٰهِ فَاِذَا كُنْتَ فِيْهَا فَلْيَكُنْ ذٰلِكَ شَأْنَكَ۔ (رواه ابوداؤد)

حواله: ابوداؤد شریف: ۱۳۳/۱، باب رد السلام في الصلاة، حدیث نمبر: ۹۲۴۔

ترجمه: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے حبشہ آنے سے پہلے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہوتے تو بھی ہم سلام کرتے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جواب عنایت فرماتے تھے، لیکن جب ہم حبشہ سے واپس آئے تو میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت حاضر ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے نماز پڑھتے ہوئے پایا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب مرحمت نہیں فرمایا یہاں تک کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری فرمائی تو فرمایا اللہ تعالیٰ اپنا جو حکم چاہتا ہے ظاہر فرماتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے یہ نیا حکم دیا ہے کہ تم لوگ نماز میں کلام نہ کرو، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سلام کا جواب عنایت فرمایا، اور فرمایا نماز تو تلاوت قرآن اور ذکر اللہ کیلئے ہے لہٰذا جب تم نماز میں ہو تو تمہاری شان یہی ہونی چاہئے۔

تشریح: شروع اسلام میں نماز میں سلام کلام کی گنجائش تھی، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سلام کا جواب بھی عنایت فرماتے تھے، جب قرآن مجید کی آیت "**وقوموا لله قانتين**" [اللہ کے سامنے ادب سے کھڑے ہو] نازل ہوئی، تو نماز میں سلام کلام کی اجازت ختم ہوگئی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے دوران جواب دینا بھی بند فرمادیا، چونکہ یہ حکم مدینہ

منورہ میں نازل ہوا تھا، اور عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہجرت سے پہلے ہی حبشہ ہجرت کر گئے تھے، لہٰذا جب وہ لوٹ کر مدینہ منورہ زادھا اللہ شرفاً وکرامۃً تشریف لائے تو انکو اس ممانعت کا علم نہیں تھا، چنانچہ انہوں نے حسب سابق آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نماز کی حالت ہی میں سلام کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہیں دیا، نماز سے فراغت کے بعد سلام کا جواب بھی دیا اور اللہ تعالیٰ کے اس نئے حکم سے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو مطلع فرمایا۔

قبل أن ناتي ارض الحبشة: حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ہجرت حبشہ دومرتبہ فرمائی ہے، جیسا کہ اوپر گذر چکا، پہلی مرتبہ جب حبشہ تشریف لے گئے، تو کچھ مدت بعد وہاں یہ افواہ پھیل گئی کہ مکہ مکرمہ میں پورا قبیلہ قریش مسلمان ہو گیا ہے، چنانچہ آپ واپس مکہ مکرمہ چلے آئے، لیکن یہاں آکر معلوم ہوا کہ خبر غلط ہے تو دوبارہ حبشہ چلے گئے، اور پھر دوبارہ ۲ھ میں حبشہ سے مدینہ منورہ تشریف لائے، یہاں جو حبشہ سے لوٹنا مراد ہے وہ یہی دوسری مرتبہ کا لوٹنا مراد ہے۔

فوائد: حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ نمازی کو سلام کرنا جائز نہیں۔

(۲)......اگر کسی نے نماز میں سلام کیا تو نمازی نماز میں سلام کا جواب نہیں دے گا۔

(۳)......البتہ نماز سے فارغ ہو کر سلام کا جواب دے۔

کن حالات میں سلام منع ہے

(۴)......فقہاء نے لکھا کہ اگر کوئی شخص تلاوت قرآن شریف میں مشغول ہو یا وضو میں دعاؤں میں مشغول ہو یا قضاء حاجت کر رہا ہو اسوقت اسکو سلام نہیں کرنا چاہئے، اور اگر اسکو ان حالات میں سلام کیا تو اسوقت جواب نہ دے بلکہ بہتر ہے کہ فارغ ہو کر جواب دے۔

نماز میں اشارہ سے سلام کا جواب دینا

﴿۹۲۶﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ لِبِلَالٍ

رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قُلْتُ کَیْفَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَرُدُّ عَلَیْہِمْ حِیْنَ کَانُوا یُسَلِّمُوْنَ عَلَیْہِ وَھُوَ فِی الصَّلٰوۃِ قَالَ کَانَ یُشِیْرُ بِیَدِہٖ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَفِی رِوَایَۃِ النَّسَائِی نَحْوَہٗ وَعِوَضُ بِلَالٍ صُھَیْبٌ)

حوالہ: ترمذی شریف: ۸۵/۱، باب ماجاء فی الاشارۃ فی الصلاۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۳۶۸۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ جس وقت حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز میں ہوتے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سلام کرتے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سلام کا جواب کیسے دیتے تھے، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے ہاتھ کے اشارہ سے جواب مرحمت فرماتے تھے۔

نسائی کی روایت میں بھی اس جیسے الفاظ ہیں، لیکن وہاں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جگہ حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذکر کیا گیا ہے۔

اشارہ کی کیفیت

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام کا جواب اشارہ سے دیتے تھے، اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ ہاتھ کا پنجہ کھول کر ہتھیلی زمین کی طرف کر دیتے تھے، جیسا کہ ابو داؤد وغیرہ کی روایت میں آیا ہے اور کبھی انگلی کے ذریعہ اشارہ کر دینے پر اکتفا فرماتے۔

فقہاء احناف کا ارشاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اشارہ سے سلام کا جواب اس وقت دیتے تھے جب نماز میں کلام کی اجازت تھی، جب کلام کی اجازت ختم ہوگئی تو ہاتھ کے اشارہ سے جواب دینا بھی ختم ہوگیا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ سوال کرنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ سلام کا جواب دینا اس وقت منسوخ ہو چکا تھا۔

سر اور آنکھوں سے اشارہ

کان یشیر بیدہ: جس طرح ہاتھ سے اشارہ جائز ہے اسی طرح سے آنکھ اور سر سے بھی اشارہ جائز ہے "ظھیریۃ" میں ہے کہ اگر کسی نے اپنے سر یا اپنے ہاتھ یا اپنی انگلی سے سلام کا جواب حالت صلاۃ میں دیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی، اس کے برخلاف "خلاصۃ" میں ہے کہ سر یا ہاتھ کے اشارہ سے سلام کا جواب دینا نماز کو فاسد کردیتا ہے، "شرح منیہ" میں ہے کہ مصلی کے لئے ہاتھ یا سر کے اشارہ سے سلام کا جواب دینا مکروہ ہے۔ (تلخیص مرقات: ۳/۱۱)

دوران نماز اشارہ سے جواب سلام کا مسئلہ پہلے تفصیل سے گذر چکا ہے۔

حدیث باب کا جواب

حدیث باب کا ایک جواب تو وہی ہے جو پہلے گذر چکا ہے کہ یہ عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس وقت کا تھا جب دوران صلاۃ سلام وکلام کی اجازت تھی۔

دوسرا جواب امام طحاویؒ نے دیا ہے کہ یہ اشارہ "منع عن السلام" کے لئے تھا،

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اشارہ فرمایا وہ سلام کا جواب دینے کے لئے نہیں تھا بلکہ بحالت صلوۃ سلام کرنے سے منع کرنے کے لئے تھا کہ جو نماز میں ہے اس کو سلام مت کرو۔

چھینک آنے پر الحمدللہ کہنا

﴿۹۲۷﴾ وَعَنْ رِفَاعَةَ ابْنِ رَافِعٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَطَسْتُ فَقُلْتُ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ حَمْداً كَثِيْراً طَيِّباً مُبَارَكاً فِيْهِ مُبَارَكاً عَلَيْهِ كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَيَرْضٰى فَلَمَّا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْصَرَفَ فَقَالَ مَنِ الْمُتَكَلِّمُ فِي الصَّلَاةِ فَلَمْ يَتَكَلَّمْ اَحَدٌ ثُمَّ قَالَهَا الثَّانِيَةَ فَلَمْ يَتَكَلَّمْ اَحَدٌ ثُمَّ قَالَهَا الثَّالِثَةَ فَقَالَ رِفَاعَةُ اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِي بِيَدِهٖ لَقَدْ اِبْتَدَرَهَا بِضْعَةٌ وَّثَلَاثُوْنَ مَلَكاً اَيُّهُمْ يَصْعَدُ بِهَا۔ (رواه الترمذی وابوداؤد والنسائی)

حواله: أبـوداؤد شريف: ۱۱۲/۱، باب مايستفتح في الصلاة في الـدعاء، كتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۷۷۳۔ تـرمذی شريف: ۹۱/۱، باب ما جاء فـي الـرجـل يـعـطـس فـي الـصـلاة، كتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۴۰۴۔ نسـائـي: ۱۰۸/۱، بـاب قـول الـمـأموم اذا عطس خلف الامـام، كتـاب الافتتاح، حدیث نمبر: ۹۳۔

ترجمه: حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے

حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی، مجھے چھینک آئی تو میں نے یہ دعاء پڑھی، ''الحمد للہ الذی حمداً الخ'' (تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، بہت بہت تعریفیں، پاکیزہ تعریف، اس تعریف میں برکت ہو، اس پر برکت ہو، ایسی تعریف جس کو ہمارا رب پسند کرتا ہے اور اس پر خوش ہوتا ہے) جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوگئے، اور ہماری طرف متوجہ ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، نماز میں کلام کرنے والا کون تھا؟ کسی نے جواب نہیں دیا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دوسری مرتبہ یہی سوال دہرایا، پھر کوئی نہیں بولا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تیسری مرتبہ بھی یہی سوال فرمایا، تو حضرت رفاعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! نماز میں بولنے والا میں تھا، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تمیں سے کچھ زائد فرشتے ان کلمات کی طرف دوڑے کہ ان کو اوپر کون لے جائے۔

تشریح: اس حدیث سے چھینک آنے پر دوران صلاۃ ان کلمات کا جواز ثابت ہو رہا ہے افضل یہی ہے کہ آدمی دوران صلاۃ چھینک آنے پر الحمدللہ بھی نہ کہے۔

نماز میں چھینک آنے پر الحمدللہ کہنا

دوران صلوٰۃ اگر کسی کو چھینک آگئی تو اس نے ''الحمد للہ'' پڑھا تو اس سے بالاتفاق نماز فاسد نہ ہوگی، البتہ تلفظ کے ساتھ ''الحمد للہ'' کہنا خلاف اولیٰ ضرور ہے ''الحمدللہ'' دل میں کہنا زیادہ بہتر ہے، مصنف عبدالرزاق میں حدیث ہے ''اذا عطست وانت تصلی فاحمد فی نفسک'' نماز کی حالت میں چھینک آئے تو دل میں ''الحمدللہ'' کہو۔

حدیث الباب کا جواب

حدیث باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پسندیدگی کا جو اظہار فرمایا ہے، اس سے ان کلمات کی فضیلت کو بیان کرنا مقصود ہے، اس عمل کی فضیلت بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔

دوران صلوٰۃ جمائی کا حکم

﴿۹۲۸﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلتَّثَاؤُبُ فِی الصَّلَاةِ مِنَ الشَّيْطَانِ فَاِذَا تَثَاوَبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَكْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَفِی اُخْرٰى لَهُ وَلِابْنِ مَاجَةَ فَلْيَضَعْ يَدَهُ عَلٰى فِيْهِ)

حوالہ: ترمذی شریف: ۸۵/ ۱، باب ما جاء فی کراهیة التثاؤب فی الصلاۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۳۷۰۔ ابن ماجه: ۶۸/ ۱، باب مایکره فی الصلاۃ، کتاب اقامة الصلاۃ، حدیث نمبر: ۹۶۸۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”نماز میں جمائی کا آنا شیطان کی طرف سے ہے، لہٰذا تم میں سے جب کسی کو جمائی آئے تو اس کو چاہئے کہ وہ جمائی کو روکے (ترمذی) ترمذی کی ایک دوسری روایت میں اور ابن ماجہ میں ہے کہ اس کو چاہئے کہ وہ اپنے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ لے۔

تشریح: چونکہ نماز میں جمائی کا آنا سستی و کاہلی کی دلیل ہے، شیطان کو اس چیز میں بڑا لطف آتا ہے کہ آدمی نماز میں جمائی لے اور اس کا چہرہ متغیر ہو جائے، لہٰذا آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمائی کو روکو، یعنی ان اسباب کو اختیار کرو جن کے ذریعہ نماز میں جمائی نہ آئے، اور اگر جمائی آجائے تو تو منہ پر ہاتھ رکھ لینا چاہئے۔

جمائی کے اسباب غفلت، سستی، زیادہ کھانا، اور نیند کا غلبہ ہے، حافظؒ فرماتے ہیں کہ نماز کے ساتھ ہی اس عمل کی قباحت مختص نہیں ہے، نماز کا ذکر تو اس وجہ سے کردیا کہ نماز میں جمائی کا آنا بہت زیادہ قبیح ہے، اس کو شیطان کی طرف اس وجہ سے منسوب کیا کہ اس کے اسباب شیطان ہی کی جانب سے ہوتے ہیں، علماء نے لکھا ہے کہ نماز میں جمائی کا آنا یہ شیطان کی طرف سے ہے اور جو حکم نماز کا ہے وہی تلاوت، ذکر اور دعاء کا بھی ہے یعنی ان اوقات میں جمائی کا آنا بھی شیطان کی طرف سے ہے۔

البتہ عام اوقات میں جو جمائی آتی ہے وہ شیطان کی طرف سے نہیں ہوتی ہے۔ تفصیل اوپر گذر چکی۔

تشبیک کی ممانعت

﴿۹۲۹﴾ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فَأَحْسَنَ وُضُوْئَهُ ثُمَّ خَرَجَ عَامِدًا إِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يُشَبِّكَنَّ بَيْنَ أَصَابِعِهِ فَإِنَّهُ فِي الصَّلَاةِ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

حواله: مسند احمد: ۲/۲۴۱ . ابوداؤد شريف: ۱/۸۳، باب مافى الهدى فى المشى الى الصلاة، كتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۵۶۲۔ ترمذى شريف: ۱/۸۸، باب ماجاء فى كراهية التشبيك، كتاب الصلاة، حديث

نمبر:۳۸۶_دارمی: ۱/۳۸۱، باب النھی عن الاشباک اذا خرج الی المسجد، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر:۱۴۰۴۔

ترجمہ: حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''تم میں سے کوئی شخص وضوء کرے اور اچھی طرح وضوء کرے، پھر مسجد کے ارادہ سے نکلے تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنی انگلیوں کے درمیان تشبیک نہ کرے، اس وجہ سے کہ وہ تو نماز میں ہے۔

تشریح: فاحسن وضوءہ: وضوء کے آداب وشرائط کو ملحوظ رکھ کر کامل توجہ اور صحیح نیت کے ساتھ وضوء کرنا مراد ہے۔

کہ وضو کے جو شرائط وآداب ہیں ان کو پوری طرح ملحوظ رکھ کر، کامل توجہ اور کامل حضوری کے ساتھ وضو کرے، علماء نے لکھا کہ جس قدر توجہ اور حضور وضو میں حاصل ہوگا اسی قدر نماز میں بھی ہوگا۔

''تشبیک اصابع'' بعض انگلیاں دوسری بعض انگلیوں میں داخل کرنا تشبیک کہلاتا ہے، یہ نماز میں مکروہ ہے۔ اس وجہ سے کہ نماز کے خشوع کے منافی ہے، میرک شاہ علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ ممکن ہے کہ ممانعت کی وجہ یہ ہو کہ تشبیک سے جھگڑوں وغیرہ کے اختلاط کی طرف اشارہ ہوتا ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی فتنوں کے تذکرہ کے وقت تشبیک فرمائی تھی، بہرحال نماز میں تشبیک مکروہ ہے لہٰذا نماز کے قصد سے مسجد جانے والے کو بھی اس عمل سے گریز کرنا چاہئے کیوں کہ مسجد جانا بھی عبادت ہے، اور مسجد جانے والا گویا کہ نماز میں شامل ہے، لہٰذا اس کو لغو کاموں سے گریز کرنا چاہئے، تشبیک ایک لغو فضول حرکت ہے لہٰذا اس سے منع کیا گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشبیک فرمانے کی وجہ

حدیث ذوالیدین میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد میں تشبیک فرمائی، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ عمل اس لئے تھا تاکہ معلوم ہوجائے کہ تشبیک کا عمل حرام نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل سے کراہت کی نفی نہیں ہوتی اس وجہ سے کہ کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خلاف اولیٰ کوئی کام بیان جواز کے لئے فرماتے تھے۔

یا پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تشبیک فرمانا اس وقت ہوگا، جب تشبیک کی ممانعت نہ ہوگی۔

بخاری شریف میں تشبیک کے جواز پر احادیث مذکور ہیں "سنن" کی روایت اور بخاری شریف کی روایت میں کوئی تعارض نہیں ہے، اس لئے کہ بخاری شریف کی روایت نفس تشبیک پر محمول ہے اور وہ جائز ہے اور سنن کی روایت "مشی فی المساجد" پر محمول ہے (جو کہ مکروہ ہے)۔

نمازی پر اللہ تعالیٰ کی توجہ

﴿۹۳۰﴾ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَایَزَالُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ مُقْبِلاً عَلَی الْعَبْدِ وَھُوَ فِیْ صَلَاتِہٖ مَالَمْ یَلْتَفِتْ فَاِذَا الْتَفَتَ اِنْصَرَفَ عَنْہُ۔

(رواه احمد وابوداؤد والنسائي والدارمي)

حواله: مسند احمد: ۵/۱۷۲. ابوداؤد شريف: ۱/۱۳۱، باب الالتفات في الصلاة، كتاب الصلاة، حدیث نمبر:۹۰۹۔ نسائي شريف: ۱/۱۳۴، باب التشديد في الالتفات في الصلاة، كتاب السهو، حدیث نمبر:۱۱۹۴۔ دارمي: ۱/۳۹۰، باب كراهية الالتفات في الصلاة، كتاب الصلاة، حدیث نمبر:۱۴۲۳۔

ترجمه: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''بندہ جب نماز میں ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس پر اس وقت تک متوجہ رہتے ہیں جب تک کہ وہ ادھر ادھر متوجہ نہیں ہوتا، بندہ جب ادھر ادھر متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے توجہ ہٹا لیتا ہے۔

تشریح: نماز میں دائیں بائیں ذرہ برابر التفات نہ ہونا چاہئے، پوری طرح بندہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنا چاہئے، بندہ اگر اللہ تعالیٰ کی ذات سے اپنی توجہ ہٹاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے نظر عنایت پھیر لیتے ہیں، اور اس کے ثواب میں کمی فرما دیتے ہیں۔

لايزال الله عزوجل مقبلاً على العبد: مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت ومہربانی اور اجروثواب کے ساتھ بندہ کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔

فاذا التفت: جب وہ اللہ تعالیٰ سے اعراض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے توجہ پھیر لیتے ہیں، ابن ملک کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ ثواب کم کر دیتے ہیں۔ (مرقات: ۳/۱۳)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ نمازی کو نماز میں کامل خشوع وخضوع اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنا چاہئے، اور ادنیٰ درجہ کی بے توجہی سے بھی احتراز کرنا چاہئے، اس لئے کہ نمازی کی ادنیٰ درجہ بے توجہی بہت بڑی محرومی ہے۔

نگاہ سجدہ کی جگہ رکھی جائے

﴿۹۳۱﴾ وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا اَنَسُ اِجْعَلْ بَصَرَکَ حَیْثُ تَسْجُدُ۔ (رَوَاہُ الْبَیْہَقِیُّ فِی سُنَنِ الْکَبِیْرِ مِنْ طَرِیْقِ الْحَسَنِ عَنْ اَنَسٍ یَرْفَعُہُ الْجَزْرِیُّ)

حوالہ: بیہقی فی السنن الکبری: ۲/۲۸۴، باب لایجاوز بصرہ موضع سجودہ، کتاب الصلاۃ،

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا'' اے انس اپنی نگاہ کو اپنے سجدہ کی جگہ رکھو، اس روایت کو بیہقی نے سنن کبریٰ میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بطریق حسن نقل کیا اور جزریؒ نے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع کیا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسؓ کو نماز کے دوران سجدہ کی جگہ پر نگاہ رکھنے کا حکم دیا ہے، یہ حکم اس مقصد سے ہے، تاکہ نگاہ دائیں بائیں، ملتفت نہ ہو، اور نماز کا خشوع فوت نہ ہو۔

نماز میں نمازی کی نگاہ کس جگہ رہے

اجعل بصرک حیث تسجد: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے بظاہر یہ سمجھ میں آرہا ہے کہ پوری نماز میں نگاہ سجدہ کی جگہ پر رکھنا مستحب ہے، شوافعؒ اس کو مستحب بھی قرار دیتے ہیں، صاحب مرقات نے علامہ طیبیؒ کے حوالہ سے امام ابوحنیفہؒ اور

ان کے اصحاب کا یہ مذہب نقل کیا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ قیام کی حالت میں نگاہ سجدہ کی جگہ رہے، رکوع میں قدم کے پشت پر ہو، سجدہ میں ناک پر نگاہ ہو، اور التحیات میں گود پر نگاہ ہو۔ (مرقات: ۳/۱۳)

نماز میں التفات ہلاکت ہے

﴿۹۳۲﴾ وَعَنْهُ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یٰبُنَیَّ اِیَّاكَ وَالْاِلْتِفَاتَ فِی الصَّلَاةِ فَاِنَّ الْاِلْتِفَاتَ هَلَكَةٌ فَاِنْ كَانَ لَابُدَّ فَفِی التَّطَوُّعِ لَافِی الْفَرِیْضَةِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱۳۰/۱، باب ماذکر فی الالتفات فی الصلاۃ، ابواب السفر، حدیث نمبر: ۵۸۹۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا'' کہ اے میرے بیٹے نماز میں التفات یعنی ادھر ادھر دیکھنے سے بچو اس وجہ سے کہ نماز میں التفات ہلاکت ہے، اور اگر التفات ضروری ہی ہے تو نفل کی حد تک تو ٹھیک ہے، فرض میں تو قطعی گنجائش نہیں ہے۔

نماز میں التفات کی تین صورتیں ہیں: (۱) تحویل الوجہ، چہرہ دائیں بائیں موڑنا، یعنی گردن کا اس طور پر گھمانا کہ سینہ نہ گھومے۔ (۲) تحویل الصدر، اس طور پر رخ موڑنا کہ سینہ قبلہ سے ہٹ جائے۔ (۳) گوشۂ چشم سے دیکھنا، قسم اول مکروہ ہے اور یہی یہاں مراد ہے، قسم ثانی سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، خواہ فرض نماز ہو یا نفل، قسم ثالث خلاف اولیٰ اور خشوع کے منافی ہے۔

فان الالتفات فی الصلاۃ هلكة: نماز میں التفات سے شیطان خوش ہوتا ہے اور یہ چیز نماز کے خشوع کو مکمل طور سے ختم بھی کر دیتی ہے اس وجہ سے اس کو ہلاکت کہا گیا ہے۔

فان كان لابد في التطوع: حافظؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات اس مقصد سے فرمائی تا کہ فرض نماز میں غایت اہتمام سے مصلی کامل احتیاط کو اختیار کرے، یہاں اس بات کی اجازت دینا مقصود نہیں ہے، کہ نفل میں دائیں بائیں متوجہ ہو جایا کرے اور اس میں کوئی کراہت نہیں ہے کراہت بلاشبہ اس میں بھی ہے، بات صرف اتنی ہے کہ یہاں اس بات پر زور دینا مقصود ہے کہ فرض میں قطعی طور پر التفات نہ کیا جائے، کیوں کہ فرض میں احتیاط زیادہ ضروری ہے، اگر کوئی شخص نفل نماز میں احتیاط نہیں برت رہا ہے، تو اس کے لئے قطعی یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ فرض میں بھی اس احتیاط کو فوت کر دے۔

گوشۂ چشم سے دیکھنا

﴿۹۳۳﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَلْحَظُ فِي الصَّلَاةِ يَمِيْناً وَشِمَالاً وَلَايَلْوِى عُنُقَهُ خَلْفَ ظَهْرِهٖ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِي)

حواله: ترمذی شریف: ۱۳۰/ ۱، باب ماذكر في الالتفات في الصلاة، ابواب السفر، حدیث نمبر: ۵۸۷۔ نسائی: ۱۳۴/ ۱، باب الرخصة من الالتفات في الصلاة، كتاب السهو، حدیث نمبر: ۱۲۰۰۔

حل لغات: يلحظ لحظه بالعين واليه (ف) لحظاً: کسی کو کنکھیوں سے دیکھنا، گوشۂ چشم سے دیکھنا، یلوی لوی (ض) لیة ولویاً کسی کی طرف متوجہ ہونا مائل ہونا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں دائیں بائیں گوشۂ چشم سے دیکھتے تھے، اپنی گردن پیٹھ کے پیچھے نہیں موڑتے تھے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کنکھیوں یعنی گوشۂ چشم سے دائیں بائیں دیکھ لیتے تھے، جیسا کہ گذشتہ حدیث میں گذرا، اس طرح دیکھنا خلاف اولیٰ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی خلاف اولیٰ کام اس مصلحت سے کرتے تھے، تاکہ امت کو یہ بات معلوم ہوجائے کہ یہ عمل حرام نہیں ہے، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلاف اولیٰ عمل کوانجام دینا بیان جواز کی مصلحت سے ہوتا تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں وہ عمل خلاف اولیٰ نہیں تھا۔

ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ایک مرتبہ یا چند مرتبہ کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وجہ سے کیا تاکہ امت کومعلوم ہوجائے کہ اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی یا کسی دوسری ضرورت کی بناء کیا ہوگا، کیوں کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی عمل سے امت کو روکیں اور پھر بغیر کس ضرورت کے اس کوخود اختیار کریں۔

نماز میں اونگھ و جمائی وغیرہ کا آنا

﴿۹۳۴﴾ وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ رَفَعَهُ قَالَ الْعُطَاسُ وَالنُّعَاسُ وَالتَّثَاؤُبُ فِي الصَّلَاةِ وَالْحَيْضُ وَالْقَيْءُ وَالرُّعَافُ مِنَ الشَّيْطَانِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حوالہ: ترمذی شریف: ۲/۱۰۴، باب ما جاء ان العطاس فی الصلاۃ من الشیطان، کتاب الابواب، حدیث نمبر: ۲۷۴۸۔

ترجمہ: حضرت عدی بن ثابتؒ اپنے دادا سے اور وہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "نماز کے دوران چھینک، اونگھ، جمائی، حیض اور قی کا آنا اور نکسیر کا پھوٹنا شیطان کی طرف سے ہے۔

تشریح: **العطاس:** چھینک آنے سے شیطان اس وجہ سے خوش ہوتا ہے کہ اس بناء پر قراءت کچھ دیر کیلئے موقوف ہو جاتی ہے نمازی کے حضور قلب میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔

تعارض اور اس کا جواب

ایک روایت میں ہے کہ "**ان اللہ یحب العطاس**" اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند فرماتا ہے، چھینک کو پسند فرمانے کی علت یہ ہے کہ چھینک کا آنا چستی کی دلیل ہے، اور جس چھینک کو پسند کیا گیا ہے وہ ایسی چھینک ہے جو اعتدال کے اندر ہو اور اس کی مقدار یہ ہے کہ وہ تین سے کم ہو بہر حال حدیث مذکور میں چھینک کو پسندیدہ عمل قرار دیا گیا ہے جب کہ حدیث باب میں چھینک کو شیطان کی جانب سے قرار دیا گیا ہے، بظاہر دونوں میں تعارض محسوس ہو رہا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ جس چھینک کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں، اس چھینک سے مراد نماز کے باہر آنے والی چھینک ہے، اور جس چھینک کو شیطان کی طرف سے کہا گیا ہے، وہ نماز کے اندر کی چھینک ہے، لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

النعاس: اونگھ، یہ نیند کے مقدمہ کا نام ہے۔

التثاؤب: جمائی یہ کاہلی کی بناء پر آتی ہے۔

فی الصلاۃ: تین چیزوں کو "فی الصلاۃ" سے پہلے ذکر کیا ہے اور تین چیزوں کو اس کے بعد ذکر کیا ہے، وجہ یہ ہے کہ پہلی تین چیزوں کو اخیر کی تین چیزوں سے الگ بیان کرنا مقصود ہے کیوں کہ بعد کی تین چیزیں یعنی حیض، قی اور نکسیر سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، بخلاف پہلی تین چیزوں کے کہ ان سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ (مرقات: ۳/۱۴)

نماز میں حیض، قی، نکسیر کا حکم

الحیض و القئ و الرعاف: اگر کسی عورت کو دوران صلوۃ حیض آ گیا تو اب نماز اس سے ساقط ہو جائے گی، اور اگر کسی نمازی کو دوران صلوۃ قی آ گئی، یا نکسیر پھوٹ گئی تو اس کا وضوء ٹوٹ گیا، لہٰذا اب یہ شخص جائے اور وضوء کر کے آئے اور اس نماز پر بنا کرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "من اصابه قي او رعاف او قلس فلينصرف وليتوضأ ثم ليبن على صلاته" لیکن اگر یہ شخص سابقہ نماز پر بناء کے بجائے از سر نو نماز ادا کرے، تو زیادہ بہتر ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں رونا

﴿۹۳۵﴾ وَعَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الشِّخِّيرِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِجَوْفِهٖ اَزِيْزٌ كَاَزِيْزِ الْمِرْجَلِ يَعْنِي يَبْكِيْ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ وَفِيْ صَدْرِهٖ اَزِيْزٌ كَاَزِيْزِ الرُّحٰى مِنَ الْبُكَاءِ. رَوَاهُ اَحْمَدُ وَرَوَى النَّسَائِيُّ الرِّوَايَةَ الْاُوْلٰى وَاَبُوْدَاوٗدَ الثَّانِيَةَ۔

حوالہ: مسند احمد: ۴/۲۵. نسائی: ۱/۱۳۵، باب البكاء فی الصلاة، كتاب السهو، حدیث نمبر: ۱۲۱۳۔ ابوداؤد: ۱/۱۳۰، باب البكاء فی الصلاة، كتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۹۰۴۔

حل لغات: ازیر، گونج دار آواز، اَزَّ (ض) ازیزاً، حرکت کرنا، گونج دار آواز پیدا ہونا، المرجل، مٹی کی پختہ ہانڈی، پیتل وغیرہ کی دیگچی، ج، مراجل، الرّحی آٹا پیسنے کی چکی ج ارح، وارحیۃ.

ترجمہ: حضرت مطرف بن عبداللہ بن شخیر رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر سے ایسی آواز نکل رہی تھی، جیسے کہ دیگچی کے جوش مارنے کی آواز نکلتی ہے، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رو رہے تھے، اور ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے اس حال میں دیکھا کہ رونے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ مبارک سے ایسی آواز نکل رہی ہے جیسی آواز چکی سے نکلتی ہے پہلی روایت احمد اور نسائی نے نقل کی ہے جب کہ دوسری روایت ابوداؤد نے نقل کی ہے۔

تشریح: اس حدیث سے آقائے نامدار تاجدار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خشیت الٰہی خوب اچھی طرح معلوم ہو رہی ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر قسم کے گناہوں سے معصوم ہونے کے باوجود، اللہ کے حضور کھڑے ہو کر رو رو کر عبادت کرتے تھے، راوی حدیث بیان کر رہے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس طور پر نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ مسلسل رونے کی دھیمی دھیمی آواز سینۂ مبارک سے سنائی دے رہی تھی، جیسے کہ ہانڈی کے جوش مارنے کی آواز ہوتی ہے اور دوسری روایت کے مطابق جیسے چکی چلنے کی آواز ہوتی ہے، یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خوف خدا اور خشیت الٰہی تھی جس کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "انی اخشا کم و اتقاکم"۔

نماز میں رونے کا حکم

قولہ یعنی یبکی: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں یہ اس بات پر دلیل ہے کہ نماز میں رونے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

شوافعؒ کے نزدیک بکاء فی الصلوٰۃ میں اگر دو حرف پیدا ہو گئے تو اس سے نماز فاسد ہو

جاتی ہے خواہ یہ رونا خوف خدا اور فکر آخرت کی بناء پر ہو یا درد و تکلیف کی بناء پر ہو شوافع کے علاوہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر نماز میں رونا فکر آخرت اور خوف خدا کی بناء پر ہے تو اس سے نماز فاسد نہ ہوگی، اور کسی مرض یا تکلیف کی بناء پر رونا ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی یہ فرق اس وجہ سے ہے کہ خوف خدا کی بناء پر رونا ذکر میں داخل ہے، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مدح میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اِنَّــہٗ لَاَوَّاہٌ حَـلِیْـمٌ" ایک دوسرے موقع پر ارشاد باری ہے "خروا سجداً وبکیاً".

سجدہ کی جگہ سے کنکر ہٹانے کی ممانعت

﴿۹۳۶﴾ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اَحَدُکُمْ اِلَی الصَّلَاۃِ فَلَایَمْسَحِ الْحَصَا فَاِنَّ الرَّحْمَۃَ تُوَاجِھُہٗ۔ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ)

حوالہ: مسند احمد: ۱۵۰/۴. ابو داؤد شریف: ۱۳۶/۱، باب مسح الحصا فی الصلاۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر:۹۴۵۔ نسائی: ۱۳۴/۱، باب النھی عن مسح الحصا فی الصلاۃ، کتاب السھو، حدیث نمبر:۱۱۹۰۔ابن ماجہ: ۷۲/۱، باب الحصا فی الصلاۃ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، حدیث نمبر:۱۰۲۷۔ ترمذی شریف: ۸۷/۱، باب ماجاء فی کراھیۃ مسح الحصا فی الصلاۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر:۳۷۹۔

ترجمہ: حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا "کہ تم میں سے جب کوئی شخص نماز پڑھنے کھڑا ہو، تو اس کو کنکریوں

پر ہاتھ نہ پھیرنا چاہئے (یعنی کنکریاں نہ ہٹائے) اس وجہ سے کہ رحمت اسکے سامنے ہوتی ہے۔

تشریح: اذا قام احدکم الی الصلاۃ: جب کوئی شخص نماز شروع کرے تو نماز شروع کرنے کے بعد سجدہ میں جاتے وقت یا کسی وقت سجدہ کی جگہ پر پڑی ہوئی مٹی چھوٹی چھوٹی کنکریاں برابر نہ کرے یعنی ان کو ہٹائے نہیں اس وجہ سے کہ اس کی بناء پر نمازی کی توجہ ہٹ جائیگی، اور نماز کا خشوع ختم ہو جائے گا، اس سے پہلے حدیث گذری ہے "اذا کنت فاعلاً فواحدۃ" یعنی اگر کنکری کے ہٹانے کی سخت ضرورت پڑ جائے تو بس ایک مرتبہ ہٹانے کی گنجائش ہے، ضرورت کا مطلب یہ ہے کہ سجدہ گاہ پر اتنی زیادہ مقدار میں کنکریاں ہوں کہ ان پر سجدہ کرنا دشوار ہو جائے، ضرورت کے وقت بھی کنکری ہٹانے کو بعض حضرات مکروہ قرار دیتے ہیں، البتہ یہ مکروہ تنزیہی ہے اور بلاضرورت ہٹانے کے مکروہ ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

ممانعت کی وجہ

ممانعت کی وجہ بعض حضرات نے یہ تحریر کی ہے کہ

(۱)...... یہ تواضع کے منافی ہے۔

(۲)...... اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہر کنکری کی یہ آرزو ہوتی ہے کہ اس پر سجدہ کیا جائے، اس لئے کنکری ہٹانے کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

(۳)...... اور حدیث الباب میں اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ جب آدمی نماز میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور نمازی جب کسی دوسری چیز میں مشغول ہوتا ہے تو وہ توجہ اس کی طرف سے ہٹ جاتی ہے۔

سجدہ میں منہ پر مٹی لگنا

﴿۹۳۷﴾ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ رَأٰی

النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ غُلَاماً لَنَا یُقَالُ لَہٗ اَفْلَحُ اِذَا سَجَدَ نَفَخَ فَقَالَ یَا اَفْلَحُ تَرِّبْ وَجْھَکَ۔ (رواہ الترمذی)

حوالہ: ترمذی شریف:۸۷/ ۱، باب ما جاء فی کراھیة النفخ فی الصلاۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر:۳۸۱۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ایک غلام جن کو "افلح" کہا جاتا تھا، دیکھا کہ جب سجدہ کرتے ہیں تو پھونک مارتے ہیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے "افلح" اپنے چہرے کو خاک آلود ہونے دو۔

تشریح: سجدہ کرنے میں چہرے پر مٹی لگنا یہ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے کیوں کہ یہ حالت (یعنی سجدہ میں منھ کا خاک آلود ہونا) اللہ رب العزت کے سامنے تذلل وخضوع سے بہت قریب ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے، لہٰذا نماز میں اس کا اہتمام نہ کرنا چاہئے، کہ سجدہ میں جاتے وقت پھونک مار کر مٹی جھاڑ دی جائے تاکہ چہرے پر مٹی نہ لگے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنے کی ممانعت

﴿۹۳۸﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْاِخْتِصَارُ فِی الصَّلَاۃِ رَاحَةُ اَھْلِ النَّارِ۔ (رواہ فی شرح السنة)

حوالہ: بغوی شرح السنة:۷۴۷، ۲۴۸/ ۳، باب کراھیة الاختصار، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر:۷۳۰۔

ترجمه: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ''نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنا جہنمیوں کی راحت ہے۔

تشریح: قیامت کے دن میدان حشر میں میں جہنمیوں کو جب بہت دیر کھڑے رہنے کی بناء پر سخت تکلیف ہوگی، تو وہ راحت حاصل کرنے کے لئے کوکھ پر ہاتھ رکھ کر راحت حاصل کرنے کی کوشش کریں گے، یا جہنمی جہنم میں راحت حاصل کرنے کے لئے اس طرح ہاتھ رکھیں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنے کی ممانعت فرمادی تا کہ دوزخیوں سے مشابہت لازم نہ آئے۔

یا پھر یہ مطلب ہے کہ اختصار یہود ونصاریٰ کا طریقہ ہے، اور وہ جہنمی ہیں، تو انجام کے اعتبار سے ان کو جہنمی کہا ہے، ورنہ جہنم میں جا کر تو کسی جہنمی کو راحت نہیں ہے، حاصل یہ ہے کہ جن لوگوں کو جہنم میں جانا ہے وہ اختصار کے ذریعہ راحت حاصل کرتے ہیں، لہٰذا ایمان والوں کو اس سے گریز کرنا چاہئے۔

نماز میں سانپ اور بچھو کا مارنا

﴿۹۳۹﴾ وَعَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُقْتُلُوا الْاَسْوَدَیْنِ فِی الصَّلَاةِ الْحَیَّةَ وَالْعَقْرَبَ۔ (رواه احمد وابوداؤد والترمذی وللنسائی معناه)

حواله: مسند احمد: ۲/۲۳۳. ابو داؤد شریف: ۱/۱۳۳، باب العمل فی الصلاة، کتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۹۲۱۔ ترمذی شریف: ۱/۸۹، باب ماجاء فی قتل الاسودین فی الصلاة، کتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۳۹۰۔ نسائی: ۱/۱۳۵ باب قتل الحیة والعقرب فی الصلاة، کتاب السهو، حدیث نمبر: ۱۲۰۱، ۱۲۰۲۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ''نماز میں دو کالوں یعنی سانپ اور بچھو کو قتل کر دو۔

تشریح:

الاسودین: سانپ بچھو مراد ہیں، یہاں کالے سانپ کی تخصیص کی گئی ہے ورنہ ہر قسم کے سانپ کا یہی حکم ہے، علامہ ابن ہمام علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ کالے سانپ کے ذکر سے سفید سانپ کے قتل سے احتراز مقصود ہے، اس وجہ سے کہ سفید سانپ جن ہوتا ہے، امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام سانپوں کے قتل میں کوئی حرج نہیں ہے اس وجہ سے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنوں سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کے گھروں میں داخل نہ ہوں گے، اور نہ امت کے افراد پر اپنے آپ کو ظاہر کریں گے، اب اگر کوئی جن اس کی خلاف ورزی کر رہا ہے تو وہ نقض عہد کر رہا ہے، لہٰذا اس کے قتل میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ جن موذی جانوروں میں جنوں کی علامات ہوں یا کسی طور پر سمجھ میں آئے کہ یہ جن ہے، تو اس کے قتل سے پہلے بطور انذار کہا جائے کہ "خل طریق المسلمین" [مسلمانوں کا راستہ چھوڑ دو۔] یا یہ کہا جائے کہ "ارجعی باذن اللہ" [اللہ تعالیٰ کے حکم سے لوٹ جاؤ] اس کے کہنے کے باوجود اگر موذی جانور بھاگے نہیں تو اس کو قتل کر دینا چاہئے، یہ انذار نماز میں نہیں کیا جائے گا۔ (مرقات: ۳/۱۶)

عمل کثیر کے ذریعہ سے سانپ کو مارنا

ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ سانپ بچھو وغیرہ کو دوران صلوۃ ایک چوٹ یا دو چوٹ سے مارنا درست ہے، اس سے زائد سے درست نہیں ہے، اس وجہ سے کہ اس سے زیادہ عمل کثیر ہے، جو کہ مبطل صلوۃ ہے، اصل بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ دوران صلوٰۃ سانپ وغیرہ کو قتل کرنے

کی اجازت دینا یہ رخصت ہے، لہٰذا عمل قلیل اور کثیر دونوں کے ذریعہ قتل کرنا درست ہے، البتہ اتنی تفصیل ہے کہ عمل کثیر کی صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی، اور عمل قلیل کے ذریعہ سے قتل کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

عمل قلیل وکثیر میں فرق

بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ جس کام میں دونوں ہاتھ استعمال ہوں وہ کثیر ہے اور جو عمل ایک ہاتھ سے ہو سکتا ہو وہ عمل قلیل ہے، ایک دوسرا قول نقل کیا جاتا ہے کہ جو عمل ایسا ہو کہ اس کے انجام دینے والے کی طرف دیکھ کر اس بات کا یقین ہو کہ یہ شخص نماز میں نہیں ہے تو وہ کثیر ہے اور جو عمل ایسا نہ ہو وہ قلیل ہے یہی راجح قول ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ رائے مبتلی بہ پر موقوف ہے یعنی جس عمل کو کثیر سمجھے وہ کثیر ہے اور جس کو قلیل سمجھے وہ قلیل ہے۔

نماز میں چلنا

﴿۹۴۰﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي تَطَوُّعًا وَالْبَابُ عَلَيْهِ مُغْلَقٌ فَجِئْتُ فَاسْتَفْتَحْتُ فَمَشٰى فَفَتَحَ لِي ثُمَّ رَجَعَ إِلٰى مُصَلَّاهُ وَذَكَرَتْ اَنَّ الْبَابَ كَانَ فِي الْقِبْلَةِ۔ (رواہ احمد وابو داؤد والترمذی وروی النسائی نحوہ)

حوالہ: مسند أحمد: ۶/۲۳۴. ابو داؤد شریف: ۱/۱۳۳، باب العمل فی الصلاۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۹۲۲۔ ترمذی شریف: ۱/۱۳۱، باب ملیجوز من

المشی والعمل فی الصلاۃ، کتاب الجمعۃ، حدیث نمبر:۶۰۱۔نسائی:۱/۱۳۵، باب المشی امام القبلۃ خطی یسیرۃ، کتاب السھو، حدیث نمبر:۱۲۰۵۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گھر میں نماز پڑھ رہے ہوتے، اور دروازہ بند ہوتا تو میں آتی، اور دروازہ کھلواتی، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چل کر میرے لئے دروازہ کھولتے، پھر اپنے مصلی پر واپس تشریف لے جاتے، اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ دروازہ قبلہ کی جانب تھا۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد) اور نسائی نے بھی اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔

تشریح: یصلی تطوعا: طیبیؒ کہتے ہیں کہ نفل کی قید سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نفل کا معاملہ آسان ہے۔

فاستفتحت: یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دروازہ کھلوانا چاہا، ظاہر بات ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سمجھ رہی ہوں گی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز میں نہیں ہیں، اگر آپ جانتیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز میں ہیں تو دروازہ نہ کھلواتیں، کیوں کہ ادب کا تقاضا یہی ہے۔

فمشی: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دو قدم چلے، لہٰذا عمل کثیر نہیں ہوا۔

ثم رجع: دروازہ کھولنے کے لئے جانا پھر واپس آنا یہ سب ملکر عام طور پر عمل کثیر ہو جاتا ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ یہ افعال توالی کے ساتھ انجام نہیں دیئے تھے، اس لئے عمل کثیر نہیں ہوا۔ (تلخیص مرقات:۳/۱۷)

وذکرت ان الباب: چوں کہ دروازہ قبلہ کی طرف تھا، لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب دروازہ کھولنے گئے تو قبلہ سے انحراف نہیں ہوا، اور واپس مصلی پر آئے تو الٹے پاؤں آئے، لہٰذا واپسی میں بھی انحراف قبلہ نہیں ہوا۔

اشکال: حجرۂ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا دروازہ قبلہ کی طرف تھا، اس پر اشکال یہ ہے کہ اہل مدینہ کا قبلہ جنوب ہے اس لئے کہ مدینہ طیبہ، مکہ سے شمال کی جانب ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ جس کا اس حدیث میں ذکر ہے، وہ مسجد سے بالکل متصل مسجد کی بائیں جانب مشرق میں واقع ہے، اور حجرہ کا دروازہ مسجد کی طرف غرب میں واقع ہے۔ جس کو باب شامی بھی کہتے ہیں تو گویا دو دروازے ہوئے، غربی اور شمالی، یہ غربی دروازہ تو دائیں جانب ہوا اور شمالی پیچھے کی جانب، تو ان میں سے کوئی سا بھی دروازہ قبلہ کی جانب یعنی جنوبی نہیں، حالانکہ یہاں روایت میں ہے "ان الباب کان فی القبلة" ہے۔

جواب: الکوکب الدری میں یہ جواب منقول ہے کہ فی القبلة کا یہ مطلب نہیں کہ حجرہ شریفہ کی جو دیوار قبلہ کی جانب ہے اس میں یہ دروازہ تھا تا کہ اشکال واقع ہو، بلکہ فی القبلة کا مطلب ہے آگے کی طرف، یعنی دروازہ تو حجرۂ شریفہ کے دائیں جانب جدار غربی ہی میں تھا، جیسا کہ مشہور ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھنے کی جگہ سے آگے کی طرف تھا، جس کو کھولنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آگے کی جانب چلنا پڑا اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دروازہ کے محاذات میں پہنچے تو ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھول دیا فالحمد للہ اشکال دفع ہو گیا۔ (الدر المنضود)

نماز میں حدث کا لاحق ہونا

﴿۹۴۱﴾ وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَسَا اَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيُعِدِ الصَّلَاةَ۔ (رواہ ابو داؤد وروی الترمذی مع زیادۃ ونقصان)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۲۷، باب من یحدث فی الصلاۃ، کتاب الطھارۃ، حدیث نمبر:۲۰۵۔ ترمذی شریف: ۱/۲۲۰، باب ماجاء فی کراھیۃ اتیان النساء فی ادبارھن، کتاب الرضاع، حدیث نمبر:۱۱۶۶۔

ترجمہ: حضرت طلق بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا ''تم میں سے کسی کو پھسکی نکلے تو اس کو چاہئے کہ وہ لوٹ جائے اور وضو کرے اور پھر نئے سرے سے نماز پڑھے۔

تشریح: ولیعد الصلاۃ: نماز کے لوٹانے کا حکم بطور وجوب کے اس وقت ہے جب کہ حدث عمداً لاحق ہوا، اور اگر بغیر قصد وارادہ کے حدث لاحق ہوا تو یہ امر استحباب کے لئے ہوگا۔ (مرقات:۳/۱۷)

حدث لاحق ہونے پر بناء کرے یا اعادہ کرے: نماز کے دوران حدث لاحق ہوگیا، وضوء کرکے اسی پر بناء کی جاسکتی ہے یا نماز کا ازسرنو پڑھنا لازم ہے، اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

امام صاحبؒ کا مذہب: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر حدث عمداً لاحق ہوا ہے تو نماز کا اعادہ لازم ہے، اور اگر بغیر قصد وارادہ کے لاحق ہوا ہے تو اعادہ مستحب ہے، اسی نماز پر بناء کی گنجائش ہے۔

دلیل: جان بوجھ کر حدث لاحق ہونے پر اعادہ لازم ہے اس کی دلیل تو حدیث باب ہے، اور بغیر قصد کے حدث لاحق ہونے پر بناء کی گنجائش پر امام صاحبؒ کی دلیل یہ حدیث ہے "من اصابہ قیٔ او رعاف او قلس او مذی فلینصرف فلیتوضأ ولیبن علی صلاتہ" اور اسی مضمون کی حدیث بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مروی ہے جیسا کہ حضرت ابوسعید خدریؓ، عمارؓ، زید بن ثابتؓ،

علیؓ، ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم انفرادی طور پر یہ حدیث شریف اگرچہ ضعیف ہے لیکن مجموعی طور پر قابل استدلال ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا مذہب: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عمداً ہو یا بغیر قصد کے بہرصورت اعادہ صلوۃ لازم اور ضروری ہے۔

دلیل: ائمہ ثلاثہ کی دلیل حدیث باب ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "ولیعد الصلاۃ" کا حکم مطلقاً دیا ہے، یعنی نماز لوٹانے کا حکم مطلقاً ہے۔

نیز حدث منافی صلوۃ ہے پھر وضو کے لئے جانے میں ایاب وذہاب پھر انحراف عن القبلۃ یہ سب منافی صلوۃ ہے اتنے منافی صلوۃ ہوتے ہوئے نماز کیسے باقی رہے گی۔

جواب: یہاں امر وجوب کے لئے عمداً کی صورت میں ہے اور استحباب کے لئے غیر عمد کی صورت میں ہے، لہٰذا یہ حدیث احناف کے خلاف نہیں ہے، اگر یہ تفصیل نہ کی جائے گی تو بہت سی ان احادیث سے تعارض ہوگا جن میں نماز کی ''بناء'' کا صراحتاً حکم موجود ہے، جیسا کہ ماقبل میں ایک حدیث پیش کی گئی ہے۔

حدث لاحق ہونے پر نماز سے نکلنے کا طریقہ

﴿۹۴۲﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَحْدَثَ أَحَدُكُم فِي صَلَاتِهِ فَلْيَأْخُذْ بِأَنْفِهِ ثُمَّ لِيَنْصَرِفْ۔ (رواه ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۱۵۹، باب استئذان المحدث الامام، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۱۱۱۴۔

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا ''جب تم میں سے کسی شخص کو اپنی نماز میں حدث لاحق ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنی ناک پکڑ لے پھر نماز سے نکلے۔

تشریح: فلیأخذ بانفہ: ناک پکڑ کر نکلنے کا حکم بطور استحباب کے ہے، فرض یا لازم نہیں ہے، یہ حکم اس لئے دیا ہے تا کہ لوگ اس کے بارے میں یہ خیال کریں کہ اس کی نکسیر پھوٹ گئی ہے جس کی بناء پر وضوء کرنے گیا ہے اس کی اجازت اس مصلحت سے بھی دی ہے کہ ممکن ہے ریح کے خروج کی بناء پر شیطان یہ وسوسہ ڈالے کہ شرم کا تقاضہ تو یہ ہے کہ یوں ہی نماز میں کھڑے رہو، اور یہ شخص شرم کی بناء پر کھڑا بھی رہے، لہٰذا شرم و عار سے بچانے کے لئے یہ تدبیر بتادی گئی، ابن ملک کہتے ہیں کہ اس میں ایک گونہ ادب ہے، قبیح چیز کا اخفاء مقصود ہے، یہ بہترین توریہ ہے، ریاکاری یا دروغ گوئی نہیں، اس میں مواضع تہمت سے بچنا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلایقفن مواقف التھم'' (تلخیص مرقات: ۳/۱۸)

قعدۂ اخیرہ میں حدث کا لاحق ہونا

﴿۹۴۳﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَحْدَثَ اَحَدُكُمْ وَقَدْ جَلَسَ فِي آخِرِ صَلَاتِهٖ قَبْلَ اَنْ يُسَلِّمَ فَقَدْ جَازَتْ صَلَاتُهٗ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ اِسْنَادُهٗ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ وَقَدْ اِضْطَرَبُوْا فِي اِسْنَادِهٖ)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱/۹۳، باب ما جاء فی الرجل یحدث بعد التشھد، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۴۰۸۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا ''تم میں سے جب کسی شخص کا وضو سلام پھیرنے سے پہلے اس وقت ٹوٹے جب کہ وہ اپنی نماز کے آخر میں بیٹھ چکا ہے، تو اس کی نماز ہوگئی۔ (ترمذی) اس روایت کے بارے میں ترمذی نے کہا کہ اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے اس کی سند میں اضطراب ہے۔

تشریح: قعدہ آخیرہ کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے اگر حدث لاحق ہوا ہے، تو فریضہ ساقط ہوگیا، یعنی سلام پھیرنا فرض نہیں ہے۔

فقد جازت صلاته: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سلام پھیرنا فرض نہیں ہے بلکہ خروج بصنع المصلی فرض ہے، یعنی نمازی کا کسی بھی عمل کے ذریعہ بالقصد نکلنا فرض ہے، لفظ سلام کے ذریعہ نکلنا واجب ہے، اب اگر کسی شخص نے نماز میں جان بوجھ کر نماز سے نکلنے کے قصد سے حدث لاحق کیا ہے تو اس کا فریضہ ساقط ہوگیا، لیکن چونکہ سلام کے ذریعہ نکلنا واجب تھا اور اس نے واجب کو ترک کیا، لہٰذا نماز واجب الاعادہ رہے گی، اور اگر کسی کو بغیر ارادہ کے حدث لاحق ہوا ہے تو وضو کر کے اسی نماز پر بناء کرے نماز ہو جائے گی۔

﴿الفصل الثالث﴾

تکبیر تحریمہ کیوقت جنبی ہونا یاد آئے تو کیا کرے

﴿۹۴۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ اِلَی الصَّلَاةِ فَلَمَّا كَبَّرَ انْصَرَفَ

وَاَوْمَأَ اِلَيْهِمْ اَنْ كَمَا كُنْتُمْ ثُمَّ خَرَجَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ جَاءَ وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ فَصَلّٰى بِهِمْ فَلَمَّا صَلّٰى قَالَ اِنِّي كُنْتُ جُنُبًا فَنَسِيْتُ اَنْ اَغْتَسِلَ۔ (رواه احمد ورواه مالك عن عطاء بن يسار مرسلاً)

حواله: مسند أحمد: ۲/۴۴۸، مؤطا امام مالک: ۱۷، باب اعادة الجنب الصلاة وغسله الخ، كتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۷۹۔

ترجمه: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے ارادہ سے نکل کر آئے، پھر تکبیر کا ارادہ کیا ہی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے گئے، اور لوگوں کو اپنی جگہ ٹھہرے رہنے کا اشارہ فرمایا، پھر مسجد سے نکل گئے اور غسل کیا پھر اس حال میں تشریف لائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک سے پانی کے قطرات ٹپک رہے تھے، پھر لوگوں کو نماز پڑھائی، نماز پڑھانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ میں جنبی تھا، اور میں غسل کرنا بھول گیا تھا۔ (مسند احمد، مؤطا امام مالکؒ) امام مالکؒ نے عطاء بن یسار سے مرسلاً روایت کیا ہے۔

تشریح: خرج الی الصلاۃ: نماز پڑھانے کے ارادہ سے مسجد تشریف لائے۔

فلما کبر: تکبیر تحریمہ کا ارادہ کیا۔

انصرف: تکبیر تحریمہ کہنے سے پہلے ہی واپس تشریف لے گئے۔

واومأ ان کما کنتم: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا تم لوگ جس حالت پر ہو اسی حالت پر رہو، مقصد یہ تھا کہ جس طرح تم لوگ جمع ہو اسی طرح جمع رہنا، یہاں سے چلے نہ جانا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا یہ مقصد نہیں تھا کہ جس طرح ابھی کھڑے ہو اسی طرح کھڑے رہنا، حافظؒ فرماتے ہیں کہ "کبر" کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہہ دی تھی، اور "واومأ" کا مطلب یہ ہے کہ تم لوگ

میرے جانے کے بعد اسی طرح نماز میں کھڑے رہنا نہ تو نماز سے نکلنا، اور نہ نماز پوری کرنا، اور پھر اس سے اپنے مذہب پر استدلال کر کے کہتے ہیں کہ ''امام کی نماز سے مقتدی کی نماز باطل نہیں ہوتی''، دیکھئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز باطل ہوگئی لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی نماز باطل نہیں ہوئی، حالانکہ استدلال قطعی غلط ہے، بخاری شریف میں صاف حدیث موجود ہے، "حتی اذا قام فی مصلاہ وانتظرنا ان یکبر انصرف" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مصلی پر کھڑے ہوئے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تحریمہ کا انتظار کر رہے تھے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کہنے سے پہلے ہی واپس تشریف لے گئے، بخاری کی اس صریح اور صحیح روایت کو چھوڑ کر حافظؒ جیسے شخص نے مجہول ومبہم روایت سے اپنے مسلک پر استدلال کیا جو کسی طرح درست نہیں۔ (مرقات:۱۹/۳)

نماز میں عمل قلیل معاف ہے

﴿۹۴۵﴾ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ کُنْتُ اُصَلِّی الظُّھْرَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاٰخُذُ قَبْضَۃً مِنَ الْحَصیٰ لِتَبْرُدَ فِیْ کَفِّیْ اَضَعُھَا لِجَبْھَتِیْ اَسْجُدُ عَلَیْھَا لِشِدَّۃِ الْحَرِّ۔ (رواہ ابو داؤد وروی النسائی نحوہ)

حوالہ: ابو داؤد شریف:۵۸/۱، باب فی وقت صلاۃ الظھر، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر:۳۹۹۔ نسائی:۱۲۲/۱، باب تبرید الحصی للسجود علیہ، کتاب التطبیق، حدیث نمبر:۱۰۸۰۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں ظہر کی نماز حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھتا تھا، اور میں مٹھی میں کچھ کنکریاں لیتا تھا، تاکہ وہ

میری ہتھیلی میں ٹھنڈی ہو جائیں، پھر ان کو اپنی پیشانی رکھنے کی جگہ پر رکھتا اور گرمی سے بچنے کی غرض سے ان ہی پر سجدہ کرتا۔

نمازی کا اپنے کپڑوں پر سجدہ کرنا

اسجد علیہا لشدۃ الحر: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حرارت سے بچنے کی خاطر کنکریاں ٹھنڈی کر کے ان پر سجدہ کرتے تھے، شوافع حدیث کے اس جز سے استدلال کر کے کہتے ہیں کہ مصلی کیلئے اپنے کپڑوں پر سجدہ درست نہیں، اگر سجدہ کرنا درست ہوتا، تو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کنکریوں پر سجدہ نہ کرتے، حنفیہ کے نزدیک مصلی کے اپنے کپڑوں پر سجدہ کرنا درست ہے بہت سی احادیث سے سجود علی ثوب المصلی ثابت ہے، شوافع کہتے ہیں کہ جہاں روایات میں مصلی کا کپڑے پر سجدہ کرنا آیا ہے وہاں وہ کپڑا مراد نہیں ہے جو مصلی پہنے ہوتا ہے بلکہ ثوب منفصل مراد ہے، احناف کہتے ہیں کہ یہ خلاف ظاہر ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے پاس پہننے کیلئے الگ اور بچھانے کے لئے الگ کپڑے نہیں ہوتے تھے، حدیث ہے "او لکلکم ثوبان"۔

فائدہ: حدیث پاک سے نماز میں بضرورت عمل قلیل کی گنجائش معلوم ہوئی۔

نماز کے دوران ابلیس کی شرارت

﴿۹۴۶﴾ وَعَنْ اَبِیْ الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّی فَسَمِعْنَاہُ یَقُوْلُ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْکَ ثُمَّ قَالَ اَلْعَنُکَ بِلَعْنَۃِ اللّٰہِ ثَلاَثًا وَبَسَطَ یَدَہُ کَاَنَّہُ یَتَنَاوَلُ شَیْئًا فَلَمَّا فَرَغَ مِنَ الصَّلَاۃِ قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَدْ سَمِعْنَاکَ تَقُوْلُ فِی

الصَّلَاةِ شَيْئًا لَمْ نَسْمَعْكَ تَقُولُهُ قَبْلَ ذٰلِكَ وَرَأَيْنَاكَ بَسَطْتَ يَدَكَ قَالَ إِنَّ عَدُوَّ اللّٰهِ إِبْلِيسَ جَاءَ بِشِهَابٍ مِنْ نَارٍ لِيَجْعَلَهُ فِي وَجْهِي فَقُلْتُ أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قُلْتُ أَلْعَنُكَ بِلَعْنَةِ اللّٰهِ التَّامَّةِ فَلَمْ يَسْتَأْخِرْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ أَرَدْتُ أَنْ آخُذَهُ وَاللّٰهِ لَوْلَا دَعْوَةُ أَخِينَا سُلَيْمَانَ لَأَصْبَحَ مُوثَقًا يَلْعَبُ بِهِ وِلْدَانُ أَهْلِ الْمَدِينَةِ۔

حوالہ: مسلم شریف: ۱/۲۰۵، باب جواز لعن الشیطان فی اثناء الصلاۃ، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ۵۴۲۔

ترجمہ: حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے تو ہم نے ان کو یہ دعاء کرتے ہوئے سنا" اعوذ باللہ" (میں تجھ سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں)، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" العنک الخ" میں اللہ کی لعنت کے ساتھ تجھ پر لعنت کرتا ہوں، تین مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات فرمائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ اس طرح بڑھایا جیسے کوئی چیز پکڑ رہے ہوں، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے تو ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ ایسے کلمات کہتے ہوئے سنا ہے جو اس سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے نہیں سنا ہے، اور ہم نے آنحضرت کو ہاتھ دراز کرتے ہوئے بھی دیکھا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا دشمن ابلیس آگ کا ایک شعلہ لے کر اس غرض سے آیا کہ اس کو میرے چہرے پر ڈال دے تو میں نے تین مرتبہ کہا کہ میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، پھر میں نے کہا کہ میں اللہ کی مکمل لعنت کے ساتھ تجھ پر لعنت کرتا ہوں، پھر وہ ہٹا نہیں تو میں نے تین مرتبہ یہ کلمات کہے، پھر میں نے ارادہ کیا کہ میں اس کو پکڑ لوں اللہ کی قسم اگر ہمارے بھائی سلیمان

علیہ السلام کی دعاء نہ ہوتی تو وہ بندھا ہوا ہوتا، مدینہ والوں کے بچے اس سے کھیلتے۔

تشریح: اس نوع کی حدیث پہلے گذر چکی وہاں اس پر تفصیلی کلام ہو چکا ہے۔

ان عدو اللہ ابلیس: اس سے پہلے بھی ایک حدیث گذری ہے اس میں الفاظ تھے ''ان عفریتاً من الجن ''معلوم ہوا کہ ابلیس جنات میں سے ہی ہے۔

اشکال مع جواب

العنک بلعنۃ اللہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب کے صیغہ کے ذریعہ لعنت بھیجی ہے، اور نماز میں خطاب سے نماز باطل ہو جاتی ہے اس کا بعض لوگوں نے یہ جواب دیا ہے کہ اگر دوران صلوۃ بغیر واسطہ کے ابلیس سے معارضہ ہو جائے تو اس پر لعنت کرنے سے نماز باطل نہیں ہوتی، اس کے علاوہ خطاب کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے، بعض لوگوں نے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت قرار دیا ہے۔

نماز میں سلام کا جواب اشارہ سے؟

﴿۹۴۷﴾ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ اِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا مَرَّ عَلٰى رَجُلٍ وَهُوَ يُصَلِّي فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَرَدَّ الرَّجُلُ كَلَاماً فَرَجَعَ اِلَيْهِ عَبْدُ اللّٰهِ بنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا فَقَالَ لَهُ اِذَا سُلِّمَ عَلٰى اَحَدِكُمْ وَهُوَ يُصَلِّي فَلَا يَتَكَلَّمْ وَلْيُشِرْ بِيَدِهٖ۔ (رواه مالك)

حوالہ: مؤطا امام مالکؒ: ۵۹، باب العمل فی جامع الصلاۃ، کتاب قصر الصلاۃ، حدیث نمبر:۷۶۔

ترجمہ: حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی

اللہ تعالیٰ عنہما ایک شخص کے پاس سے اس حال میں گذرے کہ وہ شخص نماز پڑھ رہا تھا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو سلام کیا، اس شخص نے سلام کا جواب دیا، تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کے پاس لوٹ کر آئے، اور اس سے کہا کہ جب تم میں سے کسی شخص کو نماز کی حالت میں سلام کیا جائے تو اس کو چاہئے کہ وہ بول کر جواب نہ دے، بلکہ اپنے ہاتھ کے اشارہ سے جواب دے۔

تشریح: فسلم: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نماز میں مشغول شخص کو سلام کیا ممکن ہے کہ آپؓ سلام کرتے وقت یہ نہ سمجھ سکے ہوں کہ یہ شخص نماز میں ہے۔

ولیشر بیدہ: اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نمازی کو اگر سلام کیا جائے تو وہ اشارہ سے یہ بتادے کہ وہ سلام کا جواب دینے سے معذور ہے جیسا کہ نمازی کے آگے سے گذرنے والے کو نمازی اشارہ سے روکتا ہے، یا یہ حکم پہلے تھا بعد میں منسوخ ہوگیا اب نمازی کو سلام کا جواب نہ زبان سے دینا جائز ہے نہ اشارہ سے تفصیل اوپر گذر چکی۔

بسم الله الرحمن الرحيم

باب السهو

رقم الحدیث:...... ۹۴۸، تا ۹۵۶،

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿باب السهو﴾

سجدہ سہو کا بیان

سہو اور نسیان کے معنی اور دونوں میں فرق

سہو کے لغوی معنی کسی چیز سے غافل ہونا اور دل کا دوسری چیز کی طرف چلا جانا اس معنی کے اعتبار سے سہو اور نسیان دو مترادف چیزیں ہیں قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے سہو اور نسیان کے درمیان فرق کیا ہے کہ نماز کے اندر سہو کا صدور انبیاء علیہم السلام سے جائز ہے برخلاف نسیان کے، اس لئے کہ نسیان غفلت و آفت ہے جب کہ سہو دوسری چیز میں مشغول ہونے کا نام ہے علامہ علائیؒ نے اس قول کی تضعیف کی ہے فرماتے ہیں یہ قول حدیث شریف کی رو سے بھی ضعیف ہے اور لغت کے رو سے بھی ضعیف ہے حدیث شریف کی رو سے تو اس لئے کہ صحیحین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے " انما انا بشر مثلکم انسی کما تنسون" کہ میں تم ہی جیسا ایک انسان ہوں جیسے تم سے بھول ہو جاتی ہے ایسے ہی میں بھی بھول جاتا ہوں اور لغت کے اعتبار سے اس لئے ضعیف ہے محکم میں ہے کہ سہو شئی کو بھول جانے اور اس سے غافل ہو جانے کا نام ہے علامہ ابن الاثیر نہایہ کے اندر فرماتے ہیں

لاعلمی میں کسی چیز کے ترک کو سہو فی الشئ کہتے ہیں اور جان کر قصداً کسی چیز کے ترک کو سہو عن الشئ کہتے ہیں یہ فرق دقیق اور حسن ہے اسی سے وہ فرق ظاہر ہو جاتا ہے جو سہو فی الصلوۃ اور سہو عن الصلاۃ کے درمیان ہے سہو فی الصلوۃ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو متعدد بار پیش آیا ہے اور یہ سہو مذموم نہیں لیکن سہو عن الصلوۃ مذموم ہے اور اس کی مذمت اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں فرمائی ہے "الذین ھم عن صلوتھم ساھون" بعض حضرات نے سہو اور نسیان میں فرق اس طرح بیان کیا ہے کہ نسیان حافظہ اور مدرکہ دونوں سے شئی کے زوال کا نام ہے جب کہ سہو صرف حافظہ سے شئی کے زوال کا نام ہے۔ (اوجز المسالک: ۲/۱۵۰)

تنبیہ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے دین وشریعت کے جو احکام پہونچائے اور دین وشریعت کی جن باتوں کو بیان کیا ان میں کسی قسم کا سہو ونسیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہرگز نہیں ہوا اور نہ یہ ممکن الوقوع ہے البتہ افعال یعنی ادائیگی نماز وغیرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سہو ونسیان ہو جاتا تھا۔ اور وہ بھی اس لئے تاکہ اس کے مسائل امت جان لے۔ (مظاہر حق جدید: ۲/۳۸)

سہو اور نسیان کا حکم

اخروی اعتبار سے سہو ونسیان پر مؤاخذہ نہیں مگر دنیاوی اعتبار سے سہو پر مؤاخذہ ہے نماز میں اگر کچھ نقصان پیدا ہو جاتا ہے تو اس کے تدارک وتلافی کے واسطے کچھ احکام مقرر ہیں۔

مثلاً اگر نماز میں کوئی رکن یا فرض چھوٹ جائے اور اس کا اعادہ ممکن نہ ہو تو نماز فاسد ہو جاتی ہے اور اس کو از سر نو ادا کرنا ضروری ہے۔ ہاں اگر کسی فرض یا واجب میں تاخیر ہو

جائے یا واجب سرے سے فوت ہو جائے تو اس صورت میں تلافی مافات کے لئے سجدہ سہو لازم ہوتا ہے۔ اور اس سے نماز درست ہو جاتی ہے، البتہ پہلی صورت یعنی اگر رکن فوت ہو گیا تو اس کی تلافی ممکن نہیں۔ اس وجہ سے اس نماز پر فساد کا حکم لگایا جاتا ہے اور تاخیر فرض و واجب میں سجدہ سہو سے تدارک ہو جاتا ہے۔ اور اگر سنن و مستحبات یا آداب میں سے کوئی چیز ترک ہو جاتی ہے تو اس سے نماز میں نہ کوئی خرابی پیدا ہوتی ہے اور نہ سجدہ سہو لازم آتا ہے۔ یعنی سہو و نسیان مستحبات و سنن وغیرہ میں معاف ہے۔ کیونکہ سہو و نسیان تو روز اول ہی سے انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ کلی طور پر اس سے محفوظ رہنا انسانی قدرت سے باہر ہے۔

بہر حال اس باب میں مصنف علام نے نماز کے اندر پیدا ہونے والے سہو و نسیان سے تعلق احادیث کو بیان فرمایا ہے۔

﴿الفصل الاول﴾

تعداد رکعات میں شک کا پیدا ہونا

﴿۹۴۸﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا قَامَ يُصَلِّی جَاءَهُ الشَّيْطَانُ فَلَبَسَ عَلَيْهِ حَتّٰی لَايَدْرِیَ كَمْ صَلّٰی فَاِذَا وَجَدَ ذٰلِكَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱/۱۶۴، باب السهو فی الفرائض والتطوع، کتاب التهجد، حدیث نمبر: ۱۲۳۲۔ مسلم شریف: ۱/۲۱۱، باب السهو فی الصلاة والسجود له، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ۳۸۹۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "بے شک جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے تو اس کے پاس شیطان آتا ہے اور اس کو شک وشبہ میں ڈالتا ہے، یہاں تک کہ اس کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں، اگر تم میں سے کسی کو یہ صورت پیش آئے، تو اس کو چاہئے کہ دو سجدے کرلے۔

تعداد رکعات میں شک اور اختلاف ائمہ

اختلاف ائمہ: اگر کسی کو نماز میں شک ہو جائے کہ کتنی رکعات پڑھیں تو وہ کیا کرے تو اس بارے میں اختلاف ہے۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ بلا تفصیل سجدۂ سہو کرلے اس کی نماز ہو جائے گی نہ تحری کی ضرورت اور نہ بناء علی الاقل کی ضرورت ہے۔ وہ ترمذی میں عیاض بن ہلال کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں مطلقاً سجدۂ سہو کا ذکر ہے کوئی تفصیل نہیں، نیز حدیث باب بھی ان کا مستدل ہے کہ صرف حدیث باب میں سجدۂ سہو کا ذکر ہے۔

جمہور کا مذہب: جمہور کے نزدیک اس میں تفصیل ہے امام شافعیؒ واحمدؒ واسحاق ؒ ومالکؒ فرماتے ہیں کہ وہ بناء علی الاقل کرکے بقیہ نماز پوری کرکے سجدۂ سہو کرے۔

امام ابو حنیفہؒ کا مذہب: امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر زندگی میں پہلی مرتبہ شک ہوا ہو تو نماز کا اعادہ کرے اور اگر بار بار ایسا ہوتا ہو تو تحری کرے جس طرف غالب گمان ہو اس پر بناء کرے اور اگر تحری کرنے کے بعد کسی طرف غالب گمان نہ ہو تو بناء علی الاقل کرے اور سجدۂ سہو کرے۔

حضرت حسن بصریؒ کے استدلال کا جواب: حدیث

عیاض بن ہلال اور حدیث باب کا جواب یہ ہے کہ وہ مجمل ہیں دوسری احادیث میں تفصیل موجود ہے لہذا مجمل سے استدلال صحیح نہیں۔

باقی دوسرے ائمہ کے درمیان اختلاف کیوجہ یہ ہیکہ اس کے بارے میں مختلف حدیثیں آئی ہیں کسی میں اعادہ کا ذکر ہے اس کو بعض نے لے لیا اور کسی میں تحری کا ذکر ہے اس کو بعض نے لے لیا اور کسی میں بناء علی الاقل کا ذکر ہے اس کو امام شافعیؒ وغیرہ نے لے لیا اور امام ابو حنیفہؒ نے تینوں احادیث پر عمل کر لیا اور ہر حدیث کو الگ الگ صورت پر محمول کیا کسی حدیث کو ترک کرنا نہ پڑا لہذا یہی صورت اولیٰ اور راجح ہوگی۔ (مرقات: ۲/۴۳)

سجدۂ سہو شیطان کو رسوا کرتا ہے

﴿۹۴۹﴾ وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا شَكَّ اَحَدُكُمْ فِىْ صَلَاتِهٖ فَلَمْ يَدْرِ كَمْ صَلّٰى ثَلَاثاً اَوْ اَرْبَعاً فَلْيَطْرَحِ الشَّكَّ وَلْيَبْنِ عَلٰى مَا اسْتَيْقَنَ ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ يُسَلِّمَ فَاِنْ كَانَ صَلّٰى خَمْساً شَفَعْنَ لَهٗ صَلَاتَهٗ وَاِنْ كَانَ صَلّٰى اِتْمَاماً لِاَرْبَعٍ كَانَتَا تَرْغِيْماً لِلشَّيْطَانِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَرَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ عَطَاءٍ مُرْسَلاً وَفِىْ رِوَايَتِهٖ شَفَعَهَا بِهَاتَيْنِ السَّجْدَتَيْنِ)

حوالہ: مسلم شریف: ۲۱۱/ ۱، باب السهو فی الصلاة والسجود له، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ۵۷۱۔ مؤطا امام مالکؒ: ۳۳/، باب اتمام المصلی ماذکر اذا شک فی صلاته، کتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۶۲۔

ترجمه: حضرت عطاؒ بن یسار حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت

کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز کے دوران شک ہو۔ اور وہ نہ جان سکے کہ اس نے تین رکعتیں پڑھی ہیں یا چار رکعات؟ تو اس کو چاہئے کہ وہ شک دور کرے اور جس طور پر یقین ہو اس پر بنا کرے، پھر سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کرے، تو اگر اس نے پانچ رکعتیں پڑھی ہوں گی، تو یہ پانچ رکعتیں ان دو سجدوں کے ذریعہ اس کی نماز کو جفت کر دیگی اور اگر اس نے پوری چار رکعات نماز پڑھی ہوگی تو یہ دونوں سجدے شیطان کی ذلت کا سبب بنیں گے۔

تشریح: یہ حدیث بھی اگرچہ مجمل ہے مگر پہلی حدیث کے مقابلہ میں ذرا واضح ہے اور اس سے کچھ زائد بات اس سے معلوم ہوئی۔

اگر نماز میں شک ہو جائے کہ کتنی رکعتیں ہوئیں آیا تین یا دو، تو اس صورت میں اقل تیقن پر بناء کر لے اور آخر میں سجدۂ سہو بھی کر لے، نماز ادا ہو جائیگی، کیونکہ اگر اشتباہ اسمیں ہوا کہ دو رکعت پڑھی یا تین، پھر تین سمجھ کر ایک اور ملائی حالانکہ واقعہ اسکے برخلاف ہے، یعنی وہ تین کے بجائے دو تھیں تو نماز نہیں ہوگی کیونکہ اس صورت میں ایک رکعت کم رہ گئی، چار کی جگہ تین پڑھی گئیں۔ اور اگر دو پر بناء کیا اور وہ واقعہ کے مطابق ہیں تو اس صورت میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی، اور اگر اس نے دو پر بناء کیا حالانکہ وہ حقیقت میں تین تھیں تو اس صورت میں دو اور ملانے سے پانچ رکعتیں ہوگئیں، سجدہ سہو سے وہ پورا شفعہ ادا ہو گیا اور ایک رکعت ضائع گئی۔ تو سجدہ سہو کے ذریعہ شیطان کی سازش ناکام ہو جاتی ہے، اور وہ بڑا ذلیل ہوتا ہے کہ میں نے تو اسکی نماز خراب کرنے کیلئے اسکو شک میں ڈالا تھا، مگر اس نے دو سجدے اور زیادہ کر لئے جس سے میری محنت اکارت ہوئی، اور اسکے ثواب میں اضافہ ہو گیا۔

دوسری وجہ صورت مذکورہ میں نماز درست ہونے کی یہ ہے کہ جب شک دو یا تین میں واقع ہوا ہے، تو ظاہر ہے کہ ان میں سے دو متیقن ہیں اور شبہ تو صرف تیسری میں ہے۔

قــاعــدہ : اور قاعدہ ہے کہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا، اس وجہ سے دو پر ہی بنا کرے (**الیقین لایزول بالشک**)

ثم یسجد سجدتین قبل ان یسلم: یہ اور نئی بات معلوم ہوئی جو پہلی حدیث میں نہ تھی، کہ " قبل التسلیم " سجدۂ سہو ہوتا ہے۔

سجدۂ سہو قبل السلام ہے یا بعد السلام

امــام شــافـعی ؒ **کـا مـذهـب:** امام شافعیؒ زہریؒ، مکحولؒ ربیعہؒ یحیی ابن سعید انصاریؒ اوزاعیؒ، لیثؒ اور امام احمدؒ کا ایک قول یہ ہے کہ ہر قسم کا سجدہ سہو قبل السلام ہے خواہ نماز میں زیادتی کی صورت میں ہو یا نقصان کی صورت میں۔

دلائـل: ابن بحینہ کی حدیث بخاری کی روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز میں دو رکعت پر کھڑے ہو گئے اور قعدہ اولی نہیں کیا پھر نماز کو پورا کرنے کے بعد دو سجدے کئے اسکے بعد سلام پھیرا نیز حدیث باب میں بھی قبل السلام سجدہ کا تذکرہ ہے انکے علاوہ وہ تمام روایات شافعیہ کا مستدل بنتی ہیں جن میں سجدۂ سہو قبل السلام کا ذکر ہے۔

امــام مــالـک ؒ **کـا مـذهـب :** امام مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ اگر سہو نقصان فی الصلوٰۃ کی بنا پر ہو تو سجدہ قبل السلام ہوگا، اور اگر زیادتی فی الصلوٰۃ کی بنا پر ہو تو سجدہ بعد السلام ہوگا جس کو وہ "**القـاف بـالـقـاف والدال بالدال**" سے تعبیر کرتے ہیں یعنی نقصان میں قاف ہے اور قبل کے اندر بھی قاف ہے لہٰذا دونوں کی مناسبت کی وجہ سے نقصان فی الصلوٰۃ کی صورت میں سجدہ قبل السلام ہوگا ایسے ہی زیادتی میں دال ہے اور بعد میں بھی دال ہے، لہٰذا دونوں میں مناسبت کی بنا پر زیادتی فی الصلوٰۃ کی صورت میں سجدہ بعد السلام ہوگا اسی کے قائل شافعیہ میں سے امام مزنیؒ اور ابو ثورؒ ہیں۔

دلائــــل: امام مالکؒ کی دلیل بصورت نقصان وہی ہے جو امام شافعیؒ کی ہے البتہ بصورت زیادتی فی الصلوٰۃ ان کی دلیل حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر میں پانچ رکعتیں پڑھائیں پھر سلام کے بعد سجدۂ سہو کیا یہاں زیادتی فی الصلوٰۃ کی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ بعد السلام کیا ہے اس لئے زیادتی کی صورت میں سجدہ بعد السلام ہی ہوگا۔

امام احمدؒ کا مذہب: امام احمدؒ کا مذہب ابن قدامہ نے مغنی میں نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک دو جگہوں کے علاوہ تمام مقامات میں سجدہ قبل السلام ہے ان میں سے ایک جگہ وہ ہے جب نماز میں نقص کی بنا پر سجدۂ سہو ہو تو سجدہ بعد السلام ہوگا، جس کی دلیل حضرت ذوالیدین کا قصہ ہے اس میں نقص فی الصلوٰۃ کی صورت میں سجدہ بعد السلام منقول ہے دوسری جگہ تحری کی صورت میں جب امام ظن غالب پر بناء کرے تو سجدہ بعد السلام ہوگا جس کی دلیل حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے اس میں بھی سجدہ بعد السلام مذکور ہے ان کے علاوہ تمام مقامات میں سجدہ قبل السلام کے قائل ہیں۔

دلائل: ان کا مستدل وہی روایات ہیں جو شافعیہ حضرات کا مستدل ہیں گویا کہ امام احمدؒ نے ہر حدیث کو اپنے مورد میں استعمال کیا ہے اور جس صورت میں حدیث کا ورود نہیں تو اس میں سجدۂ سہو قبل السلام کے قائل ہیں یہی قول اسحاق ابن راہویہ کا ہے فرق صرف یہ ہے کہ جس صورت میں حدیث کا ورود نہیں وہاں انھوں نے زیادتی اور نقصان کا فرق کرتے ہوئے امام مالکؒ کے مذہب کو اختیار کیا ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مذہب: امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سفیان ثوریؒ اور اہل کوفہ کے نزدیک ہر قسم کا سجدۂ سہو خواہ نقصان کی صورت میں ہو یا زیادتی کی صورت میں بعد السلام ہے اسی کے قائل حضرت علیؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ حضرت عمار ابن یاسرؓ حضرت ابن زبیرؓ،
حضرت انسؓ بن مالکؓ ابراہیم نخعی ابن ابی لیلیٰ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہم ہیں۔

دلائل: ان حضرات کی دلیل حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی روایت اور ابو ہریرہؓ کی روایت ہے جو ذوالیدین کے قصہ سے مشہور ہے ایسے ہی حضرت ثوبانؓ کی حدیث ہے جس کو ابو داؤد اور ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کیا ہے **"انه صلى الله عليه وسلم قال لكل سهو سجدتان بعد السلام"** ان کے علاوہ وہ تمام روایات حنفیہ کی دلیل ہیں جن میں سجدہ بعد السلام کا ذکر ہے۔

شافعیه کے دلائل کا جواب: (۱) ابن بحینہؓ کی حدیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خاص فعل کی خبر دیتی ہے اور احناف کی احادیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی خبر دیتی ہیں اور اصول حدیث کے قاعدہ کے مطابق جب قولی اور فعلی روایات میں تعارض ہو تو ترجیح قولی روایت کو ہوتی ہے۔ باب کی حدیث جو استدلال میں پیش کی ہے اس کو مسلم نے تنہا متصل بیان کیا ہے جب کہ امام مالکؒ نے اسکو مرسلا بیان کیا ہے اور بیہقی نے کہا ہے کہ اس میں ارسال ہی اصل ہے لہٰذا یہ مرفوع روایت کے مقابلہ میں مستدل نہیں بن سکتی، ایسے ہی حضرت معاویہؓ کی حدیث بھی انکا مستدل ہے، لیکن اسکو امام نسائی نے عجلان عن محمد بن یوسف عن یوسف کے واسطے سے ذکر کرنے کے بعد خود ہی امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ یوسف مشہور راوی نہیں۔

(۲)...... نیز شوافع کی احادیث فعلیہ سب متعارض ہیں کیونکہ بعض احادیث فعلیہ میں سجدہ بعد السلام کا ذکر ہے لہٰذا **"اذا تعارضا تساقطا"** ہو کر ایسی حدیث قولی کی ضرورت ہوگی، جو تعارض سے سالم و محفوظ ہو اور وہ حضرت ثوبانؓ کی حدیث ہے **"لكل سهو سجدتان بعد السلام"** لہٰذا اسی پر عمل ہوگا۔

اعتــراض: جیسا کہ احادیث فعلیہ متعارض ہیں ایسے ہی احادیث قولیہ بھی متعارض ہیں حضرت ثوبانؓ کی حدیث قولی میں سجدہ بعد السلام کا ذکر ہے ایسے ہی ابو سعید خدریؓ کی حدیث بھی قولی ہے جب کہ اس میں سجدہ قبل السلام کا ذکر ہے لہٰذا قولی روایت کو تعارض سے سالم کہنا غلط ہوگا اور ترجیح بلا مرجح لازم آئیگی؟

جــواب: علامہ ابن الھمامؒ فرماتے ہیں حضرت ثوبانؓ کی حدیث میں جو علی الاطلاق سجدۂ سہو کو بعد السلام بتایا گیا ہے ایسے ہی ابو سعیدؓ خدری کی روایت یا دوسری قولی روایات علی الاطلاق نہیں بلکہ خصوصاً شک کی بنا پر جو سہو ہوا اس کے متعلق کہا گیا کہ سجدہ بعد السلام ہوگا اب حضرت ثوبانؓ کی حدیث میں جو مطلقاً سجدہ کو بعد السلام کہا گیا ہے اس کے معارض کوئی حدیث نہیں نیز شک کے متعلق جو احادیث قولیہ ہیں ان میں خود تعارض ہے ابو داؤد اور نسائی میں ابو جعفرؒ کی حدیث اور بخاری میں ابن مسعودؓ کی حدیث میں شک کی بنا پر تراخی رکن کی وجہ سے سجدہ سہو بعد السلام کا ذکر ہے اور ابو سعیدؓ خدری کی روایت میں شک کی بنا پر تراخی رکن کی وجہ سے قبل السلام کا ذکر ہے حالانکہ دونوں طرح کی احادیث قولی ہیں لہٰذا تعارض کی وجہ سے یہ بھی ساقط ہوگئیں، لہٰذا حضرت ثوبانؓ کی حدیث بالکلیہ سالم عن المعارضہ ہوئی جس پر حنفیہ کا عمل ہے۔

(۳)......جن احادیث میں قبل السلام سجدہ کا ذکر ہے وہ اس بات کی محتمل ہیں کہ سلام اول سے پہلے سجدہ کیا ہو اور اس کا بھی احتمال ہے کہ سلام ثانی سے پہلے سجدہ کیا ہو، لہٰذا وہ احادیث احتمال و اشتباہ کیوجہ سے قابل استدلال نہیں، اسلئے ان احادیث کو حدیث محکم کی جانب پھیرا جائیگا جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ قبل السلام الثانی ہے نہ کہ قبل السلام الاول تاکہ احتمال ختم ہو کر وہ احادیث، محکم کے موافق ہو جائیں۔

(۴)......شوافع کی احادیث قبل السلام کے مقابلہ میں حنفیہ کی احادیث اس لئے بھی

راجح ہیں کہ ان سے تمام روایات جمع ہو جاتی ہیں کیونکہ جن روایات میں قبل السلام کا ذکر ہے ان سے سلام عن الصلوٰۃ مراد ہے اور یہی سلام ثانی ہے اور جن میں بعد السلام کا تذکرہ ہے ان میں سلام سے نماز اور دونوں سجدوں کے درمیان فصل کا سلام مراد ہے اور یہی سلام اول ہے اس طریقہ پر ہر قسم کی فعلی اور قولی روایات پر عمل ہو جائے گا، جو حنفیہ کی خصوصیت ہے جیسا کہ علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ تمام محدثین واصولین اور فقہاء کا مذہب ہے کہ حتی الامکان تمام روایات کو عملاً جمع کرنا واجب ہے اس صورت میں حنفیہ نے صرف ترجیح کے قاعدے پر عمل نہیں کیا بلکہ ترجیح اور جمع روایات دونوں پر عمل کیا ہے۔

(۵)...... یا پھر جتنی روایات سے سجدہ قبل السلام معلوم ہوتا ہے وہ سب بیان جواز کے لئے ہیں کیونکہ اختلاف تو اولیت وافضلیت میں ہے جیسا کہ امام نووی، صاحب ہدایہ اور علامہ ابن عبدالبر نے اس کو نقل کیا ہے۔

مالکیہ کے دلائل کا جواب: (۱)...... امام مالکؒ وغیرہ نے جو جمع کی صورت نکالی ہے کہ نقص فی الصلوٰۃ کی صورت میں سجدہ قبل السلام اور زیادتی فی الصلوٰۃ کی صورت میں سجدہ بعد السلام ہے اس جمع سے بہتر وہ جمع ہے جس کو حنفیہ نے اختیار کیا ہے، یعنی ''**قبل السلام**'' سے ''**انصراف عن الصلوٰۃ والسلام**'' جو کہ سلام ثانی ہے اور بعد السلام سے ''**فصل بین الصلوٰۃ والسجدتین والسلام**'' مراد ہے جو کہ سلام اول ہے۔

(۲)...... زیادتی اور نقصان کا فرق ہی درست نہیں کیونکہ زیادتی یا نقص فی الصلوٰۃ دونوں صورتوں میں وہ نماز کے لئے ایک نامناسب عمل ہو کر نقص فی الصلوٰۃ ہی ہوگا۔

(۳)...... امام ابو یوسفؒ نے خلیفۂ وقت کے سامنے امام مالکؒ پر یہ اعتراض کیا کہ آپ نے

جوزیادتی اورنقص فی الصلوٰۃ کی صورت میں دومختلف قسم کے حکم دیتے ہیں، تو اگر کسی نے نماز میں سہوا نقص کیااورزیادتی بھی کی تو اس پر لازم ہے کہ وہ دومرتبہ الگ الگ سجدے کرے کیونکہ دونوں سہوالگ الگ قسم کے ہیں اس لئے ایک سجدہ قبل السلام کرے اورایک سجدہ بعد السلام کرے حالانکہ اہل علم کااس پر اتفاق ہے کہ سجدۂ سہو میں تکرارنہیں تو اس پر امام مالک متحیر ہو گئے۔

(۴)......حدیث "لکل سهوا وفی کل سهو سجدتان بعد السلام" سے جو مطلق سہو کے بعد سجدہ بعد السلام معلوم ہوتا ہے امام مالکؒ کا فرق کرنا ان احادیث کلیہ قولیہ کے منافی ہے۔

حنابلہ کے دلائل کا جواب: امام احمدؒ جونقص فی الصلوٰۃ کی صورت میں اورتحری فی الصلوٰۃ کی صورت میں حدیث شریف کی بناپر سجدہ بعد السلام کے قائل ہیں یہ حنفیہ کے مذہب کے مطابق ہے لہٰذا وجوہ مذکورہ کی بناپر راجح بھی ہے لیکن مذکورہ دونوں صورتوں کے علاوہ تمام صورتوں میں سجدہ قبل السلام کے قائل ہیں تو ان کا جواب اور دلائل وہی ہیں جو شافعیہ حضرات کے لئے ہیں۔ (عمدۃ القاری:۵/۶۳۴، بذل المجہود:۲/۱۴۴، فتح الملہم:۲/۱۵۶، اوجز المسالک:۲/۱۷۳)

بھول کر پانچ رکعت پڑھنا

﴿۹۵۰﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ خَمْسًا فَقِيْلَ لَهُ اَزِيْدَ فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوْا صَلَّيْتَ خَمْسًا فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ مَا سَلَّمَ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ اَنْسٰى كَمَا

تَنْسَوْنَ فَإِذَا نَسِيْتُ فَذَكِّرُوْنِيْ وَإِذَا شَكَّ اَحَدُكُمْ فِيْ صَلَاتِهٖ فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ ثُمَّ لِيُسَلِّمْ ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱/۵۸، باب التوجه نحو القبلة حیث کان، کتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۴۹۔ مسلم شریف: ۱/۲۱۲،۲۱۱، باب السهو فی الصلاة و السجود له، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ۵۷۲۔

ترجمه: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پانچ رکعت پڑھائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کیا نماز میں کچھ اضافہ ہوگیا ہے؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس بات کے کہنے کی کیا وجہ ہے؟ لوگوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ رکعت پڑھائی ہیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیر کر دو سجدے کئے، ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "بلاشبہ میں تمہاری طرح ایک بشر ہوں، جس طرح تمہیں بھول ہوتی ہے، اسی طرح مجھے بھی بھول ہوتی ہے، لہٰذا اگر مجھے بھول ہو جائے تو یاد دلایا کرو اور جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک ہو جائے، تو وہ تحری کے ذریعہ درست صورت حال کو تلاش کرے، پھر اسی صورت حال پر اپنی نماز پوری کرے، پھر سلام پھیر کر دو سجدے کرے۔

تشریح: پہلی حدیث سے اس حدیث میں یہ بات بھی زائد ہے کہ جب رکعتوں کی تعداد میں شک ہو جائے تو صواب کی تحری کرے، جب یہ شک ہو جائے کہ دو رکعت ہوئیں یا تین، تو اس صورت میں اپنے ذہن سے سوال کرے کہ تمہارا کیا خیال ہے، اگر وہ جواب دیتا ہے کہ میرا تو ظن غالب یہ ہے کہ تین رکعت ہوئی ہیں تو بس تین مان لے، اور اگر وہ کہتا ہے کہ میرا عندیہ اور ظن غالب تو یہ ہے کہ دو رکعت ہوئی ہیں تو دو پر ہی بناء کر لے۔ (کذا فی المرقاۃ: ۲/۴۵)

احادیث میں اختلاف اور تطبیق کی صورت

اس مسئلہ سے متعلق احادیث مختلف ہیں بعض احادیث سے انصراف معلوم ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں ازسر نو نماز ادا کرے۔اور بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اقل متیقن پر بناء کرے اور عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تحری کرے، گویا کہ احادیث میں تعارض واقع ہو گیا۔چنانچہ فقہاء ومجتہدین نے ان احادیث میں تطبیق دی ہے کیونکہ یہ انہی کا کام ہے، بہر حال ان احادیث میں مطابقت کی صورت یہ ہے۔

تطبیق: اگر کسی کو عمر بھر میں صرف ایک ہی مرتبہ ایسی صورت پیش آئی یعنی اتفاقاً اس کو ایسی صورت پیش آ گئی تو اس کو انصراف والی حدیث پر عمل کرنا چاہئے، یعنی اس نماز کو ترک کر کے ازسر نو نماز ادا کرے۔

اور جو شخص اس نسیان کا اکثر شکار رہتا ہے، اس کو بیشتر نمازوں میں سہو لاحق ہو جاتا ہے، تو وہ تحری صواب والی حدیث پر عمل کرے، جو پہلو راجح ہو اور جس طرف ذہن کا میلان ہو، اسی پر عمل کرے، مثلاً اگر دو یا تین میں شک ہے اور ظن غالب دو کا ہے تو دو ہی پر بناء کرے اور اگر دونوں جانب برابر ہوں کسی ایک طرف رجحان نہ ہو تو اقل متیقن والی حدیث پر عمل کرے، اس طرح تینوں قسم کی احادیث شریفہ پر عمل ہو جائے گا۔

ثم لیسلم ثم یسجد سجدتین: بعد التسلیم سجدۂ سہو کرے۔

تعارض: پہلی حدیث سے جو ابو سعید خدریؓ کی بیان کردہ ہے معلوم ہوتا ہے کہ قبل التسلیم سجدۂ سہو کرے، اور عبداللہ ابن مسعودؓ کی اس حدیث سے بعد التسلیم سجدۂ سہو ثابت ہوتا ہے۔اس کا جواب ماقبل میں گذر چکا اور مزید بحث آنے والی حدیث کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

نماز مکمل ہونے سے پہلے بھول کر سلام پھیرنا

﴿۹۵۱﴾ وَعَنْ اِبْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْدَىٰ صَلَاتَيِ الْعَشِيِّ قَالَ ابْنُ سِيْرِيْنَ سَمَّاهَا اَبُوْ هُرَيْرَةَ وَلٰكِنْ نَسِيْتُ اَنَا قَالَ فَصَلّٰى بِنَا رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ اِلٰى خَشَبَةٍ مَعْرُوْضَةٍ فِيْ الْمَسْجِدِ فَاتَّكَأَ عَلَيْهَا كَاَنَّهٗ غَضْبَانُ وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى وَشَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ وَوَضَعَ خَدَّهُ الْاَيْمَنَ عَلٰى ظَهْرِ كَفِّهِ الْيُسْرٰى وَخَرَجَتْ سَرْعَانُ الْقَوْمِ مِنْ اَبْوَابِ الْمَسْجِدِ فَقَالُوْا قُصِرَتِ الصَّلَاةُ وَفِي الْقَوْمِ اَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ فَهَابَاهُ اَنْ يُكَلِّمَاهُ وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ فِيْ يَدَيْهِ طُوْلٌ يُقَالُ لَهٗ ذُو الْيَدَيْنِ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَسِيْتَ اَمْ قُصِرَتِ الصَّلَاةُ فَقَالَ لَمْ اَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ فَقَالَ اَكَمَا يَقُوْلُ ذُو الْيَدَيْنِ فَقَالُوْا نَعَمْ فَتَقَدَّمَ فَصَلّٰى مَا تَرَكَ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِهٖ اَوْ اَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ وَكَبَّرَ ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِهٖ اَوْ اَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ وَكَبَّرَ فَرُبَّمَا سَأَلُوْهُ ثُمَّ سَلَّمَ فَيَقُوْلُ نُبِّئْتُ اَنَّ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ قَالَ ثُمَّ سَلَّمَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُهٗ لِلْبُخَارِيِّ وَفِيْ اُخْرٰى لَهُمَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدَلَ لَمْ اَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ فَقَالَ قَدْ كَانَ بَعْضُ ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۸۹۴، باب تشبیک الاصابع فی المسجد، وغیرہ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۱۰۵۱۔ مسلم شریف: ۱/۲۱۳،

باب السھو فی الصلاۃ، کتاب المساجد، حدیث نمبر:۵۷۳۔

ترجمہ: حضرت ابن سیرینؒ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں شام کی دو نمازوں (ظہر، عصر) میں سے کوئی ایک نماز پڑھائی، ابن سیرینؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس نماز کا نام بتایا تھا، لیکن میں بھول گیا حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی اور سلام پھیر دیا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر اس لکڑی کے پاس آئے جو مسجد میں عرضا کھڑی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس لکڑی کا سہارا لے کر کھڑے ہو گئے گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غصہ میں ہیں اور اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا، انگلیوں میں تشبیک فرمائی اور اپنا داہنا رخسار اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھا، جلد باز قسم کے لوگ مسجد کے دروازوں سے یہ کہتے ہوئے نکلنے لگے کہ "نماز میں کمی ہوگئی ہے" قوم میں ابو بکرؓ اور عمرؓ بھی موجود تھے۔ وہ دونوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت کی وجہ سے بات نہ کر سکے، لوگوں میں ایک شخص تھے، جن کے ہاتھ لمبے تھے اور ان کو ذوالیدین کہا جاتا تھا، انہوں نے عرض کیا "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم" کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھول گئے ہیں یا نماز میں کمی کردی گئی ہے "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" نہ تو میں بھولا ہوں اور نہ نماز میں کمی کی گئی ہے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا ایسا ہی ہے جیسا کہ ذوالیدین کہہ رہے ہیں؟ صحابہؓ نے عرض کیا جی ہاں ایسا ہی ہے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور جو نماز چھوٹ گئی تھی اس کو پڑھایا، اور سلام پھیرا، پھر "اللہ اکبر" کہتے ہوئے حسب معمول سجدوں جیسا یا ان سے بھی کچھ طویل سجدہ کیا، اور اپنا سر اٹھاتے ہوئے اللہ اکبر کہا پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ میں گئے اور اپنے معمول کے سجدہ کی طرح یا اس سے لمبا سجدہ کیا، پھر اپنے سر کو اٹھاتے ہوئے اللہ اکبر کہا، بہت سے لوگوں نے علامہ ابن سیرینؒ سے دریافت کیا کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے سلام پھیرا؟ ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ مجھے عمران بن حصینؓ سے یہ خبر ملی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیر دیا۔ (بخاری ومسلم) روایت کے الفاظ بخاری کے ہیں، اور مسلم و بخاری دونوں کی ایک روایت میں **لم انس ولم تقصر** (نہ میں بھولا اور نہ نماز میں کمی کی گئی) کے بجائے "**کل ذلک لم یکن الخ**" (جو کچھ تم کہہ رہے ہو اس میں سے کچھ نہیں ہوا) کے الفاظ ہیں۔ حضرت ذوالیدین نے فرمایا کچھ تو ہوا ہے۔

تشریح: کانہ غضبان: گویا آپؐ غصہ میں ہیں، آپ کے انداز سے غصہ میں ہونا سمجھا جا رہا تھا، **سِرْعان یا سَرْعان، سریع** کی جمع ہے، **سرعان القوم،** قوم کے جلد باز لوگ، **وفی القوم ابو بکرؓ وعمرؓ:** ان دونوں حضرات کو خاص طور سے ذکر کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں حضرات کو صحابہ کرامؓ کی جماعت میں خاص امتیاز حاصل تھا۔

فھابٰاہ ان یکلماہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرنے میں یہ دونوں حضرات بھی رعب زدہ ہو گئے، ان کو بھی ہمت نہ ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کر سکیں اس لئے کہ:

مقرباں را بیش بود حیرانی

یہ عجیب کشمکش میں مبتلا تھے زیادتی رعب کی بناء پر پوچھ بھی نہ سکتے تھے، اور چونکہ نماز کم پڑھی گئی تھی اس وجہ سے دل میں اضطراب بھی تھا، نہ یوں بن پڑتی تھی اور نہ یوں۔ نہ تو اتنی ہمت کر سکتے تھے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیں اور وہ بھی ایسے وقت جب غصہ کے آثار نمایاں ہوں، اور نہ اس عجیب معاملہ کے بعد بغیر پوچھے بے فکر اور چین سے بیٹھ سکتے تھے، آخر ایک صاحب نے جرأت کر کے پوچھ ہی لیا۔

فی یدیہ طول: ان کے ہاتھوں میں دوسروں کی بہ نسبت طول تھا، ان کے ہاتھ گھٹنوں تک پہنچتے تھے، یا وہ دونوں ہاتھوں سے یکساں کام کرتے تھے، اسی وجہ سے ان کو

ذوالیدین کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

فربما سألوہ ثم سلم: حضرت ابن سیرینؒ سے لوگ اکثر سوال کیا کرتے تھے کہ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا یا نہیں۔

فیقول نبئت ان عمران بن حصین قال ثم سلم: حضرت ابن سیرینؒ جواب دیتے کہ مجھے اپنے استاذ حضرت ابو ہریرہؓ سے اسکے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوا، ہاں عمران بن حصینؓ سے یہ بات پہنچی ہیکہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا۔

اس حدیث سے دو مسئلے نکلتے ہیں، ایک حنفیہ کے موافق اور شافعیہ کے خلاف دوسرا حنفیہ کے خلاف اور شافعیہ کے موافق۔

مسئلہ کلام فی الصلوٰۃ اور اختلاف ائمہ

اس مسئلہ میں اس بات پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ اگر نماز میں عمداً کلام کیا جائے اور وہ اصلاح صلوٰۃ کے لئے نہ ہو تو ایسا کلام مفسد صلوٰۃ ہے، البتہ صورت مذکورہ کے علاوہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔

چنانچہ حضرات حنفیہ کے یہاں کلام فی الصلوٰۃ مطلقاً خواہ عمداً ہو یا نسیاناً، قلیل ہو یا کثیر، اصلاح صلوٰۃ کی غرض سے ہو یا اصلاح صلوٰۃ کے لئے نہ ہو، بہر حال مفسد صلوٰۃ ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک اگر ناسیاً کلام کیا جائے بشرطیکہ طویل نہ ہو تو وہ مفسد صلوٰۃ نہیں۔

امام مالکؒ اصلاح صلوٰۃ کے لئے کلام قلیل عمداً کو جائز اور غیر مفسد صلوٰۃ کہتے ہیں۔

امام احمدؒ سے اس مسئلہ میں جو روایات منقول ہیں ان میں شدید اضطراب اور اختلاف پایا جاتا ہے، چنانچہ تین روایات تو ان سے مذاہب ثلاثہ کی طرح منقول ہیں،

چوتھی روایت یہ ہے کہ اصلاح صلوٰۃ کے لئے کلام کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، اور یہ حکم صرف امام کے ساتھ خاص ہے، اور پانچویں روایت یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ سمجھ کر کلام کیا کہ اس کی نماز پوری ہو چکی ہے حالاں کہ اس کی نماز پوری نہیں ہوئی تھی تو ایسا کلام مفسد صلوٰۃ نہیں ہوگا، اور اگر یہ جانتے ہوئے کہ ابھی تک نماز پوری نہیں ہوئی ہے اور پھر کلام کیا تو ایسی صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی۔

امام احمدؒ کے بعض اصحاب نے ان کی اس روایت کو ترجیح دی ہے جو امام مالکؒ کے مذہب کے موافق ہے، یعنی کلام قلیل لاصلاح الصلوٰۃ غیر مفسد ہے۔

لیکن امام احمدؒ کا راجح مذہب جس پر اخیر میں ان کی روایت کا استقرار ہوا یہ ہے کہ کلام فی الصلوٰۃ مطلقاً مفسد صلوٰۃ ہے، جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا استدلال

حضرات ائمہ ثلاثہ ذوالیدین کی اسی روایت سے استدلال کرتے ہیں، ان حضرات کا مدعی یہ ہے کہ کلام فی الصلوٰۃ کا نسخ مکہ میں ہوا ہے، اور ذوالیدین کا واقعہ حضرت ابو ہریرہؓ کے اسلام کے بعد پیش آیا ہے جو یقیناً ہجرت کے بعد ۷ھ کے آخر یا اس کے بھی بعد کا ہے، کیوں کہ حضرت ابو ہریرہؓ بالاتفاق ۷ھ میں مشرف با سلام ہوئے اور روایات میں تصریح ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ خود اس واقعہ میں موجود تھے۔

پھر حضرات شافعیہ ذوالیدین کے اس واقعہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کلام کیا ہے اس کو نسیان پر حمل کرتے ہوئے جواز الکلام فی الصلوٰۃ ناسیاً کے قائل ہوئے، امام مالکؒ نے اس کو اصلاح صلوٰۃ کے لئے سمجھ کر اصلاح صلوٰۃ کے لئے کلام فی الصلوٰۃ کی اجازت دی ہے، اور پانچویں روایت کے مطابق امام احمدؒ یہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے یہ سمجھ کر کلام فرمایا کہ نماز مکمل ہو چکی ہے اور ذوالیدین کا کلام بھی اسی پر محمول ہے کیوں کہ اس وقت یہ احتمال تھا کہ نماز میں کمی ہوئی ہو۔

حنفیہ کے دلائل: حضرات حنفیہ جو مطلقاً کلام فی صلوٰۃ کو مفسد کہتے ہیں وہ ذوالیدین کے اس واقعہ کو منسوخ کہتے ہیں، اور درج ذیل روایات سے استدلال کرتے ہیں۔

(١)...... عن معاوية بن الحكم السلمي قال: بينا انا اصلى مع رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا عطس رجل من القوم فقلت يرحمك الله فرماني بابصارهم فقلت واثكل امياه ماشانكم تنظرون الى فجعلوا يضربون بايديهم على افخاذهم، فلما رأيتهم يصمتونني لكني سكت فلما صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فبابى هو وامى ما رأيت معلما قبله ولا بعده احسن تعليما منه، فو الله ما كهرني ولاضربني ولاشتمني، ثم قال: ان هذه الصلوٰة لايصلح فيها شئى من كلام الناس انما هو التسبيح والتكبير وقراء ة القرآن.

یہ روایت صراحۃً اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نماز میں ہر قسم کا کلام ممنوع ہے۔

(٢)......عن زيد بن ارقم قال: كنا نتكلم في الصلوٰة يتكلم الرجل صاحبه وهو الى جنبه في الصلوٰة حتى نزلت: "وقوموا لله قانتين" فامرنا بالسكوت ونهينا عن الكلام.

اس روایت میں کلام قلیل وکثیر، نسیان وعمد وغیرہ میں کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے، مطلقاً کلام کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

(٣)......عن ابن مسعودؓ قال: كنا نسلم على النبى صلى الله عليه وسلم فيرد علينا السلام حتى قدمنا من ارض الحبشة فسلمت عليه فلم

یردہ علی فاخذنی ماقرب وما بعد فجلست حتی اذا قضی الصلوٰۃ قال ان اللہ یحدث من امرہ مایشآء وانہ قد احدث من امرہ ان لایتکلم فی الصلوٰۃ.

(۴)......عن ابی امامۃؓ قال کان الناس اذا دخل الرجل المسجد فوجدھم یصلون سأل الذی الی جنبہ فیخبرہ بمافاتہ فیقضی ثم یقوم فیصلی معھم حتی اتی معاذ یوما فاشاروا الیہ انک قد فاتک کذا وکذا فابی ان یصلی معھم ثم صلی بعد مافاتہ فذکر ذلک لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال احسن معاذ وأنتم فافعلوا کما فعل.

(۵)......علامہ طیبیؒ نے سعید بن منصور کے حوالہ سے روایت نقل کی ہے، اس میں ہے "عن محمد بن کعب القرظی قال: قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ والناس یتکلمون فی الصلوٰۃ فی حوائجھم کما یتکلم اھل الکتاب فی الصلوٰۃ فی حوائجھم حتی نزلت ھذہ الآیۃ "وقوموا للہ قانتین"۔

یہ روایات اس امر پر دال ہیں کہ نسخ کلام فی الصلوٰۃ کا واقعہ مکہ معظمہ میں نہیں بلکہ مدینہ منورہ میں پیش آیا ہے، اور ساتھ ساتھ یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ نماز میں کسی قسم کا کلام کرنا جائز نہیں، لہٰذا نماز میں ہر قسم کے کلام کو منسوخ کہا جائے گا اور حدیث ذوالیدین بھی منسوخ ہے۔

حدیث ذوالیدین سے استدلال کرنے والے حضرات اول تو اس بات پر زور دیتے ہیں کہ نسخ کلام مکہ مکرمہ میں ہوا ہے کیوں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جب حبشہ سے واپس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس وقت کلام فی الصلوٰۃ کی ممانعت ہوچکی تھی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حبشہ سے واپسی مکہ مکرمہ میں

ہوئی ہے، اور حدیث ذوالیدین کا واقعہ مدینہ طیبہ میں پیش آیا ہے، تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیث ذوالیدین کا واقعہ کلام فی الصلوٰۃ کی ممانعت کے بعد کا ہے، لہٰذا حدیث ذوالیدین تحت النسخ داخل نہیں ہوگی، اور اس کو منسوخ نہیں کہا جائے گا۔

لیکن یہ بات کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوتی، کیوں کہ مکہ معظمہ سے حبشہ کی طرف دو مرتبہ ہجرت ہوئی ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہجرتین میں شریک تھے، پہلی مرتبہ یہ صحابہؓ ہجرت کر کے حبشہ پہنچے اور وہاں پر مقیم ہوگئے، اسی اثناء میں سورۂ نجم نازل ہوئی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تلاوت فرمائی تو اس کا مجمع پر ایسا اثر ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمان اور مشرکین سب سجدہ میں گر گئے اس واقعہ سے یہ افواہ پھیل گئی کہ اہل مکہ مسلمان ہوگئے، اس لئے بعض صحابہؓ حبشہ سے لوٹ آئے جب مکہ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ خبر غلط تھی اور مشرکین اپنے حال پر ہیں، اس لئے کچھ لوگ تو راستہ ہی سے واپس لوٹ گئے، لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ چند روز مکہ ٹھہرے اس کے بعد انہوں نے پہلی مرتبہ کے مقابلہ میں کہیں زیادہ صحابہؓ کے ساتھ دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی، اور پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت الی المدینہ کی اطلاع ملی تو مدینہ طیبہ کیلئے روانہ ہوگئے اور جب مدینہ پہنچے اس وقت غزوہ بدر کا واقعہ پیش نہیں آیا تھا، اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ غزوہ بدر میں شریک ہوئے اور اسی موقع پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ واقعہ پیش آیا جس کو ہم نے حنفیہ کے دلائل میں پیش کیا تھا "**ان اللّٰہ یحدث من أمرہ مایشاء وانہ قد احدث من امرہ ان لایتکلم فی الصلوٰۃ**"۔

چنانچہ سیر کے جلیل القدر ائمہ ابومعشر نجیح بن عبدالرحمٰن، محمد بن عمر واقدی، موسیٰ بن عقبہ اور ابن الجوزی رحمہم اللہ یہ سب حضرات اس پر متفق ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہجرتین میں شریک تھے، اور حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک

روایت قوی اور جید سند کے ساتھ مسند احمد کے حوالہ سے ذکر کی ہے، اس روایت کی آخر میں ہے "ثم تعجل عبد اللہ بن مسعودؓ حتی ادرک بدراً"۔

نیز حافظ ابن حجرؒ نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی دوسری مرتبہ واپسی مدینہ منورہ کی طرف ہوئی ہے، اور یہ واپسی اس وقت ہوئی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر کی تیاری فرمارہے تھے۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے رجوع کا واقعہ الی المدینہ کا ہے اور غزوہ بدر سے کچھ پہلے ہوا ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حبشہ سے واپس ہوکر مکہ معظمہ آئے تھے اور ان کی حدیث میں منع الکلام فی الصلوٰۃ کا جو واقعہ مذکور ہے وہ مکہ کا ہے، اس لئے نسخ کلام فی الصلوٰۃ مکہ میں ہوا ہے، غلط اور خلاف حقیقت ہے۔

نیز حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ انصاری ہیں، وہ "کنا نتکلم فی الصلوٰۃ" کہتے ہیں اور پھر "حتی نزلت وقوموا للہ قانتین" کو جواز الکلام فی الصلوٰۃ کی غایت بتلاتے ہیں، اور یہ آیت بالاتفاق مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے، تو آخر کیا وجہ ہے کہ مدینہ منورہ کے بجائے مکہ مکرمہ میں نسخ کلام مانا جاتا ہے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی مذکورہ آیت میں نہایت کمزور درجہ کی تاویلیں کی گئی ہیں، مثلاً یہ کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ جو یہ فرمارہے ہیں "کنا نتکلم" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ "کان قومي یتکلمون" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کرنے سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جب ہمیں نماز پڑھایا کرتے تھے، تو ہم انکے پیچھے کلام فی الصلوٰۃ کیا کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو پہلے ہی سے حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعلیم کیلئے مدینہ منورہ بھیج دیا تھا تو جب وہ نماز پڑھایا کرتے تھے تو ان کے پیچھے نماز میں کلام کرنا مراد ہے۔

اسی طرح "وقوموا للہ قانتین" کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ آیت اگرچہ مدنی ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نسخ کلام بھی مدینہ منورہ میں ہوا ہو، بلکہ نسخ کلام کا حکم پہلے مکہ ہی میں آگیا تھا اور پھر اس کے موافق یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی۔

لیکن حضرت زید بن ارقمؓ کی یہی روایت جامع ترمذی میں ان الفاظ کے ساتھ "کنا نتکلم خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ......حتی نزلت وقوموا للہ قانتین" مروی ہے۔

ایک تو "خلف رسول صلی اللہ علیہ وسلم" کے الفاظ پر غور کیجئے، ان الفاظ کے ہوتے ہوئے یا تاویل کیونکر صحیح ہوگی، کہ مصعب بن عمیرؓ کے پیچھے نماز میں کلام کرنا مراد ہے، اسی طرح "حتی نزلت" کو "کنا نتکلم" کے لئے غایت بتلایا گیا ہے، تو پھر یہ کہنا کہ نسخ کلام پہلے مکہ میں ہوا، اور آیت بعد میں مدینہ میں نازل ہوئی کس طرح درست ہوسکتا ہے۔

نیز طبرانی کی روایت میں حضرت ابوامامہؓ سے منقول ہے، اس میں کلام فی الصلوٰۃ کا ذکر ہے اور حضرت معاذؓ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، یہ دونوں حضرت ابوامامہ اور حضرت معاذ بن جبلؓ انصاری ہیں، اور ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مسلمان ہوئے ہیں، اس لئے یہ دعویٰ کہ نسخ کلام مکہ میں ہوا ہے، نہ صرف یہ کہ بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل ہے، اور اس پر جو یہ عمارت قائم کی گئی ہے کہ حدیث ذوالیدین نسخ کلام کے بعد کی ہے، اس لئے نسیاناً اصلاح الصلوٰۃ کا جواز ثابت ہوگا، وہ عمارت بھی منہدم ہوجائے گی۔

دوسری چیز جس پر ان حضرات نے زور صرف کیا ہے، وہ یہ ہے کہ حدیث ذوالیدین کا واقعہ حضرت ابوہریرہؓ کے اسلام قبول کرنے کے بعد کا ہے، اور دلیل اس کی یہ ہے کہ مذکورہ واقعہ میں ابوہریرہؓ خود شریک تھے، جیسا کہ صحیح مسلم شریف کی روایات سے معلوم ہوتا ہے،

چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ کی بعض روایات میں کہیں "صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" مروی ہے، کہیں "صلی لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" مذکور ہے، اور ایک جگہ "بینا انا اصلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے الفاظ منقول ہیں، حضرت ابو ہریرہؓ چوں کہ غزوہ خیبر کے بعد ۷ھ میں مسلمان ہوئے ہیں۔

اس لئے نسخ کلام اگر مکہ کے بجائے مدینہ میں بھی مان لیا جائے تب بھی حدیث ذوالیدین تحت النسخ داخل نہیں ہوگی اور اسے منسوخ نہیں کہا جائے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ذوالیدینؓ چوں کہ غزوہ بدر میں شہید ہو گئے تھے، وہ حضرت ابو ہریرہؓ کے اسلام تک موجود ہی نہ تھے اس لئے حدیث ذوالیدین کا واقعہ یقیناً غزوہ بدر سے پہلے ہی پیش آیا ہے۔

اس پر ان کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ غزوہ بدر میں شہید ہوئے تھے، وہ ذوالشمالین تھے، ذوالیدین نہیں تھے، ذوالیدین تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت معاویہؓ کے دور تک زندہ رہے اور حضرت معاویہؓ کے دور خلافت میں ان کا انتقال ہوا، اس کے لئے یہ حضرات نہایت کمزور روایات کا سہارا لیتے ہیں۔

ایسے ہی ان کا کہنا ہے کہ ذوالیدین کو اگر غزوہ بدر میں شہید قرار دیا جائے تو پھر ۷ھ میں یا اس کے بھی بعد حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ذوالیدین کے واقعہ میں شرکت کیونکر درست ہو سکتی ہے؟

نیز ذوالیدین کا نام خرباق بن عمرو ہے، اور ان کا تعلق قبیلہ بنو سلیم سے ہیں، جب کہ ذوالشمالین کا نام عمیر بن عبد عمرو ہے، اور ان کا تعلق قبیلہ بنی خزاعہ سے ہے، اس لئے یہ دونوں ذوالیدین اور ذوالشمالین علاحدہ علاحدہ شخص ہیں۔

حضرات حنفیہ کی طرف سے اس سلسلہ میں نہایت مضبوط اور معقول جوابات دیئے

گئے ہیں، سب سے اہم بات یہ ہے کہ ذوالیدین اور ذوالشمالین دونوں ایک ہی شخص کے نام ہیں، درحقیقت ان کا نام عمیر بن عبدعمرو بن نضلہ بن عمرو بن غبشان بن سلیم ابن ملکان بن اقصی بن حارثہ بن عمرو بن عامر بن خزاعہ ہے، بعض حضرات نے ان کا نام عبداللہ بھی بتایا ہے، ابومحمد کنیت تھی، خرباق ان کا لقب تھا، چوں کہ ان کے ہاتھ لمبے تھے، اور یا اس لئے کہ یہ دونوں ہاتھوں سے کام کرتے تھے اس لئے شروع میں ان کو ذوالشمالین کہا جاتا تھا، لیکن اس میں ایک قسم کی بدفالی پائی جاتی تھی، اس لئے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بدل کر ذوالیدین کردیا، اور چوں کہ بنوسلیم بنوخزاعہ کی ایک شاخ ہے، جیسا کہ ابھی اوپر مذکور ہوا اس لئے کبھی ان کو سلمی اور کبھی خزاعی کہا جاتا ہے۔

اس بات پر کہ ذوالیدین اور ذوالشمالین دونوں ایک ہی شخصیت کے نام ہیں متعدد شواہد اور دلائل موجود ہیں۔

(۱)......اس امر کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ سنن نسائی، دارمی، مسند احمد، اور طحاوی میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے، اس میں ذوالیدین اور ذوالشمالین دونوں کا اطلاق ایک ہی شخص پر کیا گیا ہے، چنانچہ سنن نسائی کی روایت یوں ہے ''نسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسلم سجدتین فقال لہ ذوالشمالین اقصرت الصلوٰۃ ام نسیت یا رسول اللہ: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصدق ذوالیدین قالوا نعم فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاتم الصلوٰۃ.

(۲)......طبرانی اور بزار میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے اس میں بھی ذوالیدین اور ذوالشمالین کا اطلاق شخص واحد پر کیا گیا ہے۔

(۳)......ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے ''ذوالیدین ویقال ذوالشمالین'' یعنی

ذوالیدین کوذوالشمالین بھی کہا جاتا ہے۔

(۴)......ابن حبان کتاب الثقات میں فرماتے ہیں ذوالیدین رضی اللہ عنہ "**وقد یقال له ایضاً ذو الشمالین بن عبد عمرو بن نضلة الخزاعی**"۔

(۵)......علامہ ابن الاثیر نے بھی جامع الاصول میں ذوالیدین اور ذوالشمالین دونوں کو ایک قرار دیا ہے۔

(۶)......ابوعبداللہ محمد بن یحییٰ عدنی اپنی مسند میں فرماتے ہیں "**ابو محمد الخزاعی ذو الیدین احد اجدادنا وهو ذو الشمالین**"۔

(۷)......مبرد نے "کامل" میں لکھا ہے "**ذو الیدین هو ذو الشمالین کان یسمی بهما جمیعاً**"۔

(۸)......علامہ محمد طاہر نے بھی "**المغنی**" میں ذوالیدین اورذوالشمالین دونوں کوشخص واحد قرار دیا ہے۔

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ ذوالیدین اورذوالشمالین دونوں ایک ہی شخصیت کے نام ہیں، اور ساتھ ساتھ یہ بھی طے شدہ بات ہے اوراس پرتمام محدثین اوراہل سیر کا اتفاق ہے کہ ذوالشمالین غزوۂ بدر میں شہید ہوگئے تھے، لہذا ذوالیدین بھی غزوہ بدر میں شہید قرار دیئے جائیں گے۔

اس بناپر ذوالیدین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تک زندہ ماننا اور حضرت ابو ہریرہؓ کوحدیث ذوالیدین کے واقعہ میں شریک قرار دینا درست نہ ہوگا، اور نسخ کلام چوں کہ مدینہ منورہ میں غزوہ بدر کے موقع پر ہو چکا تھا اس لئے حدیث ذوالیدین منسوخ ہوگی اوراس پرعمل جائز نہیں ہوگا۔

اور جہاں تک تعلق ہے صحیح مسلم میں ان روایات کا جن میں حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ قول

نقل کیا گیا ہے"صلی بنا" اور" صلی لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" جن سے بظاہر واقعہ ذوالیدین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی شرکت معلوم ہوتی ہے، تو اس کے متعلق یہ کہا جائے گا کہ یہاں متکلم مع الغیر کے صیغہ سے جماعت المسلمین مراد ہیں، خود حضرت ابو ہریرہؓ اس وقت اس واقعہ میں موجود نہ تھے، "صلی بنا" کے معنی ہیں "صلی بالمسلمین" اور کلام عرب میں اس طرح کی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔

(۱)......نزال بن سبرہ تابعی ہیں، لیکن وہ فرماتے ہیں "قال لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا و ایاکم الخ" یہاں ظاہر ہے کہ "قال لنا" سے "قال لقومنا" مراد ہے، خود نزال اس میں داخل نہیں ہے، کیوں کہ انہوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہیں کی ہے۔

(۲)......حضرت طاؤس کا قول ہے، فرماتے ہیں "قدم علینا معاذ بن جبل فلم یاخذ من الخضروات شیئاً" یہاں بھی "قدم علینا" سے "قدم بلدنا" یا "قومنا" مراد ہے خود طاؤس اس وقت موجود نہیں تھے، کیوں کہ حضرت معاذ بن جبلؓ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں یمن آئے تھے، اس وقت حضرت طاؤس پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔

(۳)......ایسے ہی حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں "خطبنا عتبة بن غزوان" حالاں کہ حسن بصریؒ اس خطبہ میں موجود نہیں تھے۔

اس پر امام بیہقیؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اول تو یہ خلاف ظاہر ہے، اور اس کے علاوہ صحیح مسلم میں ایک روایت ایسی ہے کہ اس میں بالکل کوئی تاویل نہیں ہو سکتی، چناں چہ وہ روایت یوں ہے "عن ابی هريرةؓ قال بينا انا اصلی مع رسول الله صلى الله عليه وسلم " اس روایت میں اس بات کی تصریح ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ

بنفس نفیس اس وقت اس واقعہ میں موجود تھے۔

اس کا جواب کہ اول تو صرف یحییٰ بن کثیر نے واحد متکلم کا صیغہ نقل کیا ہے، اور کسی روایت سے اس کی تائید نہیں ہوتی، چوں کہ یحییٰ بن کثیر مدلس ہیں اور یہ روایت انہوں نے عنعنہ کے طریق سے نقل کی ہے، اس لئے یہ قابل قبول نہیں، اور دوسری بات یہ ہے کہ یحییٰ بن کثیر سے روایت کرنے والے علی بن مبارک اور حرب بن شداد بھی ہیں اور انہوں نے واحد متکلم کا صیغہ نقل نہیں کیا ہے، صرف شیبان بن عبد الرحمٰن نے یحییٰ سے واحد متکلم کا صیغہ نقل کیا اور کوئی ان کا متابع موجود نہیں ہے، لہٰذا شیبان منفرد ہیں اور تمام معتبر روایوں کے خلاف نقل کرتے ہیں اس لئے کہا جائے گا کہ یا تو انہیں وہم ہو گیا ہے اور یا یہ روایت بالمعنیٰ کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے ''صلی لنا'' اور ''صلی بنا'' کے صیغوں کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ حضرت ابو ہریرہؓ اس واقعہ میں شریک تھے اور پھر روایت بالمعنیٰ کرتے ہوئے ''بینا انا اصلی'' روایت کر دیا جو صحیح نہیں ہے۔

نیز جب قوی دلائل سے ثابت ہو گیا کہ خود ذوالیدین کے پوتے ابو محمد خزاعی (جو اپنے خاندان سے دوسروں کی بہ نسبت زیادہ واقف ہو سکتے ہیں) نے تسلیم کر لیا ہے کہ ذوالیدین ہی ذوالشمالین تھے اور ذوالشمالین بالاتفاق غزوہ بدر میں شہید ہو چکے تھے تو اب ایک کمزور روایت کی بناء پر جو کہ تمام معتبر روایات کے خلاف ہے کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ ذوالیدین غزوہ بدر کے بعد زندہ رہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ان سے ملاقات ہوئی۔

حدیث ذوالیدین کے جواب میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں کئی وجوہ سے اضطراب واقع ہے اس لئے یہ قابل استدلال نہیں۔

(۱)...... چناں چہ ایک اضطراب وقت کے بارے میں ہے، صحیحین کی ایک روایت میں ہے یہ واقعہ ظہر کا تھا، بعض روایات میں اس کو صلوٰۃ العصر کا واقعہ بتلایا ہے، بعض روایات

میں"صلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم احدی صلوتی العشی" مذکور ہے،بعض روایات میں"احدی صلوتی العشی اما الظھر واما العصر" کے الفاظ نقل کئے گئے ہیں،بعض روایات میں"احدی صلوتی العشی" کے الفاظ ذکر ہوئے اور خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تعیین صلوٰۃ کے بارے میں فرمارہے ہیں"ولکنی نسیت"، اوربعض روایات میں ہے کہ محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تو متعین کر کے بتایا تھا کہ کونسی نماز تھی،ظہر کی تھی یا عصر کی،لیکن میں اس کو بھول گیا۔

(۲)......دوسرا اضطراب عدد رکعات کے بارے میں ہے چنانچہ صحیحین کی روایت میں کہ آپ نے دو رکعت پر سلام پھیرا جب کہ صحیح مسلم میں حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت ہے اس میں ہے کہ آپ نے تین رکعت پر سلام پھیرا۔

(۳)......تیسرا اضطراب مقام تکلم اوراس بارے میں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سہواً سلام پھیرنے کے بعد کہاں کھڑے ہوئے،صحیحین کی روایت میں ہے"ثم سلم ثم قام الی خشبة فی مقدم المسجد فوضع یدہ علیھا" اور دوسری ایک صحیح روایت میں مذکور ہے"ثم قام فدخل الحجرة"۔

(۴)......چوتھا اضطراب سجدہ سہو کے بارے میں ہے،یعنی بقیہ نماز ادا کرنے کے بعد آپ نے سجدہ کیا یا نہیں؟ صحیحین کی روایت میں سجدہ سہو کرنا مذکور ہے،جب کہ ابو داؤد وغیرہ کی روایت میں سجدہ سہو کی نفی مذکور ہے۔

لہٰذا ان اضطرابات شدیدہ کے ہوتے ہوئے یہ روایت کیونکر قابل استدلال ہوسکتی ہے؟ خصوصاً جب کہ اس کے مقابلہ میں ممانعت کلام فی الصلوٰۃ کے بارے میں آیت قرآنی اور روایات صحیحہ اور صریحہ موجود ہیں۔

ایسے ہی امام طحاویؒ نے نقل کیا ہے کہ جو واقعہ حدیث ذوالیدین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آیا بعینہ یہی واقعہ حضرت عمر بن خطابؓ کے ساتھ ان کے دور خلافت میں پیش آیا، حضرت عمرؓ نے اعادہ اور استیناف کیا حالانکہ حدیث ذوالیدین کے واقعہ میں خود موجود تھے جیسا کہ صحیحین کی روایت میں ہے پھر حضرت عمرؓ کا یہ عمل حضرات صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں تھا مگر اس پر کسی نے انکار نہیں کیا، اس سے معلوم ہوا کہ تمام صحابہؓ کے نزدیک کلام فی الصلوٰۃ مفسد صلوٰۃ ہے اور حدیث ذوالیدین منسوخ ہو چکی ہے۔

نیز حدیث ذوالیدین میں صرف کلام فی الصلوٰۃ مذکور نہیں، بلکہ آپ کا خشبہ معروضہ تک جانا اور بعض روایات کے مطابق حجرے میں داخل ہونا اور واپس آنا، نیز بعض جلد باز لوگوں کا مسجد کے دروازوں سے نکلنا یہ سب چیزیں مذکور ہیں، اور ان سے انحراف صدر عن القبلہ، تتابع مشی اور عمل کثیر کا تحقق ہو ہی جاتا ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بھی یہ مفسد صلوٰۃ ہیں، تو پھر ان کے مذہب کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ''بناء علی الرکعتین'' کی کیا توجیہ ہوگی؟ اگر وہ حدیث ذوالیدین سے کلام کے جواز پر استدلال کرتے ہیں تو پھر ان امور کا جواز بھی تسلیم کرنا چاہئے۔

حضرات شوافع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد "و رفع عن امتی الخطاء والنسیان" سے بھی استدلال کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی ناسیاً کلام کرے تو وہ معاف ہے، لہٰذا کہا جائے گا کہ ناسیاً کلام مفسد صلوٰۃ نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ''رفع عن الخطاء والنسیان'' سے حکم اخروی مقصود ہے، کہ خطا اور نسیان کی صورت میں گناہ اور مواخذہ نہیں ہوگا، حکم دنیوی کی نفی مقصود نہیں ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ قتل خطا میں بالاتفاق دیت واجب ہوتی ہے ایسے ہی نماز میں بھول کر ترک واجب سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے، لہٰذا حضرات شوافع کا اس سے

استدلال درست نہ ہوگا۔

نیز اس حدیث سے ان کا استدلال اس لئے بھی صحیح نہیں ہے کہ اس میں قلیل اور کثیر کا کوئی فرق نہیں ہے جب کہ حضرات شوافع قلیل اور کثیر کے درمیان فرق کے قائل ہیں کہ کلام قلیل مفسد صلوٰۃ نہیں اور کثیر مفسد ہے۔

اسی طرح یہ حضرات کلام فی الصلوٰۃ ناسیاً کو اکل فی الصوم ناسیاً پر قیاس کرتے ہیں کہ جس طرح اکل ناسیاً مفسد صوم نہیں ہے اسی طرح کلام ناسیاً بھی مفسد صلوٰۃ نہیں ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قیاس مع الفارق ہے، ایک تو اس لئے کہ اکل فی الصوم ناسیا کے غیر مفسد ہونے کے لئے نص صریح موجود ہے، جب کہ کلام فی الصلوٰۃ ناسیاً میں ایسی کوئی نص موجود نہیں ہے۔

ایسے ہی ہیئت صلوٰۃ مذکر ہے، اس لئے یہاں نسیاں کا اعتبار نہیں ہوگا، اور فساد کا حکم لگایا جائے گا، برخلاف صوم کے کہ وہاں پر کوئی مذکر موجود نہیں ہے۔

نیز یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اکل فی الصوم ناسیاً میں قلیل اور کثیر کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، دونوں صورتوں میں روزہ نہیں ٹوٹتا، جب کہ کلام طویل بالاتفاق مفسد صلوٰۃ ہے، لہٰذا یہ قیاس کیونکر صحیح ہوگا۔ (نفحات التنیقح: ۳٦۱ تا ۳۷۰/۲)

سجدۂ سہو بعد التسلیم ہے

دوسرا مسئلہ اس سے ثابت ہوتا ہے بعد التسلیم والا

امام شافعیؒ کی عقلی دلیل

امام شافعیؒ "قبل التسلیم" کے قائل ہیں جن کا مستدل اور مبنی یہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی

شئ میں کچھ نقص آ جائے تو اس کا تدارک اس کے اندر ہی تو ہوگا یہ کیا کہ پھٹا کرتا اور سینے لگیں پائجامہ، پائجامہ سینے سے کرتے کے پھٹنے کا تدارک نہ ہوگا وہ تو اسی وقت درست ہوگا جب اسی کو سیا جائے گا۔

اس لئے جب نماز میں نقصان آیا تو اس کی تلافی نماز کے اندر ہی ہوگی اس لئے سجدۂ سہو قبل السلام ہونا چاہئے۔

حنفیہ کی طرف سے جواب

حنفیہ جواب دیتے ہیں کہ اگر ایسا ہی ہے تو جس وقت سہو ہوا ہے اسی وقت سجدۂ سہو کرنا چاہئے اگر رکعت اولی میں سہو ہوا ہے تو اسی رکعت میں سجدہ سہو کرنا چاہئے، اگر دوسری رکعت میں سہو ہوا ہے تو اسی رکعت میں سجدہ کرنا چاہئے، یہ کیا؟ کہ سہو ہوا پہلی رکعت میں اور سجدہ کر رہے ہیں چوتھی رکعت کے اخیر میں، یہ کیا تدارک ومکافات ہوئی، جس طرح پھٹے ہوئے کرتے کا تدارک پائجامہ سینے سے نہیں ہوتا اسی طرح اس سے بھی تو تدارک نہیں ہوتا کہ کرتا پھٹا ایک جانب سے اور سی دیا دوسری جانب سے اس سے کیا مکافات ہوگئی؟

اگر بھوک کی وجہ سے آپ کے گھٹنوں میں کمزوری آگئی چلا نہیں جاتا تو گھٹنوں پر ہی روٹیاں باندھ لیا کرو منھ سے کیوں کھاتے ہو، آپ جو کھانا کھاتے ہیں اس کی غذائیت اور قوت جسم کے ہر ہر حصہ کو پہونچتی ہے، تو آپ ناک کے حصہ کا کھانا ناک میں اور کان کے حصہ کا کان میں کیوں نہیں رکھ لیتے؟

تو معلوم ہوا کہ بہت سی چیزیں دور رہ کر بھی اثر انداز ہوتی ہیں مثلاً آپ کے درد ہوتا ہے پیٹ میں مگر انجکشن لگواتے ہو سرین پر، درد ہوا گھٹنوں میں انجکشن لگایا بازوں میں آخر ایسا کیوں؟ اسی طرح سجدہ بھی **بعد التسلیم** ہے اور وہ مکافات کرتا ہے۔ اور چونکہ یہ سجدہ سہو

اس جبر نقصان کی بھی حیثیت رکھتا ہے اسی وجہ سے اس کو ایک سلام کے بعد رکھا دونوں کے بعد نہیں اگر دونوں کے بعد رکھتے تو پھر اس نقصان کو دفع نہ کرتا، اور چونکہ ''**غیــــو**'' صرف جوڑ کے واسطے آیا ہے اس وجہ سے سجدہ کو سلام کے بعد رکھا پہلے نہیں تا کہ اصل اور جابر میں فرق ہو جائے اگر پہلے رکھتے تو تمیز نہ ہوتی، اور اگر کوئی اور سہو پیش آ جائے اس کی بھی تلافی سجدۂ سہو سے ہو سکے اس لئے بھی اس کو بعد السلام رکھا۔

سجدۂ سہو میں التحیات

امام شافعیؒ کے یہاں تو صرف دو سجدے ہیں التحیات و درود سے فارغ ہو کر سجدہ کرو اور سلام پھیر کر صاف ہو جاؤ، مگر امام صاحبؒ کے یہاں سجدہ کی صرف اتنی سی حقیقت نہیں بلکہ التحیات، سلام، سجدہ تینوں اجزاء ہیں، جس کا طریقہ یہ ہوگا کہ بعد التحیات ایک جانب کو سلام پھیر دے اور سلام پھیر کر دو سجدے کرے اور اس کے بعد پھر التحیات پڑھے اور درود و دعاء پڑھ کر پھر سلام پھیرے، یہ صورت جامع الروایتین بھی ہے قبل التسلیم اور بعد التسلیم کی جو دو روایتیں ہیں ان دونوں کو جامع ہے اور سجدہ درمیان میں ہوتا ہے ادھر بھی سلام ادھر بھی سلام اور سجدہ قبل التسلیم بھی ہو گیا اور بعد التسلیم بھی۔ دونوں حدیثوں کو جمع کرنے کی اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔

سجدۂ سہو بعد التسلیم کی حدیث قولی سے تائید

حنفیہ پھر فرماتے ہیں کہ چلو دونوں قسم کی روایتوں کو چھوڑ دو قبل التسلیم والی بھی اور بعد التسلیم والی بھی، اس کے بعد دیکھو کہ کوئی قولی حدیث مل جائے جس پر عمل کیا جا سکے چونکہ یہ دونوں قسم کی حدیثیں فعلی ہیں، ذوالیدینؓ کی روایت بھی اور عبد اللہ بن بحینہؓ کی

روایت بھی جو اس فصل کی آخری روایت ہے)۔

غور کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی حدیث بھی مل گئی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سجدہ بعد التسلیم ہے جیسے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی متفق علیہ، روایت خود اس سے پہلے گذر چکی ہے، اور ابوداؤد شریف میں عبداللہ بن جعفرؓ کی ایک روایت ہے "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من شک فی صلاتہ فلیسجد سجدتین بعد مایسلم"

اس طرح امام اعظمؒ کا مسلک ثابت ہو جاتا ہے اور اس سے بھی سجدہ بعد التسلیم کا پتہ چلتا ہے، اور اسی حدیث کو ترمذی بیان فرماتے ہیں اور امام ابوداؤد بھی، اور لفظ " ثم سلم" بیان فرما کر خاموشی سے گذر جاتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک بھی صحیح ہے اگر ان کے نزدیک صحیح نہ ہوتی تو ضرور کچھ نہ کچھ کلام فرماتے، مگر وہ بالکل ہی چپ سادھ کر چلے جاتے ہیں۔

سجدہ سہو قبل التسلیم

﴿۹۵۲﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُحَيْنَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِهِمُ الظُّهْرَ فَقَامَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ لَمْ يَجْلِسْ فَقَامَ النَّاسُ مَعَهُ حَتّٰى اِذَا قَضَى الصَّلَاةَ وَانْتَظَرَ النَّاسُ تَسْلِيْمَهُ كَبَّرَ وَهُوَ جَالِسٌ فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ يُّسَلِّمَ ثُمَّ سَلَّمَ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۱۴، ۱۱۵/۱، من لم یری التشھد الاول واجباً، کتاب الاذان، حدیث نمبر:۸۲۹، کتاب السھو، حدیث نمبر:۸۲۹،و۱۲۲۴۔

مسلم شریف: ۱/۲۱۱، باب السهو فی الصلاة والسجود له، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ۵۷۰۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو ظہر کی نماز پڑھائی، تو پہلی دو رکعتوں کے بعد کھڑے ہوگئے۔ اور قعدہ میں بیٹھے نہیں، لوگ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑے ہوگئے۔ یہاں تک کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پوری کر چکے، اور لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام پھیرنے کے انتظار میں تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھے ہی بیٹھے تکبیر کہی اور سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کئے، اس کے بعد سلام پھیرا۔

تشریح: اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر ایک نماز میں ایک سے زائد واجبات چھوٹ جائیں تو سجدۂ سہو متعدد نہ ہونگے حدیث باب میں دو واجبات چھوٹے ہیں۔ (۱) قعدۂ اولیٰ۔ (۲) تشہد کا پڑھنا۔ دو واجبات چھوٹنے کے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی سجدہ پر اکتفا فرمایا معلوم ہوا کہ متعدد واجبات چھوٹنے پر بھی ایک ہی سجدہ کافی ہوگا، حدیث الباب شافعیہ کی مستدل ہے۔ پوری تفصیل اوپر گذر چکی۔

﴿الفصل الثانی﴾

سجدۂ سہو کے بعد تشہد پڑھنا

﴿۹۵۳﴾ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ

رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِهِمْ فَسَهَا فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ تَشَهَّدَ ثُمَّ سَلَّمَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)

حواله: ترمذی شریف: ۹۰/ ۱، باب ما جاء فی التشهد فی سجدتی السهو، کتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۳۹۵۔

ترجمه: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سہو ہو گیا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سجدے کئے پھر التحیات پڑھی پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا، ترمذی نے اس روایت کو نقل کر کے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر نماز میں کوئی ایسی بات پیش آجائے جس کی تلافی سجدۂ سہو سے ممکن ہو تو تشہد پڑھنے کے بعد سجدۂ سہو کرے پھر تشہد پڑھنے کے بعد سلام پھیرے، جمہور کے نزدیک سجدۂ سہو کے بعد بھی تشہد پڑھنا چاہئے چنانچہ یہ حدیث جمہور کی دلیل ہے، بعض لوگ مثلاً ابن سیرین وغیرہ اس بات کے قائل ہیں کہ سجدہ کے بعد تشہد نہیں پڑھا جائے گا۔

قعدۂ اولیٰ میں بھول کر کھڑا ہونا

﴿۹۵۴﴾ وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ الْإِمَامُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ فَإِنْ ذَكَرَ قَبْلَ أَنْ يَسْتَوِيَ قَائِمًا فَلْيَجْلِسْ وَإِنِ اسْتَوَى قَائِمًا فَلَا يَجْلِسْ وَلْيَسْجُدْ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ۔ رواہ ابوداؤد وابن ماجه)

حواله: ابو داؤد شریف: ۱۴۸/ ۱، باب من نسی ان یتشهد وهو

جالس، کتاب الصلوٰۃ، حدیث نمبر:۱۰۳۶۔ابن ماجه: ۸۴/، باب ماجاء فی من قام من اثنتین ساهیاً، ابواب السهو فی الصلاۃ، حدیث نمبر:۱۲۸۔

ترجمہ: حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جب امام دو رکعت پڑھ کر کھڑا ہونے لگے، تو اگر پورے طور پر کھڑے ہونے سے پہلے یاد آ جائے، تو اس کو چاہئے کہ بیٹھ جائے اور اگر پورے طور پر کھڑا ہو گیا تو اب نہ بیٹھے اور اس کو چاہئے کہ دو عدد سجدۂ سہو کرے۔

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قعدۂ اولیٰ کرنا بھول گیا اور تیسری رکعت کے ارادہ سے کھڑا ہونے لگے تو اب اگر پورے طور پر کھڑا نہیں ہوا ہے تو واپس لوٹ آئے اور اگر کھڑا ہو گیا ہے تو وہ نہ لوٹے کیونکہ قیام فرض ہے اور قعدۂ اولیٰ واجب ہے اور فرض سے واجب کی طرف لوٹنا صحیح نہیں ہے اور واجب چھوٹ جانے کی وجہ سے سجدۂ سہو کرے۔

﴿الفصل الثالث﴾

تین رکعت پر سلام پھیرنا

﴿۹۵۵﴾ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْعَصْرَ وَسَلَّمَ فِيْ ثَلَاثِ رَكَعَاتٍ ثُمَّ دَخَلَ مَنْزِلَهُ فَقَامَ اِلَيْهِ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ الْخِرْبَاقُ وَكَانَ فِيْ يَدَيْهِ طُوْلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَذَكَرَ لَهُ صَنِيْعَهُ فَخَرَجَ غَضْبَانَ يَجُرُّ

رِدَاءَهُ حَتّٰى اِنْتَهٰى اِلَى النَّاسِ فَقَالَ اَصَدَقَ هٰذَا قَالُوْا نَعَمْ فَصَلّٰى رَكْعَةً ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲۱۴/۱، باب السهو فی الصلاۃ والسجود له، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ۵۷۴۔

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی اور تین رکعت پر سلام پھیر دیا، پھر اپنے حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے گئے، ایک شخص جن کو ''خرباق'' کہا جاتا تھا اور جن کے ہاتھ کچھ لمبے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر بولے اے اللہ کے رسول! اور پھر انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد دلایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غصہ سے چادر مبارک کھینچتے ہوئے باہر تشریف لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا یہ شخص سچ کہہ رہا ہے، صحابہؓ نے عرض کیا جی ہاں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت نماز پڑھائی، پھر سلام پھیرا، پھر دو سجدے کئے، پھر سلام پھیرا۔

تشریح: اس حدیث میں دو باتیں خاص طور پر مذکور ہیں:

(۱)...... حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چار رکعت کے بجائے تین رکعت پڑھائیں پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے گئے، ظاہری بات ہے چلنا قبلہ کی طرف سے چہرے اور سینہ کا پھرنا یہ سب عمل نماز کے منافی تھے۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے تکلم فرمایا اس کے بعد اسی نماز پر بناء کرتے ہوئے مزید ایک رکعت پڑھا کر سجدہ فرمایا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ جس طرح کلام فی الصلوۃ کی پہلے اجازت تھی اسی طرح پہلے نماز کے دوران مذکورہ اعمال کی اجازت تھی یہ سب کچھ بعد میں منسوخ ہو گیا۔

ثم سلم ثم سجد الخ: طیبیؒ نے کہا حنفیہ کا یہی مسلک ہے یعنی یہ حدیث حنفیہ کے مسلک کی دلیل ہے جن کے یہاں سجدۂ سہو سلام کے بعد ہے خواہ نماز میں کسی زیادتی کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہوا ہو یا کسی کمی کی وجہ سے، اور پھر سجدۂ سہو کے بعد تشہد اور درود شریف اور دعاء ماثورہ پڑھ کر نماز سے نکلنے کا سلام پھیرا جاتا ہے۔

شک دور کرنے کا حکم

﴿۹۵۶﴾ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ صَلّٰى صَلَاةً يَشُكُّ فِي النُّقْصَانِ فَلْيُصَلِّ حَتّٰى يَشُكَّ فِي الزِّيَادَةِ۔
(رواه أحمد)

حواله: مسند أحمد: ۱/۱۹۵.

ترجمه: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص کو نماز میں کمی کا شک ہو جائے تو وہ اتنی نماز پڑھے کہ زیادتی کے اندر شک ہو جائے۔

تشریح: جس کسی کو عدد رکعت کے تعین میں شک ہو جائے کہ تین پڑھی یا چار اور ظن غالب کسی ایک جانب حاصل نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ بناءً علی الاقل کرتے ہوئے یعنی تین رکعت کو یقینی ٹھہراتے ہوئے ایک رکعت اور پڑھے یہاں تک کہ اس کو شک ہو جائے کہ چار پڑھی یا پانچ رکعت، مطلب یہ ہے کہ عبادت وطاعت میں کمی کا احتمال رہے اس سے بہتر ہے کہ زیادتی کا احتمال ہو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب سجود القرآن

رقم الحدیث:۔۔۔۔۔۔ ۹۵۷ تا ۹۷۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب سجود القرآن

قرآن کے سجدوں کا بیان

قرآن پاک میں کچھ مقامات ہیں جنہیں جب کوئی پڑھے یا پڑھتے سنے اور سننا اگر چہ قصداً نہ ہو تو اس کو ایک سجدہ کرنا چاہئے اس سجدہ کو سجدۂ تلاوت یا سجدۂ قراءت کہتے ہیں۔

سجدۂ تلاوت کا وجوب اور اختلاف ائمہ

سجدۂ تلاوت کے وجوب اور عدم وجوب کے بارے میں اختلاف ہے۔

امام احمدؒ امام اعظم کا مذہب: امام اعظم ابوحنیفہؒ، صاحبین کا مذہب اور امام احمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت 'تالی' اور 'سامع' دونوں پر واجب ہے خواہ قرآن کے سننے کا ارادہ ہو یا نہ ہو۔

دلائل: حنفیہ کا مستدل "**السجدة علی من سمعها و السجدة علی من تلاها**" ہے اس میں علیٰ ایجاب کے لئے ہے اور حدیث شریف قصد کے ساتھ مقید نہیں نیز ابن ابی شیبہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "**السجدة علیٰ من سمعها**" ایسے ہی بخاری شریف میں "**انما السجود علی من استمع**" ہے۔

نیز حنفیہ کا استدلال آیات قرآنیہ سے ہے

چنانچہ علامہ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں کہ آیات سجدہ تین قسم کی ہیں، (۱) بعض وہ آیات ہیں جن میں صراحۃ صیغہ امر موجود ہے جیسے "فاسجد واللہ واعبدوا" اور جیسے "واسجدو اقترب"

(۲)......اور بعض وہ آیات ہیں جن میں کفار کے اعراض اور ناک بھوں چڑھانے کا ذکر ہے جیسے "وإذا قیل لھم اسجدو للرحمن قالوا وما الرحمن انسجدلما تأمرنا وزادھم نفوراً"۔

(۳)......اور بعض وہ آیات ہیں جن میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے فعل سجود کی حکایت کی گئی ہے جیسے "وظن انما فتناہ فاستغفر ربہ وخر راکعا واناب فغفرنا لہ ذلک وإن لہ عندنا لزلفی وحسن ماب"

بہر حال اگر صیغہ امر ہے تو امتثال واجب ہے اور اگر فعل انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے تو ان کی اقتداء واتباع واجب ہے اور اگر کفار کے اعراض کا ذکر ہے تو ان کی مخالفت بھی واجب ہے اس لئے سجدہ تلاوت کو بہر حال واجب کہا جائے گا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ امر مطلق وجوب کے لئے آتا ہے اور انبیاء کی اتباع آیت قرآنی سے واجب ہے "فبھداھم اقتدہ" اسی طرح کفار کی مخالفت بھی نص صریح سے واجب ہے "ولاتکونوا کالذین کفروا"

علامہ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں کہ ان آیات کی دلالت سجدہ کے وجوب پر چوں کہ قطعی نہیں ظنی ہے اس لئے حنفیہ وجوب کے قائل ہیں فرضیت کے قائل نہیں کیوں کہ فرضیت کے لئے قطعی الثبوت قطعی الدلالت نص کی ضرورت ہے۔

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے التعلیق الصبیح: ۲/۲۵، (۲) سورۃ الفرقان آیت: ۶۰، (۳) سورۃ ص: ۲۴،۲۵ (۴) دیکھئے فتح القدیر: ۱/۴۶۶، باب سجود التلاوۃ۔ (۵) حوالہ بالا کے لئے دیکھئے بذل المجہود: ۷/۱۹۷، باب تفریع ابواب السجود، ومعارف السنن: ۵/۵۷،

باب ماجاء فی سجود القرآن۔

نیز حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں ہے جس کی تخریج مسلم نے کی ہے "**إذا قرا ابن آدم السجدة اعتزل الشيطان يبكي يقول ياويلتیٰ أمر ابن آدم بالسجود فسجد فله الجنة وأمرت بالسجود فأبيت فلي النار" الحديث اخرجه الامام مسلم في صحيحه كتاب الإيمان: ۱/۶۱، باب اطلاق اسم الكفر على من ترك الصلاة**" کہ ابن آدم جب آیت سجدہ کی تلاوت کرتا ہے تو شیطان روتا ہوا جدا ہوتا ہے اور کہتا ہے ہائے ہلاکت و بربادی، ابن آدم کو سجدہ کا حکم دیا گیا اس نے سجدہ کیا تو اس کے لئے جنت ہے اور مجھے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو میں نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اس لئے میرے لئے جہنم ہے اس سے معلوم ہوا کہ ابن آدم مامور بالسجدہ ہے اور امر مطلق وجوب کے لئے آتا ہے اور اگر حکیم غیر حکیم کا کلام بیان کرے اور اس پر انکار نہ کرے تو یہ اس کے صحت کی دلیل ہے۔

ائمہ ثلاثہ وغیرہ کا مذہب: ائمہ ثلاثہ و اسحاق ابن راھویہ، اور امام اوزاعی اور داؤد ظاہری، کا مذہب یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت سنت ہے واجب نہیں۔

دلائل: ان کا مستدل حضرت عمرؓ کی حدیث ہے "**ان الله لم يكتب علينا السجود الا ان نشاء**" کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر سجدہ کو فرض نہیں فرمایا مگر جب ہم چاہیں اور یہ وجوب کے منافی ہے حضرت عمرؓ نے یہ صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں فرمایا تو اس پر کسی نے نکیر نہیں فرمائی اور اجماع سکوتی شافعیہ وغیرہ کے نزدیک حجت ہے نیز حضرت زید بن ثابتؓ کی حدیث بھی ان کی دلیل ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سورۂ نجم کی تلاوت کی گئی تو اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ نہیں کیا اس سے بھی معلوم ہوا کہ سجدۂ تلاوت واجب نہیں نیز اعرابی کی حدیث میں ہے "**هل علي غيرها قال لا الا ان تطوع**" اعرابی نے پوچھا کیا اس کے علاوہ کچھ اور بھی

میرے اوپر لازم ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نفی میں دیا اور فرمایا مگر یہ کہ تو نفلی عبادت کرے یہاں بھی مخصوص متعدد چیزوں کے علاوہ دوسرے احکام کو نفل قرار دیا گیا اس سے بھی معلوم ہوا کہ سجدۂ تلاوت واجب نہیں ان کے علاوہ کچھ عقلی دلائل بھی ان کا مستدل ہیں۔

عقلی دلائل

(۱)……اگر سجدۂ تلاوت واجب ہوتا تو رکوع سے اس کی ادائیگی جائز نہ ہوتی جیسا کہ سجدۂ صلبی کی ادائیگی رکوع سے نہیں ہوتی۔

(۲)……اگر سجدۂ تلاوت واجب ہوتا تو تداخل نہ ہوتا یعنی ایک آیت سجدہ کئی بار پڑھنے سے متعدد سجدے واجب ہوتے حالانکہ ایک ہی سجدہ کافی ہوجاتا ہے۔

(۳)……اگر یہ واجب ہوتا تو یہ اشارہ سے ادا نہ ہوتا حالانکہ جو سوار اپنی سواری سے اترنے پر قادر نہ ہو وہ اگر اشارہ سے سجدہ ادا کرے تو اس کی ادئیگی درست ہے۔

(۴)……سجدۂ تلاوت سواری پر جائز ہے تو یہ آمین کہنے کی طرح ہوگیا اور آمین کہنا واجب نہیں لہٰذا یہ بھی واجب نہیں۔

(۵)……اگر یہ واجب ہوتا تو اس کے ترک سے نماز باطل ہوجاتی جیسا کہ سجدۂ صلبی کے ترک سے نماز باطل ہوجاتی ہے۔

شوافع وغیرہ کے نقلی دلائل کا جواب: زید بن ثابتؓ کی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی الفور سجدہ نہیں کیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سورۂ نجم میں سجدہ ہی نہیں اور نہ اس سے وجوب کی نفی ہوتی ہے اور اعرابی کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ وہ حدیث فرائض کے بارے میں ہے اور سجدۂ تلاوت

کی فرضیت کے ہم بھی قائل نہیں بلکہ ہم تو اس کے وجوب کے قائل ہیں حضرت عمرؓ اور سلمانؓ کی روایت موقوف ہیں جو ان کے نزدیک حجت نہیں۔

حضرت علامہ کشمیریؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت عمرؓ کا مطلب یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت کی ادائیگی کے لئے ہمارے اوپر صرف اور صرف سجدہ واجب نہیں بلکہ سجدہ کے بجائے رکوع اور صرف انحناء وایماء بھی کافی ہے، چنانچہ منصف ابن ابی شیبہ میں حضرت عمرؓ کے شاگرد حضرت عبدالرحمٰن سلمی کا یہی عمل منقول ہے "إنـه كـان يـقـرأ السـجـدة وهو يمشي فيـومـي بـرأسـه إيماء" کہ وہ چلتے چلتے آیت سجدہ پڑھتے تھے اور سجدے کے لئے سر کے اشارے پر اکتفاء کرتے تھے۔

چنانچہ امام رازیؒ نے امام ابوحنیفہؒ کا یہی مسلک ذکر کیا ہے کہ سجدہ کے بجائے رکوع پر اکتفاء کرنا جائز ہے اور استدلال اس آیت کریمہ سے ہے "وخر راكعاً واناب" اور اس کی تخصیص بھی نماز کے ساتھ لازم نہیں۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا مطلب ''نفس وجوب'' سے انکار نہیں بلکہ "وجوب علی الفور" سے انکار ہے، چنانچہ پہلی دفعہ آیت سجدہ تلاوت کر کے فوراً سجدہ کیا اور دوسری دفعہ آیت کے بعد فوراً فرمایا "إنهـا لـم تـكـتـب علينـا الخ" مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ جماعت کے ساتھ سجدے کے وجوب سے انکار فرمارہے ہیں "أي لـم تـكـتـب عـلـيـنـا بـصـورة الجماعة". (معارف السنن: ۵/۷۵، والبسط في مصنف ابن ابي شيبة: ۲/۲، كتاب الصلاة، المعارف: ۵/۷٦)

عـقـلـی دلائل کے جوابات: (۱)...... سجدۂ تلاوت کی ادائیگی کسی دوسری شی کے ضمن میں اس کے فی نفسہا وجوب کے منافی نہیں جیسا کہ سـعـي الى الجمعة کی ادائیگی سعي الى التجارة کے ساتھ ہوتی ہے۔

(۲)……دلیل کا جواب یہ ہے تداخل اس لئے جائز ہے چونکہ مقصود اس سے خشوع وخضوع کا اظہار ہے اور وہ ایک ہی مرتبہ سے حاصل ہو جاتا ہے۔

(۳)……اور اس کی ادائیگی اشارہ سے اس لئے درست ہوئی چونکہ اس کا وجوب اسی حالت میں ہوا تھا یعنی اس کی تلاوت سواری پر شروع کی گئی تو اس کی ادائیگی بھی اشارۃً سواری پر ہوگئی تو گویا ایسا ہی ہوگیا جیسے نفل نماز سواری پر شروع کرے اور اشارہ سے رکوع سجدہ کرے۔

(۴)……اس کی تلاوت راحلہ پر شروع ہوئی اور سواری پر تلاوت کا شروع کرنا سجدہ کے واجب ہونے کے منافی نہیں۔ سجدہ تلاوت کو سجدۂ صلبی پر قیاس کرنا ہی صحیح نہیں اس لئے کہ سجدۂ صلبی تو نماز کا جز ہے جب کہ سجدۂ تلاوت نماز کا جز نہیں اس لئے اس کے ترک سے نماز بھی باطل نہیں ہوتی۔ (عمدۃ القاری: ۳۴۳/۴، التعلیق الصبیح: ۲/۲۵)

﴿الفصل الاول﴾

سورۂ نجم میں سجدہ کا بیان

﴿۹۵۷﴾ وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا قَالَ سَجَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّجْمِ وَسَجَدَ مَعَهُ الْمُسْلِمُوْنَ وَالْمُشْرِكُوْنَ وَالْجِنُّ وَالْإِنْسُ۔ (رواه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۴۶، باب سجود المسلمین مع المشرکین، کتاب سجود القرآن، حدیث نمبر: ۱۰۷۱۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ نجم میں سجدہ کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمانوں، مشرکوں، جنات، اور تمام لوگوں نے سجدہ کیا۔

تشریح: سجدۂ تلاوت کا مسئلہ مختلف فیہ ہے کم کے اعتبار سے بھی اور کیف کے اعتبار سے بھی۔

کمیت کے اعتبار سے اختلاف

امام مالکؒ کا مذہب: امام مالکؒ کے نزدیک کل گیارہ سجدے ہیں کیونکہ ان کے یہاں مفصل کے تینوں سجدے اور سورۂ حج کے دو سجدے نہیں۔

امام شافعیؒ و امام اعظم کا مذہب: امام شافعیؒ کے یہاں چودہ سجدے ہیں۔ امام اعظمؒ کے نزدیک بھی چودہ ہی ہیں۔ مگر امام اعظمؒ کے یہاں سورہ حج کا ایک سجدہ ہے اور ایک "سورۂ صٓ" کا، اس طرح ان کے نزدیک چودہ سجدے ہوتے ہیں۔

مگر امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ سورۂ حج میں دو سجدے ہیں اور "صٓ" میں نہیں، اس طرح ان کے یہاں بھی چودہ سجدے ہوتے ہیں۔

بعض حضرات کے نزدیک پندرہ سجدے ہیں وہ دوسرے تمام سجدوں کے ساتھ سورۂ حج کے دونوں سجدوں کو بھی مانتے ہیں۔

یہ امام مالکؒ کی ایک روایت ہے مگر ان کی مشہور روایت گیارہ کی ہے۔ (تحفۃ الاحوزی: ۳/۱۵۶)

کیفیت کے اعتبار سے اختلاف

اسی طرح باعتبار کیف سجدۂ تلاوت میں تین اختلاف ہیں: (۱) فرض۔ (۲) سنت۔ (۳) واجب۔ بعض کے نزدیک سجدۂ تلاوت فرض ہے۔ یہ امام احمدؒ کی ایک روایت ہے (التعلیق: ۲/۲۵)

امام شافعیؒ کے نزدیک سنت ہے۔ اور یہی امام احمدؒ و مالکؒ کا مسلک ہے۔ (التعلیق:۲/۲۵)

امام اعظم ابوحنیفہؒ راہ اعتدال اختیار کرتے ہیں کہ نہ فرض ہے نہ سنت بلکہ واجب ہے۔

سجد المسلمون و المشرکون: یہ واقعہ باالاتفاق مکہ میں پیش آیا اور امام طبرانیؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت میں ''بمکة'' کالفظ روایت کیا ہے جو اس واقعہ کے مکہ میں ہونے کی صریح دلیل ہے، نیز یہ روایت ابن عباسؓ کے مراسیل میں سے ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ابن عباسؓ کی عمر مبارک صرف بارہ یا تیرہ سال تھی لہٰذا انہوں نے اس قصہ کو کسی دوسرے صحابی سے سن کر روایت کیا ہے۔ معارف السنن: ۵/۶۸)

مشرکین کا سجدہ کرنا

سوال: مسلمان کا سجدہ کرنا تو صحیح معلوم ہوتا ہے، مگر مشرکین کے سجدہ کا کیا مطلب ہے انہوں نے سجدہ کیا اور کس طرح سجدہ کیا یہ سمجھ میں نہیں آتا؟۔

جواب: یا تو مشرکین منجانب اللہ سجدہ کرنے پر مجبور ہوئے ان کو زبردستی سجدہ کرنا پڑا۔ یا انہوں نے خود ہی اس وجہ سے سجدہ کیا کہ ہم ان کی مجلس میں ان کے کچھ طریقہ پر عمل کریں تاکہ جب یہ ہمارے پاس آئیں تو یہ بھی ہمارے معبودوں کی برائی نہ کیا کریں، کچھ ہم ان کا دین مان لیں کچھ یہ ہمارا دین مان لیں اس خیال و مصلحت سے انھو نے سجدہ کیا۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "**افرأیتم اللآت و العزی و منات الثالثة الأخری**" وغیرہ آیات پڑھیں تو شیطان نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کی نقل اتارتے ہوئے اس انداز سے

یہ پڑھا "تلک الغرانیق العلیٰ" وان شفاعتھن لترتجی" (وہ بلند پرواز پرند ہیں اوران کی شفاعت کی امید ہے) کہ لوگوں نے سمجھا کہ حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے اس کی تلاوت بھی فرمائی ہے لہٰذا مشرکین اپنے معبود کی تعریف اوران سے شفاعت کی امید کا مژدہ سن کرخوش ہو گئے اوروہ بھی مسلمانوں کے ساتھ سجدہ میں چلے گئے اوراس کی تائید "وما ارسلنا من قبلک من رسول و لانبی الا اذا تمنی "أی قرأ" القی الشیطان فی امنیته فینسخ اللہ مایلقی الشیطان ثم یحکم اللہ آیته" اوراس روایت میں "الجن وَالْاِنْسُ" فرما کر "الجن" کومقدم کیا "الانس" پر کیونکہ ان کے سجدہ میں ایک قسم کی غرابت ہے۔(مرقات:۲/۵۱)

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ چوں کہ اس سورت کی ابتداء میں حق تعالیٰ نے حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان فرمائے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نفسانی خواہش سے باتیں نہیں بناتے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نری وحی ہے جوان پر بھیجی جاتی ہے اورپھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غایت قرب کوذکرکیا گیا ہے "ثم دنیٰ فتدلی فکان قاب قوسین او ادنیٰ" اوراس کے بعد فرمایا کہ حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کے بڑے بڑے عجائبات دیکھے تو ان نعم جلیلہ پر شکرادا کرنے کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا ساتھ ساتھ مسلمان بھی سجدہ میں گر گئے اورمشرکین نے جب اپنے آلہتہ اوراصنام لات عزیٰ اورمناۃ کا نام سناتووہ بھی سجدہ میں چلے گئے۔

شیخ المشائخ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں میرے نزدیک حدیث کی تاویل یہ ہے اللہ بزرگ وبرتر کی طرف سے حق اس وقت ایسا غالب ہوگیا تھا کہ سوائے فرمانبرداری اور خضوع کے کسی کیلئے کوئی چارہ کارنہیں تھا اسلئے سب کے سب سجدہ میں گئے گویا کہ تکوینی طور پر سب سے سجدہ کرایا گیا اور بعد میں جب اپنی طبیعت کی طرف واپس آئے تو بعض نے

اسلام اور بعض نے کفر اختیار کیا اور جس بوڑھے نے سنگدلی اور قلبی مہر کی قوت کی وجہ سے سجدہ نہیں کیا صرف پیشانی تک مٹی اٹھائی اسکا عذاب بھی مقدر رہا کہ بدر میں کفر پر مرا۔

اور حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ابتداء اسلام کا واقعہ ہے جس وقت سب کے سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سجدہ کرتے تھے یہاں تک کہ زیادہ بھیڑ کی وجہ سے کبھی سجدہ کرنا مشکل ہو جاتا تھا، لیکن بعد میں رؤساء قریش، ولید بن مغیرۃ، ابو جہل وغیرہ نے لوگوں کو اپنے آباء کا دین چھوڑنے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے منع کیا۔(**حاشیة بذل المجهود: ۲/۲۰۷، باب من رأی فیها سجوداً**)

مشرکین کے سجدہ کرنے کے بارے میں جو قصہ نقل کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یا آواز میں آواز ملا کر پڑھ دیا۔

تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتهن لترتجیٰ

جس کو سن کر مشرکین خوش ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سجدہ میں گر گئے۔

حضرات متقدمین نے سرے سے اس قصہ ہی کو بے اصل قرار دیا ہے، حضرت محمد بن اسحاق بن خزیمہ سے اس قصہ کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا" **انها من وضع الزنادقة**" اور اس کے متعلق مستقل کتاب تصنیف کی، اسی طرح امام بیہقیؒ فرماتے ہیں "**هذه القصة غیر ثابتة من جهة النقل**" اور اس کے رواۃ کو مطعون اور نا قابل استدلال بتایا ہے۔(دیکھئے الطیبی: ۶/۳)

خلاصہ یہ کہ یہ قصہ اگر چہ مختلف طرق سے مروی ہے لیکن ضعف سند اور انقطاع اور اضطراب روایات کی وجہ سے غیر معتبر بلکہ مردود ہے، چنانچہ ابو بکر بن العربی فرماتے ہیں "**روایات کثیرة باطلة لا أصل لها**" اور شیخ ابو منصور ماتریدیؒ فرماتے ہیں "**حضرة الرسالة بریئة من مثل هذه الروایة**". (پوری تفصیل کے لئے بذل

المجہود: ۲۰۸، ۲۰۹/ ۷، باب من رأی فیھا سجوداً)

عقلی اعتبار سے بھی القاء شیطانی کا قائل ہونا باطل ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کس کو الٰہ کہنا اور اسکی مدح کرنا کفر ہے جس کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور نہ ہی شیطان کے تسلط سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کی طرف صحیح ہے۔ (نفحات التنقیح: ۲/۳۷۴)

سورۂ انشقاق میں سجدہ

﴿۹۵۸﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ سَجَدْنَا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِی اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ وَاِقْرَأْ بِاِسْمِ رَبِّكَ۔ (رواہ مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲۱۵/ ۱، باب سجود التلاوۃ، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ۵۷۸۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ "اذا السماء انشقت" اور "اقرا باسم ربک" میں سجدہ کیا۔

تشریح: یہ حدیث امام مالکؒ کے خلاف حجت ہے چونکہ "سورۂ انشقاق اقرأ باسم" داخل مفصل ہیں اور وہ مفصل کے سجدوں کا انکار کرتے ہیں اور اسی طرح سے سورۂ نجم کے سجدہ، مذکورہ روایت بھی ان کے خلاف حجت ہے۔ (مرقاۃ: ۲/۵۱)

سجدۂ تلاوت کا وجوب

﴿۹۵۹﴾ وَعَنْ اِبْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ كَانَ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ السَّجْدَةَ وَنَحْنُ عِنْدَهُ فَيَسْجُدُ وَنَسْجُدُ مَعَهُ فَنَزْدَحِمُ حَتّٰى مَايَجِدُ اَحَدُنَا لِجَبْهَتِهٖ مَوْضِعاً يَسْجُدُ عَلَيْهِ۔ (متفق عليه)

حواله: بخاری شریف: ۱۴۶/ ۱، باب ازدحام الناس اذا قرأ الإمام السجدة، کتاب سجود القرآن، حدیث نمبر: ۱۰۷۶۔ مسلم شریف: ۲۱۵/ ۱، باب سجود التلاوة، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ۵۷۵۔

ترجمه: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آیت سجدہ کی تلاوت کرتے اور ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے اور ہم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سجدہ کرتے، اس وقت اتنی بھیڑ ہوتی کہ ہم میں کوئی اپنی پیشانی رکھنے کی جگہ نہ پاتا کہ اس پر سجدہ کرے۔

تشریح: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مجلس میں کسی آیت سجدہ کی تلاوت کے بعد سجدہ کرتے تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی سجدہ ریز ہوجاتے اور سجدہ کرنے والوں کی اتنی بھیڑ ہوتی کہ جگہ تنگ پڑ جاتی اور سب لوگ زمین پر سجدہ نہ کرپاتے، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سجدہ کرنے کی بڑی خواہش ہوتی تھی اسی وجہ سے اتنا ازدحام ہوجاتا تھا کہ جگہ سجدہ کے لئے تنگ پڑ جاتی تھی۔

پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدۂ تلاوت واجب ہے اور جس طرح قاری پر واجب ہے اسی طرح سامع پر بھی واجب ہے اگر واجب نہ ہوتا تو صحابہ کرامؓ کاہے کو اتنا اہتمام اور ازدحام کرتے۔

سورۂ نجم میں سجدہ نہ کرنا

﴿۹۶۰﴾ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ

قَرَأْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّجْمِ فَلَمْ یَسْجُدْ فِیْهَا۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف:۱/۱۴۶، باب من قرأ السجدة ولم یسجد، کتاب سجود القرآن، حدیث نمبر:۱۰۷۲۔ مسلم شریف:۱/۲۱۵، باب سجود التلاوة، کتاب المساجد، حدیث نمبر:۵۷۷۔

ترجمه: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سورۂ "نجم" پڑھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سجدہ نہیں کیا۔

تشریح: حضرت امام مالکؒ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ سورۂ نجم میں سجدہ نہیں تب ہی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ نہیں فرمایا احناف اس کا جواب دیتے ہیں کہ حدیث الباب سے یہ معلوم ہوا کہ اس وقت سجدہ نہیں فرمایا یہ تو نہیں کہ بعد میں بھی نہیں فرمایا پس اس سے پتہ چلتا ہے کہ سجدہ فی الفور ضروری نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس وقت وضو نہ ہو یا کوئی اور ضرورت ہو، یا اس لئے اس وقت سجدہ نہیں فرمایا تا کہ معلوم ہو جائے ہ سجدہ فی الفور ضروری نہیں بلکہ اس میں تاخیر کی بھی گنجائش ہے پس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ "لم یسجد ای فی الفور. لہٰذا حدیث پاک سے سجدہ کے عدم وجوب پر استدلال کرنا درست نہیں۔

امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ چوں کہ حضرت زید امام تھے انہوں نے سجدہ نہیں کیا تو ان کی اتباع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سجدہ نہیں کیا، مطلب یہ ہے کہ زید تالی تھے اور انہوں نے سجدہ نہیں کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سجدہ نہیں کیا۔

سورۂ ص میں سجدہ

﴿۹۶۱﴾ وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ

سَجْدَةُ صٓ لَيْسَ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُوْدِ وَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْجُدُ فِيْهَا وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ مُجَاهِدٌ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ أَأَسْجُدُ فِي صٓ فَقَرَأَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوٗدَ وَسُلَيْمَانَ حَتّٰى أَتٰى فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ فَقَالَ نَبِيُّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّنْ أُمِرَ أَنْ يَقْتَدِيَ بِهِمْ۔

(رواه البخاری)

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۱۴۶، باب سجدة ص، کتاب سجود القرآن، حدیث نمبر:۱۰۶۹۔ وذکر عبدنا داؤد، کتاب احادیث الانبیاء، حدیث نمبر: ۳۴۲۱.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سورۂ "صٓ" کا سجدہ تاکیدی سجدوں میں سے نہیں ہے، اور میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ مجاہد نے کہا میں نے حضرت ابن عباسؓ سے سوال کیا کہ کیا میں سورۂ "ص" میں سجدہ کروں؟ تو انہوں نے "ومن ذریته داؤد وسلیمان" سے پڑھنا شروع کیا اور جب "فبهداهم اقتده" پر پہنچے تو فرمایا۔ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے ہیں جن کو ان کی پیروی کا حکم ہوا ہے۔

تشریح: من عزائم السجود ای واجبات السجود: یہ خود ان کا قول ہے اور ایک مجتہد کا قول دوسرے مجتہد پر حجت نہیں ہوا کرتا یہاں انھوں نے اپنا عندیہ بیان کیا ہے۔

نیز عزائم کا لفظ عموماً فرائض کے معنی کے لئے استعمال ہوا کرتا ہے لہٰذا اس کا مطلب یہ ہے کہ "ص" کا سجدہ فرض نہیں ہے، بلکہ واجب ہے اور عند الشافعیؒ اس کا مطلب یہ ہے کہ "ص" کا سجدہ سجدۂ تلاوت میں سے نہیں ہے بلکہ سجدۂ شکر ہے۔ (مرقاة: ۲/۵۱)

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اپنے اجتہاد سے فرمارہے ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل زیادہ لائق اتباع ہے اور خود ابن عباسؓ نے تصریح کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا۔

فبھداھم اقتدہ: حضرت داؤد علیہ السلام یہاں سجدہ کیا کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہاں سجدہ کرنے کا حکم ہے۔

لہٰذا جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنے کا حکم ہے تو تم بدرجہ اولی اسکے مخاطب ہو کہ اس میں سجدہ کرو، حضرت ابن عباسؓ کا یہ جواب "علی اسلوب الحکیم" ہے۔ (طیبی: ۳/۷)

مطلب یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اقتداء کا حکم ہے جس سے سجدہ کا وجوب ظاہر ہے تو امت کے حق میں سجدہ کا وجوب بطریق اولی ہوگا۔

﴿الفصل الثانی﴾

قرآن میں سجدوں کی تعداد

﴿۹۶۲﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ اَقْرَأَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّم خَمْسَ عَشْرَةَ سَجْدَةً فِي الْقُرْآنِ مِنْهَا ثَلَاثٌ فِي الْمُفَصَّلِ وَفِي سُوْرَةِ الْحَجِّ سَجْدَتَيْنِ۔

(رواہ ابو داؤد وابن ماجه)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۱۹۹/۱، باب تفریع ابواب السجود، کتاب سجود القرآن، حدیث نمبر: ۱۴۰۱۔ ابن ماجہ: ۷۳، باب عدد سجود القرآن، کتاب اقامة الصلاة، حدیث نمبر: ۱۰۵۷۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو قرآن کریم میں پندرہ سجدے پڑھائے ہیں، ان میں سے تین مفصل کی سورتوں میں ہیں۔ اور دو سجدے سورۂ حج میں ہیں۔

تشریح: یہ حدیث امام مالکؒ پر حجت ہے۔

بالفاظ دیگر یہ روایت ائمہ ثلاثہ امام مالکؒ، شافعیؒ اور ابو حنیفہؒ کے خلاف ہے کیونکہ ان میں سے کسی کے نزدیک پندرہ سجدۂ تلاوت نہیں ہیں، امام مالکؒ کے نزدیک مفصلات کے سجدے اور امام شافعیؒ کے نزدیک ''ص'' کا سجدہ اور امام اعظمؒ کے نزدیک سورۂ حج کا دوسرا سجدہ، سجود تلاوت میں سے نہیں ہے، البتہ امام احمد بن حنبلؒ کے موافق ہے۔ (التعلیق: ۲/۲۷، مرقاۃ: ۲/۵۳)

وفی الحج سجدتین: یہ ظاہراً امام شافعیؒ کے موافق ہے۔ گو امام اعظمؒ کے خلاف نہیں۔

امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ ہاں سورۂ حج میں دو سجدے ہیں ہم بھی اس کے منکر نہیں ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ دو سجدے ہیں مگر ایک صلاتیہ فرضیہ اور ایک تلاوت واجبہ۔

یہی رائے امام مالکؒ حسن بصریؒ، سعید بن مسیبؒ اور سفیان ثوریؒ کی ہے کہ سورۂ حج کا دوسرا سجدہ، سجدۂ تلاوت نہیں بلکہ سجدۂ صلاتیہ ہے اس لئے کہ اس کے ساتھ ساتھ آیت میں رکوع کا بھی تذکرہ ہے اور قرآن پاک میں جب سجدہ اور رکوع کو حصلاً ذکر کرتے ہیں تو وہاں ارکان نماز کا بیان ہوتا ہے جیسے ''**یامریم اقنتی لربک واسجدی وارکعی مع الرّاکعین**'' اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ حج کا پہلا سجدہ عزیمت ہے اور دوسرا تعلیمی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پہلا تو سجدۂ تلاوت ہے اور دوسرا سجدہ نماز کے متعلق تعلیمی ہے کہ نماز میں رکوع اور سجود ہوتے ہیں جو اس کے ارکان ہیں۔ (التعلیق: ۲/۲۷)

سورۂ حج میں دوسجدے

﴿۹۶۳﴾ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فُضِّلَتْ سُوْرَةُ الْحَجِّ بِاَنَّ فِيْهَا سَجْدَتَيْنِ قَالَ نَعَمْ وَمَنْ لَمْ يَسْجُدْهُمَا فَلَا يَقْرَأْهُمَا۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ۔ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَيْسَ اِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ وَفِي الْمَصَابِيْحِ فَلَا يَقْرَأْهَا كَمَا فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

حواله: ابو داؤد شریف: ۱۹۹/۱، باب تفريع ابواب السجود، كتاب سجود القرآن، حدیث نمبر:۱۴۰۲۔ ترمذی شریف: ۱۲۸/۱، باب ماجاء فی السجدة فی الحج، كتاب الجمعة، حدیث نمبر:۵۷۸۔ بغوی فی شرح السنة، باب السجدة فی الحج، كتاب الصلاة، حدیث نمبر:۷۶۵۔

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! سورۂ حج کو اس وجہ سے فضیلت دی گئی ہے کہ اس میں دوسجدے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! اور جو شخص ان دونوں سجدوں کو نہ کرے وہ ان کو نہ پڑھے، (ابوداؤد، ترمذی) ترمذی نے کہا کہ اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے، اور مصابیح میں "فلايقرأها" ہے جیسے کہ شرح السنہ میں ہے۔

تشریح: یہ حدیث امام ابوحنیفہؒ کے خلاف ہے، گو اس کا جواب فرماتے ہیں کہ "فلايقرأهما" کہ اس کو بالکل اور ہرگز نہ پڑھیں کیونکہ جب دونوں سجدوں کو نہیں کیا گیا

ایک صلاتیہ ہے تو نماز ہی کہاں ہوئی فرض کو چھوڑتا ہے یہی چاہئے کہ وہ پڑھے ہی نہیں۔

لیکن خود مصنف اس بات کی صراحت کر رہے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے لہٰذا احناف کے خلاف کس طرح حجت ہوگی۔

جب کہ طحاوی اور مؤطا امام محمد کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی سورہ حج میں صرف ایک سجدہ کے قائل تھے، **کان ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما لایریٰ فی سورۃ الحج الا سجدۃ واحدۃ۔**

البتہ محققین حنفیہ نے سورۂ حج کے دوسرے مقام پر بھی احتیاطاً سجدہ کرنے کو بہتر قرار دیا ہے صاحب فتح الملہم کا رجحان بھی اسی طرف ہے اور حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ آدمی اگر نماز سے باہر ہو تو اسے دوسرے مقام پر سجدہ کر لینا چاہئے اور اگر نماز میں ہو تو اس آیت پر رکوع کر لینا چاہئے اور رکوع میں سجدہ کی نیت کر لینی چاہئے تاکہ اس کا عمل تمام ائمہ کے موافق ہو کر بالاتفاق سجدہ ادا ہو جائے۔ (درس ترمذی: ۲/۳۶۳)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدۂ تلاوت کرنے کا ذکر

﴿۹۶۴﴾ وَعَنْ اِبْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَجَدَ فِي صَلَاةِ الظُّهْرِ ثُمَّ قَامَ فَرَكَعَ فَرَأَوْا اَنَّهُ قَرَأَ تَنْزِيْلَ السَّجْدَةِ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۱۱۷، باب قدر القرأۃ فی صلاۃ الظہر والعصر، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۸۰۷۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز میں سجدۂ تلاوت کیا، اور اس کے بعد کھڑے ہوئے، اور رکوع کیا، لوگوں کا خیال آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "الم تنزیل السجدہ" کی تلاوت کی تھی۔

تشریح: اگر صلوٰۃ سریہ میں بھی آیت سجدہ کو پڑھے تو بھی سجدہ کرنا چاہئے، آیت سجدہ کے بعد مزید کچھ پڑھا یا نہیں اس کی صراحت نہیں البتہ ظاہری عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید نہیں پڑھا۔ صاحبؒ مرقات کہتے ہیں کہ مزید پڑھنا افضل ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ پڑھنا بیان جواز کے لئے تھا اس سے معلوم ہوا کہ آیت سجدہ تلاوت کرنے کے معاً بعد سجدہ کرنا چاہئے اگر چہ رکوع کرنے کی بھی گنجائش ہے اور رکوع میں سجدے کی نیت کی جا سکتی ہے، لیکن بہتر یہ ہے سجدہ کیا جائے۔

سورت کا علم کس طرح ہوا

سوال: سوال یہ ہے کہ سری نماز میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تلاوت کردہ سورت کا علم صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو کیسے ہوا؟۔

جواب: کبھی کبھار حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بے اختیار جہر جاری ہو جاتا تھا یا پھر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تعلیم کی خاطر ایک آدھ آیت جہری پڑھ لیا کرتے تھے۔

سامع پر سجدۂ تلاوت

﴿۹۶۵﴾ وَعَنْهُ اَنَّهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ عَلَيْنَا الْقُرْآنَ فَإِذَا مَرَّ بِالسَّجْدَةِ كَبَّرَ وَسَجَدَ وَسَجَدْنَا مَعَهُ۔ (رواه ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۲۲۰/ ۱، باب فی الرجل یسمع السجدة وهوراکب، کتاب سجود القرآن، حدیث نمبر: ۱۴۳۱۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے قرآن پڑھتے، تو جب آیت سجدہ سے گذرتے تو تکبیر کہتے اور سجدہ کرتے، اور ہم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سجدہ کرتے۔

تشریح: جس طرح آیت سجدہ تلاوت کرنیوالے کیلئے سجدہ کرنا ضروری ہے اسی طرح سجدۂ تلاوت سننے والے کیلئے بھی ضروری ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت سجدہ تلاوت کرنے کے بعد سجدۂ تلاوت کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرامؓ نے بھی سجدہ کیا۔

سجدہ کے لئے تکبیر

کبر و سجد: اس جز سے معلوم ہوا کہ سجدہ میں جانے کے لئے صرف تکبیر کہی جائے گی یہی امام صاحبؒ کا مذہب ہے امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ پہلے تکبیر تحریمہ کے لئے تکبیر کہے پھر سجدہ میں جانے کے لئے تکبیر کہے یعنی دو مرتبہ تکبیر کہے۔

سجدۂ تلاوت کا وجوب

﴿۹۶۶﴾ وَعَنْهُ أَنَّهُ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ عَامَ الْفَتْحِ سَجْدَةً فَسَجَدَ النَّاسُ كُلُّهُمْ مِنْهُمُ الرَّاكِبُ وَالسَّاجِدُ عَلَى الْأَرْضِ حَتّٰى أَنَّ الرَّاكِبَ لَيَسْجُدُ عَلَى يَدِهِ۔ (رواه ابوداؤد)

حواله: ابوداؤد شریف: ۲۲۰/ ۱، باب فی الرجل یسمع السجدة وهو الراکب، کتاب سجود القرآن، حدیث نمبر:۱۴۱۱۔

ترجمه: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال آیت سجدہ پڑھی، تو تمام لوگوں نے سجدہ کیا، ان میں کچھ سوار تھے، اور کچھ زمین پر سجدہ کرنے والے، جو لوگ سوار تھے انہوں نے اپنے ہاتھوں پر سجدہ کیا۔

تشریح: قرأ عام الفتح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی سورت تلاوت کی جس میں آیت سجدہ تھی یا صرف آیت سجدہ تلاوت کی، اگر صرف آیت سجدہ تلاوت کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل بیان جواز کے لئے تھا کیونکہ صرف آیت سجدہ تلاوت کرنا خلاف اولیٰ ہے تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ اس کا پڑھنا افضل ہے اس لئے مستحب یہ ہے کہ آگے پیچھے کی بھی چند آیات ملالینا چاہئے۔

فسجد الناس کلهم: اس سے معلوم ہوا کہ سجدۂ تلاوت قاری اور سامع دونوں پر واجب ہے اگر واجب نہ ہوتا تو اتنے اہتمام سے سب لوگ سجدہ نہ کرتے۔

یعنی زمین وغیرہ پر اپنا ہاتھ رکھ کر سجدہ کرلیا، اس سے یہ بات معلوم ہوگئی، کہ راکب کے لئے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ زمین پر اتر کر ہی سجدہ کرے بلکہ بغیر زمین پر اترے بھی سجدہ ادا کیا جاسکتا ہے۔

نیز اگر تھوڑا جھک کر اپنے ہاتھ پر سجدہ کرلے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کی اجازت ہے اور یہ روایت ان کی دلیل ہے مگر امام شافعیؒ کے نزدیک اجازت نہیں اور یہ روایت ان پر حجت ہے۔ (مرقاۃ:۲/۵۵، مع زیادۃ)

حتی ان الراکب: سوار کے لئے اور معذور کے لئے ہاتھ پر سجدہ کرنا

درست ہے اسی طرح بھیڑ بھاڑ میں ران یا کسی دوسرے حصہ پر بھی سجدہ کیا جا سکتا ہے البتہ بہتر یہی ہے کہ زمین پر سجدہ کیا جائے۔

مفصل سورتوں میں سجدہ

﴿۹۶۷﴾ وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَسْجُدْ فِیْ شَیْءٍ مِنَ الْمُفَصَّلِ مُنْذُ تَحَوَّلَ اِلَی الْمَدِیْنَۃِ۔ (رواہ ابوداؤد)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱/۱۹۹، باب من لم یر السجود فی المفصل، کتاب سجود القرآن، حدیث نمبر: ۱۴۰۳۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سے مدینہ منورہ تشریف لائے مفصل کی کسی سورت میں سجدہ نہیں کیا۔

تشریح: یہ حدیث امام مالکؒ کے لئے حجت ہے کہ مفصل میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی میں بھی سجدہ نہیں فرمایا۔

مگر اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ حضرت ابن عباسؓ کی عمر اس وقت تیرہ سال تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا۔

ابن عباسؓ دو تین برس کی عمر میں مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تھے اور یہ صیغہ "رأیت" نقل فرماتے ہیں اس لئے لامحالہ انہوں نے مدینہ ہی میں دیکھا ہوگا کیونکہ اگر مکہ کی زندگی میں دیکھا ہوگا تو اس وقت حضرت ابن عباسؓ کی عمر دو تین سال رہی ہوگی، اور اس عمر میں شعور نہیں ہوتا جو ایسی باتوں کو یاد کیا جائے یا ایسی باتوں کی طرف توجہ دی جائے۔

نیز علماء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے علامہ میرک شاہؒ

اور نوویؒ بھی اسی کے قائل ہیں، اور ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ یہ روایات صحیحہ کے خلاف بھی ہے جیسا کہ ماقبل میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت گذری ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے "اذا السماء انشقت" اور "سورة اقرأ" میں سجدہ کیا اور ہم نے بھی ان کے ساتھ سجدہ کیا، حالانکہ حضرت ابو ہریرہؓ متاخر الاسلام ہیں سات ہجری میں ان کا اسلام لانا ثابت ہے۔

نیز خود ماقبل میں حضرت ابن عباسؓ کی بخاری کی روایت گزری ہے کہ سورۂ نجم میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں اور تمام موجود مشرکین اور تمام جن وانس نے سجدہ کیا، لہٰذا یہ ضعیف روایت ان صحیحین کی روایات صحیحہ کے مقابل نہیں ہوسکتی۔ (مرقاۃ:۲/۵۶)

سجدۂ تلاوت میں پڑھی جانے والی تسبیح

﴿۹۶۸﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ سُجُوْدِ الْقُرْآنِ بِاللَّيْلِ سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ۔ (رواه ابوداؤد والترمذی والنسائی وقال الترمذی هذا حديث حسن صحيح)

حواله: ابوداؤد شریف: ۱/۲۰۰، باب مايقول اذا سجد، كتاب سجود القرآن، حدیث نمبر: ۱۴۱۴۔ ترمذی شریف: ۱/۱۲۸، باب مايقول في سجود القرآن، كتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۵۸۔ نسائی: ۱/۱۲۶، باب نوع آخر من الدعاء، كتاب التطبيق، حدیث نمبر: ۱۱۲۸۔

ترجمه: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں قرآن کریم کے سجدے کرتے تو یہ تسبیح پڑھتے "سجد وجهي،

الـــخ“ میرے چہرے نے اس ذات کا سجدہ کیا جس ذات نے اس کے کان اور آنکھیں اپنی قدرت وطاقت سے بنائی ۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مذکورہ دعاء پڑھنا ثابت ہے اور اس میں رات کی قید اتفاقی ہے چونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو عبادات سے ہی واقف تھیں ورنہ حقیقت یہ ہے رات دن کی کوئی قید نہیں لہٰذا سجدہ میں منقولہ دعا پڑھی جاسکتی ہے، جہاں تک فقہی مسئلہ کا تعلق ہے تو حنفی مسلک میں ظاہر یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت میں ”سبحـــان ربی الاعلیٰ“ پڑھنا کافی ہے لیکن اس میں شبہ نہیں جو دعائیں حدیث سے ثابت ہوئی ہیں ان کا پڑھنا اولیٰ ہے، اگر فرض نماز میں پڑھی جائے تو بہتر یہ ہے کہ ”سبحـــان ربی الاعلیٰ“ پڑھے اور نماز سے باہر سجدۂ تلاوت میں یا نفل نماز ہو تو اس کے سجدہ میں اختیار ہے ”سبحـــان ربی الاعلیٰ“ پڑھے یا وہ تسبیحات ودعائیں پڑھے جو حدیث میں وارد ہوئی ہیں۔

سجدۂ تلاوت میں پڑھی جانے والی دعا

﴿۹۶۹﴾ وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ رَأَیْتُنِیْ اللَّیْلَۃَ وَاَنَا نَائِمٌ کَاَنِّیْ اُصَلِّیْ خَلْفَ شَجَرَۃٍ فَسَجَدْتُ فَسَجَدَتِ الشَّجَرَۃُ لِسُجُوْدِیْ فَسَمِعْتُھَا تَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اکْتُبْ لِیْ بِھَا عِنْدَکَ اَجْرًا وَضَعْ عَنِّیْ بِھَا وِزْرًا وَاجْعَلْھَا لِیْ عِنْدَکَ ذُخْرًا وَتَقَبَّلْھَا مِنِّیْ کَمَا تَقَبَّلْتَھَا مِنْ عَبْدِکَ دَاوٗدَ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَرَأَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ سَجَدَ فَسَمِعْتُہٗ وَھُوَ یَقُوْلُ مِثْلَ مَا اَخْبَرَہُ الرَّجُلُ عَنْ قَوْلِ الشَّجَرَۃِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ وَتَقَبَّلْهَا مِنِّيْ كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حوالہ: ترمذی شریف: ۱۲۸/۱، باب مایقول فی سجود القرآن، ابواب السفر، حدیث نمبر: ۵۷۹۔ ابن ماجہ: ۷۳، باب سجود القرآن، کتاب اقامۃ الصلاۃ، حدیث نمبر: ۱۰۵۳۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں نے رات میں سوتے ہوئے یہ دیکھا کہ گویا میں ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں، تو میں نے سجدہ کیا، میرے سجدہ کرنے کی وجہ سے درخت نے بھی سجدہ کیا، تو میں نے درخت کو سنا کہ وہ یہ دعا مانگ رہا ہے: "اللھم اکتب الخ" اے اللہ میرے لئے اس سجدہ کے ذریعہ اپنے پاس اجر لکھ دیجئے، اور اس کے ذریعہ سے گناہ مجھ سے ہٹا دیجئے، اور اس کو میرے لئے اپنے پاس ذخیرہ بنا لیجئے اور اس کو میری طرف سے ایسے ہی قبول فرما لیجئے جیسے کہ آپ نے اپنے بندہ داؤد کی طرف سے سجدہ کو قبول کیا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آیت سجدہ پڑھی، پھر سجدہ کیا۔ تو میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وہی دعا پڑھتے سنا جو اس شخص نے درخت سے سن کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بتائی تھی۔ (ترمذی، ابن ماجہ) ابن ماجہ نے "وتقبلها منی کما تقبلتها من عبدک داؤد" کے الفاظ نقل نہیں کئے ہیں۔ ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح: یہ رجل حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی رسول ہیں۔

اور روایت کے الفاظ (خاص طور پر دعاء کے الفاظ) سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے

کہ انہوں نے خواب میں جس آیت کو پڑھا اور پھر اس پر سجدہ کیا وہ سورہ ص کی آیت سجدہ رہی ہوگی، اس سے معلوم ہوا کہ سورہ "صٓ" کا سجدہ ہے۔ نیز اس دعاء کا سجدہ تلاوت میں پڑھنا مسنون ہے۔

﴿الفصل الثالث﴾

آیت سجدہ پر کفار کا سجدہ کرنا

﴿۹۷۰﴾ وَعَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ وَالنَّجْمِ فَسَجَدَ فِيْهَا وَسَجَدَ مَنْ كَانَ مَعَهُ غَيْرَ اَنَّ شَيْخاً مِنْ قُرَيْشٍ اَخَذَ كَفًّا مِنْ حَصًى اَوْ تُرَابٍ فَرَفَعَهُ اِلٰى جَبْهَتِهٖ وَقَالَ يَكْفِيْنِيْ هٰذَا قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَلَقَدْ رَاَيْتُهُ بَعْدُ قُتِلَ كَافِراً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ الْبُخَارِيُّ فِيْ رِوَايَةٍ وَهُوَ اُمَيَّةُ بْنُ خَلَفٍ)

حوالہ: بخاری شریف: ۱۴۶/۱، باب سجدة النجم، کتاب سجود القرآن، حدیث نمبر: ۱۰۷۰۔ مسلم شریف: ۲۱۵/۱، باب سجود التلاوة، کتاب المساجد، حدیث نمبر: ۵۷۶۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ "والنجم" کی تلاوت فرمائی، پھر اس میں سجدہ کیا، سوائے قریش کے ایک بوڑھے شخص کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو لوگ تھے، انہوں نے بھی سجدہ کیا، اس بوڑھے نے ایک مٹھی کنکری لے کر اپنی پیشانی تک اٹھائی اور کہا کہ میرے لئے

یہی کافی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے بعد میں اس بوڑھے کو دیکھا کہ کفر کی حالت میں مارا گیا۔ (بخاری ومسلم) بخاری کی ایک اور روایت میں مزید یہ بات منقول ہے کہ وہ بوڑھا ''امیہ بن خلف تھا''۔

تشریح: سجد من کان معہ: اس وقت جو بھی لوگ موجود تھے، اس پر مفصل کلام اوپر گذر چکا ہے۔

غیر ان شیخا من قریش: قریش کے ایک بوڑھے نے سجدہ نہیں کیا، یہ بوڑھا کون تھا، بخاری کی ایک روایت میں "امیہ بن خلف" کی تعیین ہے، بعض لوگوں نے ولید بن مغیرہ کہا ہے، مگر یہ صحیح نہیں اس وجہ سے کہ ولید بن مغیرہ قتل نہیں ہوا، بعض لوگوں نے سعید بن العاص، اور بعض نے "ابولهب" کہا ہے، طیبیؒ نے جامع الاصول میں نقل کیا ہے کہ "ابی بن خلف" حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ہاتھوں حالت شرک میں غزوہ احد کے موقع پر قتل ہوا، اور ''امیہ ابن خلف" شرک کی حالت میں غزوہ بدر کے موقع پر قتل ہوا، یہ دونوں "خلف بن وهب بن حذافه بن جمع الجمعان" کے لڑکے ہیں۔ (مرقاۃ: ۳/۴۰)

امیہ بن خلف کی بدبختی تھی کہ اس نے اس موقع پر سجدہ نہیں کیا، دیگر مشرکین نے سجدہ کیا، بعد میں ان کو ایمان کی توفیق مل گئی۔

سورۂ ''ص'' کا سجدہ بطور شکر

﴿۹۷۱﴾ وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَجَدَ فِي صٓ وَقَالَ سَجَدَهَا دَاوٗدُ تَوْبَةً وَّنَسْجُدُهَا شُكْرًا۔ (رواه النسائي)

حوالہ: نسائی: ١/١١١، باب سجود القرآن فی صٓ، کتاب الافتتاح، حدیث نمبر:٩٥٦۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ ''ص'' میں سجدہ کیا، اور فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ سجدہ توبہ کے لئے کیا تھا۔ اور ہم یہ سجدہ شکرانہ کے طور پر کررہے ہیں۔

تشریح: حضرت داؤد علیہ السلام سے ایک لغزش ہوگئی تھی، جس کا ذکر سورۂ ''صٓ'' میں ہے، اس لغزش سے معافی کے طور پر حضرت داؤد علیہ السلام نے سجدہ کیا تھا، حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ اللہ تعالیٰ نے قبول کرلی، اس کے شکریہ میں اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سجدہ کیا بہر حال سورہ ''ص'' کی آیت سجدہ تلاوت کرنے کے بعد حنفیہ کے نزدیک سجدہ واجب ہے۔

ونسجدها شکراً: شکریہ کے طور پر سجدہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ سجدۂ تلاوت نہ ہو، سجدۂ تلاوت ہی ہے، اور سجدۂ تلاوت کے اسباب مختلف ہوسکتے ہیں، کبھی امر ہوتا ہے، کبھی شکر ہوتا ہے، کبھی اس کے علاوہ بھی ہوتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب اوقات النہی

رقم الحدیث:...... ۹۷۲ تا ۹۸۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿باب اوقات النہی﴾

جن وقتوں میں نماز پڑھنا منع ہے ان کا بیان

اس باب کے تحت وہ احادیث ہیں، جن میں ان اوقات کا بیان ہے، جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ جن اوقات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے، ان کو اوقات مکروہہ کہا جاتا ہے۔

اوقات مکروہہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱)...... اوقات ثلاثہ، یعنی طلوع شمس کا وقت، غروب شمس کا وقت اور استوائے شمس یعنی زوال کا وقت۔

(۲)...... فجر کی نماز سے بعد سے طلوع شمس سے پہلے کا وقت، عصر کی نماز کے بعد سے غروب کے پہلے کا وقت، یہ مکروہہ اوقات کل ملا کر پانچ ہو گئے۔

ان میں تین اول الذکر میں حنفیہ کے نزدیک کسی قسم کی فرض ونفل نماز کا پڑھنا جائز نہیں ہے، البتہ اسی دن کی عصر کی نماز غروب کے وقت پڑھنا جائز ہے، اخیر الذکر دو وقتوں میں حنفیہ کے نزدیک فرائض ادا کرنے کی گنجائش ہے، نوافل کی گنجائش نہیں ہے، پھر حنفیہ کے نزدیک یہ ممانعت تمام ازمنہ وامکنہ کے لئے یکساں ہے، کسی جگہ اور کسی وقت کے لئے الگ سے

کوئی حکم نہیں ہے، امام شافعیؒ اور ان کے موافق علماء کے نزدیک جمعہ کے دن کا وقت استواء (عین نصف النہار) اس سے مستثنیٰ ہے اسی طرح مکہ مکرمہ میں کوئی وقت وقت نہی عنہ نہیں، اس شہر مقدس میں دن ورات کسی بھی وقت میں کسی بھی طرح کی نماز پڑھنا اور سجدۂ تلاوت وغیرہ سب جائز ہے۔

بعض ضروری مسائل

عین طلوع آفتاب کے وقت نماز شروع کرنے سے نماز منعقد ہی نہیں ہوتی، اور اگر طلوع آفتاب سے پہلے شروع کی اور درمیان میں طلوع ہوگیا تو نماز باطل ہو جاتی ہے، للہذا یہ نماز صحیح نہیں ہوئی قضا فرض ہے، عصر کی نماز ادا کرتے کرتے سورج غروب ہوگیا تو عصر کی نماز ہو جائے گی۔

جب تک آفتاب طلوع کے بعد اس کیفیت پر رہے کہ اس کو دیر تک دیکھنے سے آنکھوں میں دشواری نہ ہو اس وقت تک نماز پڑھنا مکروہ ہے، اسی طرح عصر میں جب یہ کیفیت ہو جائے تو نماز پڑھنا مکروہ ہے، لیکن اس دن کی عصر کی نماز درست ہے، اگر جنازہ پہلے سے تیار تھا تو طلوع، غروب اور نصف النہار کے وقت اس پر نماز مکروہ تحریمی ہے، اور اگر اسی وقت تیار ہوا، تو کوئی کراہت نہیں اسی وقت نماز پڑھ لی جائے، عصر کے بعد آیت سجدہ کی تلاوت کی، تو اسی وقت سجدہ کرنا جائز ہے، البتہ اگر دھوپ پھیکی ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔
(ماخوذ از احسن الفتاوی)

﴿الفصل الاول﴾

سورج نکلتے اور ڈوبتے وقت نماز پڑھنا؟

﴿۹۷۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَایَتَحَرّٰی اَحَدُکُمْ فَیُصَلِّیَ عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَلَاعِنْدَ غُرُوْبِھَا وَفِیْ رِوَایَۃٍ قَالَ اِذَا طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَدَعُوْا الصَّلَاۃَ حَتّٰی تَبْرُزَ وَاِذَا غَابَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَدَعُوْا الصَّلَاۃَ حَتّٰی تَغِیْبَ وَلَاتَحَیَّنُوْا بِصَلَاتِکُمْ طُلُوْعَ الشَّمْسِ وَلَاغُرُوْبَھَا فَاِنَّھَا تَطْلُعُ بَیْنَ قَرْنَیِ الشَّیْطَانِ۔ (متفق علیہ)

حوالہ: بخاری شریف: ۸۲/ ۱، باب الصلاۃ بعد الفجر، کتاب مواقیت الصلاۃ، حدیث نمبر: ۵۸۳۔ مسلم شریف: ۲۷۵/ ۱، باب الاوقات التی نھی عن الصلاۃ فیھا، کتاب صلاۃ المسافرین الخ، حدیث نمبر: ۸۲۹۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "تم میں سے کوئی شخص سورج نکلنے اور ڈوبنے کے وقت نماز پڑھنے کا ارادہ نہ کرے،" ایک روایت میں ارشاد ہے کہ "جب سورج کا کنارہ نکل آئے تو نماز چھوڑ دو، یہاں تک سورج خوب ظاہر ہو جائے، اور جب سورج کا کنارہ ڈوب جائے تو نماز چھوڑ دو، یہاں تک کہ بالکل غروب ہو جائے، اور آفتاب کے طلوع اور غروب ہونے کے وقت نماز پڑھنے کا اروادہ نہ کرو، اس لئے کہ سورج شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔

تشریح: کچھ اوقات ایسے ہیں جن میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے، یہ اوقات مکروہہ کہلاتے ہیں، ان کی احکام کے اعتبار سے دو قسمیں ہے۔

(۱)...... یہ وہ قسم ہے جس میں اوقات ثلاثہ یعنی طلوع شمس، غروب شمس، اور استواء شمس کے اوقات داخل ہیں، ان اوقات میں کسی بھی قسم کی نماز پڑھنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔

(۲)...... یہ وہ قسم ہے جس میں نماز فجر اور نماز عصر کے بعد کے اوقات ہیں، ان اوقات میں نوافل کا پڑھنا ممنوع ہے فرائض ادا کرنے کی گنجائش ہے، اس مسئلہ میں ائمہ کا

اختلاف بھی ہے۔

حنفیہ کے نزدیک ان تین اوقات یعنی طلوع شمس، غروب شمس، اور استواء شمس میں ہر طرح کی نماز پڑھنا ناجائز ہے، البتہ عصر یوم پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ان تینوں اوقات میں فرض فائتہ کی قضا درست ہے، فجر اور عصر کے بعد کے اوقات میں حنفیہ کے نزدیک فرض ادا کرنا درست ہے۔ نفل درست نہیں۔ ائمہ ثلاثہ کا اس وقت کے بارے میں بھی وہی مذہب ہے جو اوقات ثلاثہ کے بارے میں ہے، حنفیہ اس ممانعت کو ہر دن اور ہر جگہ کے ساتھ مخصوص مانتے ہیں، جب کہ امام شافعیؒ جمعہ کے دن اور حرم مکہ کا استثنا کرتے ہیں۔ تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

فانها تطلع بین قرنی الشیطان: سورج کے طلوع اور غروب کے وقت سورج پرست سورج کی عبادت کرتے ہیں، اس وجہ سے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے سورج پرستوں کے ساتھ تشبہ کی بنا پر ان اوقات میں نماز پڑھنے کی ممانعت کردی گئی۔

شیطان کے دو سینگوں کے درمیان سورج طلوع ہونے اور غروب ہونے کو بعض حضرات نے حقیقت پر اور بعض نے مجاز پر محمول کیا ہے۔ تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

اوقات ثلاثہ میں نماز جنازہ کی ممانعت

﴿۹۷۳﴾ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ ثَلَاثُ سَاعَاتٍ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَانَا اَنْ نُصَلِّيَ فِيْهِنَّ اَوْ نَقْبُرَ فِيْهِنَّ مَوْتَانَا حِيْنَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ بَازِغَةً حَتّٰى تَرْتَفِعَ وَحِيْنَ يَقُوْمُ قَائِمُ الظَّهِيْرَةِ حَتّٰى تَمِيْلَ الشَّمْسُ وَحِيْنَ تَضَيَّفُ الشَّمْسُ لِلْغُرُوْبِ حَتّٰى تَغْرُبَ۔ (رواه مسلم)

حوالہ: مسلم شریف: ۲۷۶/۱، باب الاوقات التی نهی عن الصلاة فیها، کتاب صلوٰة المسافرین وقصرها، حدیث نمبر: ۸۳۱۔

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے تین اوقات میں ہم کو نماز پڑھنے اور اپنے مردوں کو دفن کرنے سے منع کیا ہے۔ (۱) سورج طلوع ہو رہا ہو یہاں تک کہ بلند ہو جائے۔ (۲) دوپہر کا سایہ ٹھہر گیا ہو، یہاں تک کہ سورج ڈھلے۔ (۳) اس وقت جب کہ سورج ڈوبنے کے لئے جھک جائے، یہاں تک کہ ڈوب جائے۔

تشریح: اس حدیث میں صراحت کے ساتھ اوقات ثلاثہ میں نماز پڑھنے اور مردوں کے دفن کرنے کی ممانعت ہے۔ مردوں کے دفن سے مراد نماز جنازہ کی ممانعت ہے۔ مردوں کے کسی بھی وقت دفن کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

او نقبر فیهن موتانا: اوقات ثلاثہ مکروہہ میں نماز جنازہ پڑھنا بھی درست نہیں ہے۔ البتہ اگر کوئی جنازہ ان ہی تینوں اوقات میں سے کسی وقت آیا ہو، تو پھر نماز جنازہ ادا کرنا جائز ہے، لیکن مؤخر کرنا افضل ہے یہی حکم سجدۂ تلاوت کا بھی ہے۔ فجر کے بعد اور عصر کے بعد نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

فجر کی نماز کے بعد نماز پڑھنے کی ممانعت

﴿۹۷۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَاصَلَاةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰی تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ وَلَاصَلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰی تَغِیْبَ الشَّمْسُ۔

(متفق علیه)۔

حواله: بخاری شریف: ۸۳/ ۱، باب لایتحری الصلاة، کتاب مواقیت الصلاة، حدیث نمبر: ۵۸۶. مسلم شریف: ۲۷۵/ ۱، باب الاوقات التی نهی عن الصلاة فیها، کتاب صلاة المسافرین الخ، حدیث نمبر: ۸۲۷.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "فجر کے بعد کوئی نماز نہیں ہے" یہاں تک کہ آفتاب بلند ہو جائے، اور عصر کے بعد کوئی نماز نہیں ہے، یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو جائے۔

تشریح: فجر کی نماز کے بعد اور عصر کی نماز کے بعد طلوع شمس اور غروب شمس تک نماز پڑھنے کی ممانعت ہے، لیکن یہ ویسی ممانعت نہیں ہے، جیسے اوقات ثلاثہ مکروہہ میں ممانعت ہے، جس کا ذکر ماقبل کی حدیث میں ہوا اوقات ثلاثہ یعنی طلوع شمس، غروب شمس، اور استواء شمس یہ تین اوقات ایسے ہیں جن میں بذات خود قباحت ہے، ان اوقات میں شیطان سورج کو اپنی سینگوں کے درمیان لے لیتا ہے، لہذا ان اوقات میں ہر طرح کی نماز پڑھنے کی ممانعت ہے۔ جب کہ حدیث باب میں جن دو اوقات کا ذکر ہے ان میں بذات خود قباحت نہیں ہے، بلکہ یہ پورا وقت وظیفہ فریضہ میں مشغول رکھا گیا ہے، لہذا اگر کوئی شخص فجر کی نماز طلوع آفتاب پر ختم کرتا ہے، یا عصر کی نماز اول وقت میں شروع کر کے غروب پر ختم کرتا ہے، تو یہ نہ صرف درست بلکہ بہت بہتر ہے، لہذا جب ان اوقات میں بذات خود قباحت نہیں ہے، تو حنفیہ کہتے ہیں کہ ممانعت صلوۃ کا تعلق نفل نماز سے ہے، ان اوقات میں فرائض پڑھنے کی گنجائش ہے۔

نماز کے ممنوعہ اوقات، اور نماز اشراق اور وضو کی فضیلت

﴿۹۷۵﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ قَالَ

قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ فَقَدِمْتُ الْمَدِيْنَةَ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ فَقُلْتُ اَخْبِرْنِي عَنِ الصَّلَاةِ فَقَالَ صَلِّ صَلَاةَ الصُّبْحِ ثُمَّ اَقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ حِيْنَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ حَتّٰى تَرْتَفِعَ فَاِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ وَحِيْنَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ ثُمَّ صَلِّ فَاِنَّ الصَّلَاةَ مَشْهُوْدَةٌ مَحْضُوْرَةٌ حَتّٰى يَسْتَقِلَّ الظِّلُّ بِالرُّمْحِ ثُمَّ اَقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ فَاِنَّ حِيْنَئِذٍ تُسْجَرُ جَهَنَّمُ فَاِذَا اَقْبَلَ الْفَيْءُ فَصَلِّ فَاِنَّ الصَّلَاةَ مَشْهُوْدَةٌ مَحْضُوْرَةٌ حَتّٰى تُصَلِّيَ الْعَصْرَ ثُمَّ اَقْصِرْ عَنِ الصَّلَاةِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَاِنَّهَا تَغْرُبُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ وَحِيْنَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ فَالْوُضُوْءُ حَدِّثْنِيْ عَنْهُ قَالَ مَامِنْكُمْ رَجُلٌ يُقَرِّبُ وَضُوْءَهُ فَيَتَمَضْمِضُ وَيَسْتَنْشِقُ فَيَسْتَنْثِرُ اِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا وَجْهِهٖ وَفِيْهِ وَخَيَاشِيْمِهٖ ثُمَّ اِذَا غَسَلَ وَجْهَهٗ كَمَا اَمَرَهُ اللّٰهُ اِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا وَجْهِهٖ مِنْ اَطْرَافِ لِحْيَتِهٖ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ يَغْسِلُ يَدَيْهِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ اِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا يَدَيْهِ مِنْ اَنَامِلِهٖ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ يَمْسَحُ رَأْسَهٗ اِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا رَأْسِهٖ مِنْ اَطْرَافِ شَعْرِهٖ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ يَغْسِلُ قَدَمَيْهِ اِلَى الْكَعْبَيْنِ اِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا رِجْلَيْهِ مِنْ اَنَامِلِهٖ مِنَ الْمَاءِ فَاِنْ هُوَ قَامَ فَصَلّٰى فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ وَمَجَّدَهٗ بِالَّذِيْ هُوَ لَهٗ اَهْلٌ وَفَرَّغَ قَلْبَهٗ لِلّٰهِ اِلَّا اِنْصَرَفَ مِنْ خَطِيْئَتِهٖ كَهَيْئَتِهٖ يَوْمَ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ۔ (رواه مسلم)

حواله: مسلم شريف: ۲۷۶/ ۱، باب اسلام عمرو بن عبسة، كتاب صلاة المسافرين، حدیث نمبر: ۸۳۲۔

ترجمه: حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں بھی مدینہ طیبہ پہونچا اور میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ مجھے نماز سے متعلق بتائیے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم فجر کی نماز پڑھو پھر جس وقت سورج طلوع ہو رہا ہو اس وقت نماز سے رک جاؤ، یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے، اس وجہ سے کہ سورج جس وقت طلوع ہوتا ہے، تو وہ شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے، اور اس وقت کفار سورج کو سجدہ کرتے ہیں، پھر نماز پڑھو، یہ نماز ایسی ہے جس کی گواہی دی جاتی ہے، اور اس میں حاضری ہوتی ہے یہاں تک کہ سایہ نیزہ پر چڑھ جائے، پھر نماز سے رک جاؤ، اس لئے کہ اس وقت جہنم جھونکی جاتی ہے۔ پھر جب سایہ واپس آجائے تو نماز پڑھو، یہ نماز ہے جس کی گواہی دی جاتی ہے، اور اس میں حاضری ہوتی ہے، یہاں تک کہ عصر کی نماز پڑھ لو، پھر نماز سے رک جاؤ یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے، اس لئے کہ سورج شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے، اور اس وقت کفار سورج کا سجدہ کرتے ہیں، عمرو بن عبسہؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا وضوء کے متعلق مجھ سے ارشاد فرمائیے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کوئی شخص جب وضوء کا پانی اپنے قریب کرتا ہے، پھر کلی کرتا ہے، ناک میں پانی ڈلتا ہے، اور ناک صاف کرتا ہے، تو اسکے چہرے کے، اسکے منہ کے، اور اس کے ناک کے نتھنوں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، پھر جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس کے مطابق اپنے چہرے کو دھلتا ہے، تو پانی کے ساتھ چہرے کے گناہ اس کی داڑھی کے کناروں سے جھڑ جاتے ہیں، پھر جب اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھلتا ہے تو اس کے دونوں ہاتھوں کے گناہ پانی کے ساتھ انگلیوں کے پوروں سے جھڑ جاتے ہیں، پھر جب اپنے سر کا مسح کرتا ہے تو اس کے سر کے گناہ پانی کے ساتھ اس کے بالوں کے کناروں سے گر جاتے ہیں، پھر جب اپنے دونوں پیر کو ٹخنے تک دھوتا ہے تو اس کے دونوں پیروں کے گناہ پانی کے ساتھ پیروں کی انگلیوں کے پوروں

سے گر جاتے ہیں، پھر اگر وہ کھڑا ہوا اور نماز پڑھی، پھر اللہ کی حمد بیان کی، اور اس کی تعریف کی، اور اس کی اس بزرگی کو ذکر کیا جس کا وہ مستحق ہے۔ اور اپنے دل کو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے فارغ کرلیا، تو وہ اپنے گناہوں سے ایسا پاک ہو کر نماز سے واپس آتا ہے، جیسا کہ وہ اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اس کو جنا تھا۔

تشریح: فانها تطلع حين تطلع بين قرني الشيطان: سورج جب نکلتا ہے تو شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان نکلتا ہے۔ بعض لوگوں نے اس کو حقیقت پر محمول کیا ہے، بعض لوگوں نے مجاز پر محمول کیا ہے۔ جنہوں نے حقیقت پر محمول کیا وہ کہتے ہیں کہ جب سورج نکلتا ہے تو شیطان اپنے سر کو سورج کے قریب کر دیتا ہے تا کہ وہ اپنی سمجھ سے سورج کی پوجا کرنے والوں کا قبلہ بن جائے۔ اور جو لوگ مجاز پر محمول کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں اس سے شیطان کی قوت اس کا فساد و غلبہ مراد ہے، یعنی جب کفار سورج کی پرستش کرتے ہیں تو وہ بہت خوش ہوتا ہے، اور اپنا غلبہ محسوس کرتا ہے، اور فتنہ فساد بڑھانے میں اپنے کو قوی محسوس کرتا ہے۔

صل: اشراق یا چاشت کی نماز مراد ہے۔

فان الصلاة مشهودة: سورج طلوع ہونے کے بعد چاشت یا اشراق جو نماز پڑھی جاتی ہے، اس کا اجر لکھنے کے لئے فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور جو نماز پڑھتا ہے اس کے حق میں گواہی دیتے ہیں۔

محضورة: تبرک حاصل کرنے کے لئے فرشتے حاضر ہوتے ہیں، یہ بات چاشت کی نماز کی اہمیت بیان کرنے کے لئے کہی گئی ہے۔

حتى يستقل الظل: جب سایہ نیزہ پر چڑھ جائے، یہ بات مکہ و مدینہ اور ان کے اطراف کے اعتبار سے ہے، کیوں کہ ان جگہوں میں گرمی کی شدت میں جب دن لمبے

ہوتے ہیں، تو زوال کے وقت زمین پر سایہ نہیں پڑتا ہے، بلکہ زمین سے اوپر رہتا ہے پھر جب سورج مشرق سے مغرب کی طرف مائل ہوتا ہے، یعنی زوال کے بعد جو کہ ظہر کا اول وقت ہے اس وقت زمین پر سایہ پڑتا ہے۔

ثم اذا غسل وجهه كما امره الله: اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ چہرے کا دھونا فرض ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان "واذا قمتم الى الصلاة فاغسلوا وجوهكم" کی بنا پر۔ اس کے برخلاف کلی اور ناک میں پانی ڈالنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی وجہ سے مسنون ہے۔

الاخرت خطايا: گناہ صغیرہ تو وضو سے معاف ہوجاتے ہیں، لیکن گناہ کبیرہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف رہتے ہیں۔ تفصیل کتاب الوضو میں گذر چکی۔

فائدہ: حدیث الباب سے نماز اشراق اور نماز چاشت کی فضیلت ظاہر ہے، جس سے آج عموماً غفلت بڑھتی جارہی ہے، اس کی طرف خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے، نیز حدیث الباب سے وضو کی فضیلت بھی ظاہر ہے۔

نمازِ عصر کے بعد دو رکعت سنت

﴿۹۷۶﴾ وَعَنْ كُرَيْبٍ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الْاَزْهَرِ اَرْسَلُوْهُ اِلٰى عَائِشَةَ فَقَالُوْا اِقْرَأْ عَلَيْهَا السَّلَامَ وَسَلْهَا عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ قَالَ فَدَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ فَبَلَّغْتُهَا مَا اَرْسَلُوْنِىْ فَقَالَتْ سَلْ اُمَّ سَلَمَةَ فَخَرَجْتُ اِلَيْهِمْ فَرَدُّوْنِىْ اِلٰى اُمِّ سَلَمَةَ فَقَالَتْ اُمُّ سَلَمَةَ سَمِعْتُ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى عَنْهُمَا ثُمَّ رَاَيْتُهٗ يُصَلِّيْهِمَا ثُمَّ دَخَلَ فَاَرْسَلْتُ اِلَيْهِ الْجَارِيَةَ فَقُلْتُ قُوْلِىْ لَهٗ تَقُوْلُ اُمُّ سَلَمَةَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ سَمِعْتُكَ تَنْهٰى عَنْ هَاتَيْنِ وَاَرَاكَ تُصَلِّيْهِمَا قَالَ يَابْنَةَ اَبِىْ اُمَيَّةَ سَاَلْتِ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَاِنَّهٗ

أَتَانِي نَاسٌ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ فَشَغَلُونِي عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ فَهُمَا هَاتَانِ۔ (متفق علیه)

حواله: بخاری شریف: ۱۶۴/۱، باب اذا حكم وهو يصلي فأشار بيده، كتاب السهو، حدیث نمبر:۱۲۳۳۔ مسلم شریف: ۲۷۷/۱، باب معرفة الركعتين الخ، كتاب صلاة المسافرين، حدیث نمبر:۸۳۴۔

ترجمه: حضرت کریبؒ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ، حضرت مسور بن مخرمہؓ، اور عبد الرحمٰن بن ازہرؓ نے ان کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا، اور ان لوگوں نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سلام عرض کرنا اور ان سے عصر کے بعد دو رکعت نماز کے بارے میں پوچھنا، حضرت کریبؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس پیغام کو پہنچادیا جس کیلئے انہوں نے مجھے بھیجا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کرو، تو میں ان لوگوں کے پاس آ گیا۔ انہوں نے مجھے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا، ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے حضرت نبی کریم ﷺ سے سنا کہ وہ ان دو رکعتوں سے منع فرماتے تھے، پھر میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ آنحضرت ﷺ عصر کے بعد دو رکعت پڑھ رہے ہیں، چنانچہ میں نے آنحضرت ﷺ کے پاس باندی کو بھیجا میں نے اس باندی سے کہا کہ تم حضور اکرم ﷺ سے کہنا کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہے کہ اے اللہ کے رسول! میں نے ان دو رکعتوں سے آنحضرت ﷺ کو منع کرتے ہوئے سنا ہے، اور میں آنحضرت ﷺ کو ان رکعتوں کو پڑھتے ہوئے دیکھ رہی ہوں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اے ابو امیہ کی بیٹی! تم نے مجھ سے عصر کے بعد دو رکعتوں کے بارے میں پوچھا ہے، درحقیقت میرے پاس عبد القیس کے کچھ لوگ آ گئے تھے، ان کی وجہ سے میں ظہر کے بعد کی دو رکعت نہیں پڑھ سکا، یہ وہی دو رکعتیں ہیں۔

تشریح: آنحضرت ﷺ عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرماتے تھے، پھر آنحضرت ﷺ نے خود عصر کے بعد نماز ادا فرمائی، لہٰذا تحقیق کی غرض سے بعض صحابہ کرام

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے حضرت کریبؓ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا۔

سل ام سلمة: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس بارے میں خود کچھ جواب دینے کے بجائے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کرنے کے لئے کہا، اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ معلوم تھا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ چکی ہیں۔لہٰذا وہ زیادہ بہتر طور پر جانتی ہیں، حدیث کے اس جزء سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی انکساری اور احتیاط بہت بہتر طور پر سمجھ میں آتی ہے۔

فخرجت الیھم: حضرت عائشہؓ نے حضرت کریب سے کہا کہ حضرت ام سلمہؓ سے پوچھ لو، حضرت کریبؓ سیدھے ام سلمہؓ کے پاس نہیں گئے، بلکہ جن لوگوں نے حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجا تھا۔ پہلے ان کی خدمت میں آئے انہیں آکر پوری بات بتائی، پھر جب ان لوگوں نے حضرت ام سلمہؓ کے پاس جانے کے لئے کہا تب گئے۔محدثین لکھتے ہیں کہ اس سے حضرت کریب کے کمال ادب اور نہایت سعادت مندی کا پتہ چلتا ہے۔

سمعت رسول اللّٰہ ینھی عنھا: حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عصر کے بعد دو رکعت پڑھنے سے منع فرماتے تھے،حضرت ام سلمہؓ کے اس ارشاد میں دو احتمال ہیں:

(۱) ......حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مطلق عصر کے بعد نفل نماز پڑھنے سے منع فرماتے تھے اور اسی کے ضمن میں یہ دو رکعت داخل ہیں، جن کے بارے میں سائل سوال لے کر آئے تھے۔

(۲) ......خاص طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عصر کے بعد دو رکعت پڑھنے سے منع فرماتے تھے۔

ثم رأیتہ یصلیھما: ممانعت کے باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب میں نے بعد العصر رکعتین پڑھتے دیکھا تو تحقیق حال کے لئے خادمہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔

یا ابنۃ ابی امیۃ: ''ابو امیہ'' حضرت ام سلمہؓ کے والد کی کنیت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باندی کو مخاطب کر کے کہا ام سلمہؓ سے یہ بات عرض کر دینا یا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے براہ راست حضرت ام سلمہ کو مخاطب کیا۔

اتانی ناس من عبد القیس فشغلونی: عبدالقیس کے کچھ لوگ آگئے ان کو تبلیغ دین کرنے لگا، جس وجہ سے ظہر کی دو رکعت سنت رہ گئی تھی اس کو میں نے عصر کے بعد ادا کیا، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ تبلیغ دین نوافل بلکہ سنن رواتب پر مقدم ہیں خاص طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد ہی تبلیغ دین تھا۔

سنن کی قضا

سوال: سنن اگر فوت ہو جائیں تو کیا ان کی قضاء کی جائے گی۔

جواب: سنن کی قضا نہیں ہے، البتہ اگر فجر کی سنن فرض کے ساتھ قضاء ہو گئیں ہیں، تو ان کی قضاء کی جائے گی، اس کی وجہ یہ ہے کہ "لیلۃ التعریس" میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابہؓ کے ساتھ فجر کی فرض نماز مع سنن کے فوت ہوگئی تھی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز کے ساتھ سنن کی قضاء فرمائی۔

اشکال: جب سنن کی قضا نہیں ہے، تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی دو رکعت سنن کی قضا عصر کے بعد کیوں فرمائی؟

جواب: (ا)...... ممکن ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کے وقت میں ظہر کی دو رکعت سنن شروع کر دی ہوں پھر تبلیغ دین کی فوری ضرورت کے بناء پر نماز توڑ دی ہو، چوں کہ نماز شروع کرنے کے بعد واجب ہو جاتی ہے، اور واجب کی قضا ہے، اس

لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو عصر بعد ادا کر رہے ہوں، اور عصر بعد فرض اور واجب کے ادا کرنے کی گنجائش ہے۔

(۲)......حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سنن کی قضا فرماتے تھے، امت کے حق میں سنت کی قضا نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ جب ام سلمہؓ نے یہ سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی دو رکعت کی قضا فرما رہے ہیں، تو حضرت ام سلمہؓ نے دریافت کیا "**افاقضیھما اذا فاتتا**" (کیا میں بھی ان کی قضا کیا کروں جب یہ فوت ہو جائیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**لا**" تم قضا نہ کرو۔

اشکال: حدیث باب سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی دو رکعت عصر کے بعد ادا کی، لیکن دیگر احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عصر کے بعد معمول یہی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عصر کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے۔ مثلاً مسلم شریف میں حدیث ہے "**ما ترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکعتین بعد العصر عندی قط**" اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عصر کے بعد دو رکعت کبھی بھی ترک نہیں فرماتے تھے۔ اسی طرح کی احادیث کی بنا پر امام شافعیؒ عصر کے بعد سنن پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں اور سابقہ روایات کی بنا پر امام شافعیؒ سنن کی قضا کے بھی قائل ہیں۔

جواب: ماقبل میں یہ بات وضاحت سے گذر چکی کہ سنن کی قضا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے، لہٰذا امام شافعیؒ کا حدیث باب سے سنن کی قضا کا عام امت کے حق میں حکم لگانا درست نہیں ہے۔ اور جہاں تک یہ بات کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عصر کے بعد ہمیشہ کا یہی معمول تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عصر بعد دو رکعت نماز پڑھتے

تھے تو اس طرح کا مضمون کئی احادیث میں وارد ہوا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے مواظبت کی روایت کو ترجیح بھی دی ہے، لیکن یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ جس میں کسی دوسرے کے شامل ہونے کی گنجائش نہیں ہے، چنانچہ ابوداؤد میں حدیث ہے "**کان یصلی بعد العصر وینھی عنھا**" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود تو عصر کے بعد نماز پڑھتے تھے، لیکن دوسروں کو منع فرماتے ہیں، اسی ممانعت کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اگر کسی کو عصر بعد سنن پڑھتے دیکھتے تو اس کو روکتے تھے۔ اصرار کی صورت میں آپ درے بھی لگواتے تھے، ابتداء تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر بعد ظہر کے بعد والی سنتیں بطور قضاء ادا فرمائیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی عمل پر مداومت پسند تھی اس لئے پھر بعد میں بطور مداومت اس کو پڑھنے کا معمول بنالیا اور یہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی۔

فوائد: (۱)......صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے علم دین سیکھنے کا ذوق وشوق کا علم ہوا۔

(۲)......جو چیز معلوم نہ ہو اس کو دوسروں سے معلوم کرنا چاہئے۔

(۳)......قاصد کے ذریعہ بھی کوئی مسئلہ یا دینی بات معلوم کرائی جاسکتی ہے۔

(۴)......عورتوں سے بھی دین سیکھنا مسئلہ معلوم کرنا درست ہے۔

(۵)......عورت مردوں کو پردہ کے ساتھ دین کی بات بتاسکتی ہے۔

(٦)......اگر کوئی کسی کو قاصد بنا کسی دوسرے کے پاس کوئی چیز معلوم کرنے لئے بھیجے اور وہ شخص کسی دوسرے سے معلوم کرنے کے لئے کہے تو قاصد کو چاہئے کہ جس نے اس کو قاصد بنا کر بھیجا ہے اس کے پاس آکر صورت حال عرض کردے ممکن ہے کہ وہ اس کے پاس بھیجنا پسند نہ کرتا ہو لیکن وہ شخص اس کے پاس جانے کی اجازت دے تو چلا جائے اور اس سے معلوم کرکے آجائے۔

(۷)......فتویٰ دینے میں احتیاط کرنا چاہئے۔

(۸)...... کسی مفتی سے کوئی شخص مسئلہ معلوم کرے اور اس مفتی کے علم میں کوئی دوسرا مفتی اس مسئلہ کو زیادہ جاننے والا ہے تو اس مفتی کو خود جواب دینے کے بجائے اپنے سے اعلم کے پاس بھیج دینا چاہئے۔

(۹)...... اپنے کسی بڑے استاد یا شیخ سے کوئی عمل قابل اشکال سرزد ہو تو خوبصورتی کے ساتھ اس سے دریافت کر لینا چاہئے۔

(۱۰)...... استاد اور شیخ کو بھی اس سے ناراض نہیں ہونا چاہئے، بلکہ صحیح صورت حال سے مطلع کر دینا چاہئے۔

(۱۱)...... امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنھن کی فقہاہت اور علم دین کے ذوق وشوق اور رعایت آداب کا علم ہوا۔

(۱۲)...... امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنھن کا باہم ایک دوسرے کی تعظیم وتکریم ایک دوسرے پر اعتماد اور باہم تعلقات کی خوشگواری کا علم ہوا۔

(۱۳)...... مہمان اور طالب علم کا حق معلوم ہوا کہ ان کی رعایت میں اپنے معمولات اور سنن تک کو مؤخر کر سکتے ہیں۔

﴿الفصل الثانی﴾

فجر کی سنت کی قضا

﴿۹۷۷﴾ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ قَيْسِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ رَأَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلاً يُصَلِّي بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ رَكْعَتَيْنِ لِلّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الصُّبْحِ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فَقَالَ الرَّجُلُ إِنِّي لَمْ أَكُنْ صَلَّيْتُ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا فَصَلَّيْتُهُمَا الْآنَ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَرَوَی التِّرْمِذِیُّ نَحْوَهُ وَقَالَ اِسْنَادُ هٰذَا الْحَدِیْثِ لَیْسَ بِمُتَّصِلٍ لِاَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ اِبْرَاهِیْمَ لَمْ یَسْمَعْ مِنْ قَیْسِ بْنِ عَمْرٍو وَفِی شَرْحِ السُّنَّةِ وَنُسَخِ الْمَصَابِیْحِ عَنْ قَیْسِ بْنِ فَهْدٍ نَحْوَهُ)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱۸۰/۱، باب من فاتته رکعتا الفجر متی یقضیها، ابواب التطوع، حدیث نمبر:۱۲۶۷۔ ترمذی شریف: ۹۴/۱، باب ما جاء فیمن تفوته الخ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر:۴۲۳۔

ترجمہ: حضرت محمد بن ابراہیمؒ قیس بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو فجر کی نماز کے بعد دو رکعت نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "فجر کی نماز تو بس دو ہی رکعت ہیں ان صاحب نے عرض کیا میں نے فجر کی نماز سے پہلے کی دو رکعت (سنن) نہیں پڑھی تھیں، ان دو رکعت کو میں نے اب پڑھا ہے حضرت سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔ (ابوداؤد) ترمذیؒ نے بھی اس کے مانند روایت نقل کی ہے، اور کہا ہے کہ اس کی اسناد متصل نہیں ہے، اس وجہ سے کہ ابراہیمؒ نے قیس بن عمروؓ سے نہیں سنا ہے، شرح السنہ اور مصابیح میں قیس بن فہد سے اسی جیسی روایت منقول ہے۔

تشریح: اس حدیث سے بظاہر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ فجر کی سنت اگر چھوٹ جائے، تو فرض نماز کے بعد اس کو ادا کیا جا سکتا ہے کیوں کہ صحابیؓ نے جب فجر کے بعد سنت کی قضا کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سکوت فرمانا اس کو ثابت کرتا ہے، کیوں کہ تقریر نبی بھی حدیث نبی ہے۔

رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجلا: یہ آدمی روای

حدیث حضرت قیسؓ خود ہیں، ترمذی میں ایک روایت میں صراحت ہے " **ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رأی قیسا** " .

فسكت رسول الله صلى الله عليه وسلم: حدیث کے اس جز سے استدلال کر کے حضرات شوافعؒ کہتے ہیں کہ فجر کی سنت کی قضا ہے، امام ابوحنیفہؒ سنت کی قضا کے قائل نہیں، پھر فجر کے فرض کے بعد نماز پڑھنے کی ممانعت خود بہت سی احادیث سے ثابت ہے، جیسا کہ ماقبل میں کئی احادیث گذر چکی ہیں، جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے تو اس کے احناف کی طرف سے کئی جواب دیئے گئے ہیں۔

(۱)......حدیث باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سکوت منقول ہے، جب کہ دیگر بہت سی احادیث میں صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز کے بعد طلوع شمس سے قبل نماز پڑھنے کی صراحتاً ممانعت فرمائی ہے، ایسی صورت میں صراحت والی احادیث راجح ہوں گی۔

(۲)......اس کو ممانعت سے پہلے پر محمول کیا جائے۔

(۳)......قضا نام ہے ادا کما وجب کا، سنن واجب ہی نہیں ہیں، لہٰذا ان کی قضا بھی نہیں ہے، فجر کی سنن کی قضا فرض کے تابع کر کے اتحسانا درست ہے۔ (مزید تحقیق کے لئے مرقات: ۳/۴۷ دیکھیں) مزید یہ کہ حدیث باب سے استدلال درست بھی نہیں ہے، خود امام ترمذی کا قول صاحب مشکوٰۃ نے نقل کر دیا ہے کہ یہ حدیث متصل نہیں ہے۔

سنت الفجر بعد الفجر

جو حضرات حدیث الباب سے استدلال کرتے ہیں کہ فجر کی سنت اگر رہ جائیں تو ان کو بعد نماز فجر پڑھ سکتے ہیں ان کا جواب بھی اس سے ہوگیا کہ۔ (۱) نہی کی روایات عام اور کثیر ہیں اور یہ جزئی واقعہ ہے لہٰذا نہی کی روایات کو ترجیح ہوگی، (۲) مبیح اور محرم میں تعارض

کے وقت محرم کوترجیح ہوتی ہے۔(۳) یہ حدیث ہی متصل نہیں اس لئے قابل حجت نہیں۔

ممنوعہ اوقات میں مسجد حرام میں نماز پڑھنا

﴿۹۷۸﴾ وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا بَنِيْ عَبْدِ مَنَافٍ لَاتَمْنَعُوْا اَحَداً طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ وَصَلّٰى اَيَّةَ سَاعَةٍ شَاءَ مِنْ لَيْلٍ اَوْ نَهَارٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حوالہ: ابو داؤد شریف: ۲۶۰/ ۱، باب الطواف بعد العصر، کتاب المناسک، حدیث نمبر:۱۸۹۴۔ترمذی شریف: ۱۷۵/ ۱، باب ماجاء فی الصلاۃ بعد العصر وبعد الصبح، کتاب الحج، حدیث نمبر:۸۷۸۔نسائی:۶۸/ ۱، باب اباحۃ الصلاۃ فی الساعات کلھا بمکۃ، کتاب المواقیت، حدیث نمبر:۵۸۴۔

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اے عبد مناف کے بیٹو رات و دن کے کسی بھی حصہ میں اس گھر یعنی بیت اللہ کا طواف کرنے اور یہاں نماز پڑھنے سے کسی کو مت روکو۔

تشریح: خانہ کعبہ کے جملہ امور کی تولیت عبد مناف کی مختلف اولاد کے سپرد تھی، اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مخاطب کر کے یہ حکم دیا کہ اس گھر کا طواف اور اس میں نماز پڑھنے سے کسی کو روکو نہیں، خانہ کعبہ کا طواف تو ہمہ وقت جائز ہے لیکن خانہ کعبہ میں ممنوعہ اوقات میں نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اس حدیث کے ظاہر سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جس طرح طواف ہمہ وقت جائز ہے، اسی طرح مسجد حرام میں ہمہ وقت نماز پڑھنے

کی بھی گنجائش ہے، یہی امام شافعیؒ کا مذہب بھی ہے، امام صاحبؒ کا اختلاف ہے۔

لاتمنعو احداً: حدیث کے اسی جزء سے استدلال کرتے ہوئے شوافع کہتے ہیں کہ مسجد حرام میں اوقات ممنوعہ میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن اوقات میں نماز پڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے، اس کا تعلق تمام امکنہ اور تمام ایام سے ہے، اس میں کسی دن اور کسی جگہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے، اور جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث نماز کے اوقات کو بیان کرنے کے لئے وارد نہیں ہوئی ہے، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ قریش مکہ کے قبائل بیت اللہ کے اطراف میں آباد تھے۔ ہر قبیلہ کے لئے ایک مخصوص دروازہ تھا، کوئی باب بنی شیبہ، کوئی باب بنی سہم، کوئی باب بنی مخزوم کہلاتا تھا، زمانۂ جاہلیت میں ان کا یہ دستور تھا کہ یہ رات کے وقت اپنے اپنے دروازے بند کر لیتے تھے، جس کی وجہ سے باہر سے آنے والا مسجد حرام میں نماز پڑھنے اور طواف کرنے سے محروم ہو جاتا تھا، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قبائل کو حکم دیا کہ تم دروازے بند کر کے مسجد حرام کا طواف کرنے والوں اور اس میں نماز پڑھنے والوں کو مت روکو، حاصل یہ ہے کہ یہاں بنوعبد مناف کو ہمہ وقت دروازہ کھلا رکھنے کا حکم دینا مقصود ہے، اوقات ممنوعہ میں نماز پڑھنے کی اجازت دینا مقصود نہیں ہے، نیز حدیث باب اوقات خمسہ ممنوعہ کے علاوہ دیگر اوقات کے ساتھ خاص ہے، اوقات خمسہ میں نماز پڑھنے کی ممانعت گذشتہ احادیث میں ہو چکی ہے۔

جمعہ کے دن نماز بوقت زوال

﴿۹۷۹﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنِ الصَّلَاةِ نِصْفَ النَّهَارِ حَتّٰی تَزُوْلَ الشَّمْسُ اِلَّا یَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ (رَوَاهُ الشَّافِعِیُّ)

حوالہ: مسند امام شافعیؒ: ۱۳۹/۱، الباب الحادی عشر فی صلاۃ الجمعۃ، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۴۰۸۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن کے علاوہ نصف النہار کے وقت یعنی زوال کے وقت نماز پڑھنے سے منع کیا، یہاں تک کہ سورج ڈھل جائے۔

تشریح: اس حدیث سے بظاہر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ زوال کے وقت نماز پڑھنے کی جو ممانعت ہے، وہ دیگر ایام میں ہے، جمعہ کا دن اس سے مستثنیٰ ہے جمعہ کے دن زوال کے وقت بھی نماز پڑھنا درست ہے۔

الایوم الجمعۃ: حدیث باب کے اس جز سے استدلال کر کے امام شافعیؒ و امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ جمعہ کے دن زوال کے وقت نماز پڑھنا درست ہے، کیوں کہ زوال کے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت کے ساتھ "الا یوم الجمعۃ" کے ذریعہ جمعہ کے دن کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے استثناء فرمادیا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دیگر ایام کی طرح جمعہ کے دن بھی زوال کے وقت نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا مستدل وہ بہت سی روایات ہیں جن میں مطلقاً صراحت کے ساتھ اوقات ثلاثہ میں کسی بھی قسم کی نماز پڑھنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ امام صاحبؒ کا مذہب دلائل کی کثرت اور دلائل کی صحت کے اعتبار سے راجح ہے، نیز جب محرم اور مبیح میں تعارض پیدا ہو جائے تو محرم کو راجح قرار دیا جائے گا، اسی میں زیادہ احتیاط ہے۔

ایضاً

﴿۹۸۰﴾ وَعَنْ اَبِی الْعَلِیْلِ عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی

عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَرِهَ الصَّلَاةَ نِصْفَ النَّهَارِ حَتّٰى تَزُوْلَ الشَّمْسُ اِلَّا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَقَالَ اِنَّ جَهَنَّمَ تُسَجَّرُ اِلَّا يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ اَبُوْ الْخَلِيْلِ لَمْ يَلْقَ اَبَا قَتَادَةَ)

حوالہ: ابوداؤد شریف: ۱۵۵/۱، باب الصلاۃ یوم الجمعۃ قبل الزوال، کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر: ۱۰۸۳۔

ترجمہ: حضرت ابوخلیلؒ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زوال کے وقت نماز کو مکروہ قرار دیتے ہیں، یہاں تک کہ سورج ڈھل جائے، سوائے جمعہ کے دن کے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' بلاشبہ جہنم جمعہ کے دن کے علاوہ (زوال کے وقت) دہکائی جاتی ہے، ابوداؤد نے اس روایت کو نقل کیا اور کہا کہ ابوخلیل ابوقتادہؓ سے نہیں ملے ہیں۔

تشریح: اس حدیث میں بھی سابقہ حدیث کا مضمون ہے، یعنی اس حدیث سے بھی یہ بات سمجھ میں آرہی ہے کہ جمعہ کے دن نصف النہار یعنی زوال کے وقت نفل نماز پڑھنے کی گنجائش ہے، دیگر ایام سے جمعہ کو یہ خصوصیت کیوں حاصل ہے، حدیث باب میں اس کی صراحت ہے، کہ دیگر ایام میں نصف النہار کے وقت جہنم کو دہکایا جاتا ہے، لیکن جمعہ کے دن جہنم کو زوال کے وقت نہیں دہکایا جاتا ہے۔

کرہ الصلاۃ: اوقات ثلاثہ یعنی طلوع شمس، غروب شمس اور استواء شمس، کے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت بہت سی احادیث میں وارد ہوئی ہے، بعض احادیث شروع باب میں نقل بھی ہوئی ہیں، یہ روایات اتنی زیادہ ہیں کہ حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں، اور ان میں بلا کسی دن اور بلا کسی جگہ کی تخصیص کے اوقات مذکورہ میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے، لہٰذا امام ابوحنیفہؒ اور دیگر بہت سے فقہاء مطلقاً ان اوقات میں نماز کی ممانعت کی طرف گئے ہیں، لیکن امام شافعیؒ

حدیث باب اوران جیسی چند احادیث کی بناء پر جمعہ کے دن زوال کے وقت نوافل پڑھنے کو مکروہ نہیں قرار دیتے ہیں۔ حنیفہ کی طرف سے ایک جواب تو نقل ہو چکا ہے کہ مبیح اور محرم میں تعارض کے وقت محرم کو راجح قرار دیا جاتا ہے، لہٰذا ان دلائل سے اگر چہ جواز معلوم ہوتا ہے، لیکن نہی والی روایات اپنی کثرت و حجت اور محرم ہونے کیوجہ سے راجح قرار پائیں گی، اور جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے تو اس سے استدلال کے درست نہ ہونے کی طرف، خود صاحب مشکوٰۃ نے ابوداؤد کا قول نقل کر کے اشارہ کر دیا ہے کہ ابوخلیل جو کہ ابوقتادہ سے روایت کرتے ہیں ان کی ابوقتادہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے، لہٰذا یہ حدیث منقطع ہے قابل حجت نہیں۔

﴿الفصل الثالث﴾

ممنوعہ اوقات کی وضاحت

﴿۹۸۱﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ الصُّنَابِحِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّمْسَ تَطْلُعُ وَمَعَهَا قَرْنُ الشَّيْطَانِ فَاِذَا ارْتَفَعَتْ فَارَقَهَا وَاِذَا اسْتَوَتْ قَارَنَهَا فَاِذَا زَالَتْ فَارَقَهَا فَاِذَا دَنَتْ لِلْغُرُوْبِ قَارَنَهَا فَاِذَا غَرَبَتْ فَارَقَهَا وَنَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلٰوةِ فِيْ تِلْكَ السَّاعَاتِ۔ (رواه مالك واحمد والنسائی)

حوالہ: مؤطا امام مالکؒ:۲۷، باب النهی عن الصلاة بعد الصبح وبعد العصر، کتاب القرآن، حدیث نمبر:۴۴۔ مسند أحمد:۴/۳۴۸۔ نسائی:۱/۶۵ باب الساعات التی نهی عن الصلاة فيها، کتاب المواقيت، حدیث نمبر:۵۵۸۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ صنابحی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "بلاشبہ سورج جب طلوع ہوتا ہے تو شیطان کا سینگ اس کے ساتھ ہوتا ہے، پھر جب سورج بلند ہو جاتا ہے، تو شیطان اس سے جدا ہو جاتا ہے، پھر جب زوال کا وقت ہوتا ہے پھر شیطان سورج سے مل جاتا ہے، چنانچہ جب سورج ڈھل جاتا ہے، تو جدا ہو جاتا ہے، پھر جب غروب کا وقت قریب ہوتا ہے تو پھر شیطان سورج سے مل جاتا ہے، چنانچہ جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو اس سے جدا ہو جاتا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اوقات ثلاثہ مکروہہ کی وضاحت فرمائی ہے اور ان میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے اوقات ثلاثہ مکروہہ یہ ہیں: (۱) طلوع شمس کا وقت۔ (۲) زوال شمس کا وقت۔ (۳) غروب شمس کا وقت، ان اوقات میں شیطان سورج کے قریب ہو جاتا ہے، اور سورج کی پوجا کرنیوالے خاص طور پر ان اوقات میں سورج کی عبادت کرتے ہیں، اور شیطان اپنے متبعین کو یہ تاثر دیتا ہے کہ یہ سب اس کی عبادت کر رہے ہیں، اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

عصر کے بعد نماز پڑھنے کی ممانعت

﴿۹۸۲﴾ وَعَنْ اَبِیْ بَصْرَةَ الْغِفَارِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالْمُخَمَّصِ صَلَاةَ الْعَصْرِ فَقَالَ اِنَّ ھٰذِہٖ صَلَاةٌ عُرِضَتْ عَلٰی مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ فَضَیَّعُوْھَا فَمَنْ حَافَظَ عَلَیْھَا کَانَ لَہٗ اَجْرُہٗ مَرَّتَیْنِ وَلَا صَلَاةَ بَعْدَھَا حَتّٰی یَطْلُعَ الشَّاھِدُ وَالشَّاھِدُ النَّجْمُ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حوالہ: مسلم شریف: ۲۷۵/۱، باب الاوقات التی نہی عن الصلاۃ فیھا، کتاب صلاۃ المسافرین، حدیث نمبر: ۸۳۰۔

ترجمہ: حضرت ابو بصرہ غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عصر کی نماز مقام "مخمص" میں پڑھائی، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ نماز ان لوگوں پر بھی پیش کی گئی جو لوگ تم سے پہلے تھے، لیکن ان لوگوں نے اس نماز کو ضائع کر دیا، تو جس شخص نے اس نماز پر مداومت کی، اس کو اس نماز کا دوہرا ثواب ملے گا، اور اس نماز کے بعد کوئی نماز نہیں ہے، یہاں تک کہ شاہد طلوع ہو جائے اور شاہد ستارہ کا نام ہے۔

تشریح: اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں (۱) عصر کی نماز نہایت اہم نماز ہے، اس لئے پابندی کا حد درجہ اہتمام کرنا چاہئے، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ عصر کے بعد سورج غروب ہو جانے تک کوئی نماز نہ پڑھنا چاہئے۔

المخمص: ایک راستہ کا نام ہے۔

فقال: نماز سے فارغ ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عرضت: عصر کی نماز یہود و نصاریٰ پر بھی فرض کی گئی تھی۔

فضیعوھا: یعنی انہوں نے نماز کا حق ادا نہیں کیا، اور اس نماز کی پابندی نہیں کی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا، لہٰذا تم لوگ ان کی طرح ہونے سے بچو۔

کان لہ اجرہ مرتین: جو شخص نماز کی پابندی کرے گا، اس کو دوہرا اجر ملے گا، ایک اجر تو یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرتے ہوئے نماز عصر کی پابندی کرنے پر ہے اور دوسرا اجر دیگر تمام نمازوں کی بناء پر جو ملتا ہے وہ ہے، علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ ایک اجر تو نماز کی پابندی کا ہے اور دوسرا اجر نماز کی وجہ سے تجارت کو چھوڑنے پر ہے، کیوں کہ عصر کا وقت اس

زمانے کے بازاروں کے اعتبار سے بہت مشغولی کا ہوتا تھا، حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں ایک اجر تو عصر کی نماز کی فضیلت کی بنا پر ہے اور دوسرا اجر اس کی پابندی پر ہے۔ (مرقات: ۳/۴۹)

و لا صلاۃ بعدھا: عصر کی نماز کے بعد کسی قسم کی نماز پڑھنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔

حتی یطلع الشاھد: مراد یہ ہے کہ عصر کی نماز کے بعد اس وقت تک نماز نہ پڑھی جائے جب تک سورج مکمل طور پر ڈوب نہ جائے۔

عصر کے بعد دو رکعت پڑھنے کی ممانعت

﴿۹۸۳﴾ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ إِنَّكُمْ لَتُصَلُّوْنَ صَلَاةً لَقَدْ صَحِبْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا رَأَيْنَاهُ يُصَلِّيْهِمَا وَلَقَدْ نَهٰى عَنْهُمَا يَعْنِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ۔ **(رواہ البخاری)**

حوالہ: بخاری شریف: ۱/۸۳، باب لایتحری الصلاۃ قبل غروب الشمس، کتاب مواقیت الصلاۃ، حدیث نمبر: ۵۸۷۔

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا ’’بے شک تم لوگ ایک ایسی نماز پڑھ رہے ہو، کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، مگر ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یعنی عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھنے سے منع فرمایا تھا۔

تشریح: فما رأیناہ یصلیھما: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے عصر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دو رکعت نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا

جب کہ گذشتہ اوراق میں حدیث گذری ہے جس میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عصر کے بعد دو رکعت پڑھتے دیکھا تھا، اس کے علاوہ بخاری شریف میں حدیث ہے "ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یأتینی فی یوم بعد العصر الا صلی رکعتین" (بخاری شریف: ۱/۸۳) اسی طرح مسلم شریف میں حدیث ہے "ما ترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکعتین بعد العصر عندی قط" (مسلم شریف: ۱/۲۷۷) ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دو رکعت پڑھنے کا معمول تھا، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نہ دیکھنے کے کیا معنی، بات یہ ہے کہ عصر کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت پڑھتے تھے، مگر مسجد میں نہیں پڑھتے تھے، بلکہ حجرۂ مبارکہ میں پڑھتے تھے اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت میں سے تھا، اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتاً عصر کے بعد نماز پڑھنے اور خاص طور سے دو رکعت نفل پڑھنے سے ممانعت فرمائی ہے حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عام لوگوں کے سامنے یہ نماز نہیں پڑھتے تھے، اسی وجہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔

فجر اور عصر کے بعد نماز کی ممانعت

﴿۹۸۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ وَقَدْ صَعِدَ عَلٰی دَرَجَۃِ الْکَعْبَۃِ مَنْ عَرَفَنِیْ فَقَدْ عَرَفَنِیْ وَمَنْ لَمْ یَعْرِفْنِیْ فَاَنَا جُنْدُبٌ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَاصَلٰوۃَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَلَا بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰی تَغْرُبَ الشَّمْسُ اِلَّا بِمَکَّۃَ اِلَّا بِمَکَّۃَ اِلَّا بِمَکَّۃَ۔ (رواہ احمد ورزین)

حواله: مسند أحمد: ۱٦۵، ۱٦٦ / ۴.

ترجمه: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ خانۂ کعبہ کی سیڑھی پر چڑھ گئے اور کہا کہ جس نے مجھے پہچانا، اس نے مجھے پہچانا، اور جس نے مجھے نہیں پہچانا تو میں جندب ہوں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ فجر کے بعد کوئی نماز نہیں ہے، یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے، اور عصر کے بعد کوئی نماز نہیں ہے، یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے، سوائے مکہ میں، سوائے مکہ میں، سوائے مکہ میں۔

تشریح: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اپنے کلام میں پختگی پیدا کرنے کے لئے خانۂ کعبہ کی سیڑھی پر چڑھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سنا رہے ہیں۔

فانا جندب: یہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا نام ہے۔

الا بمكة: اس سے یہ سمجھ میں آ رہا ہے کہ مکہ میں نماز عصر و فجر کے بعد نماز پڑھنے کی گنجائش ہے یہی امام شافعیؒ کا مذہب ہے، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ممانعت تمام ازمنہ وتمام امکنہ کے ساتھ متعلق ہے، نیز جن احادیث میں مطلقاً ان اوقات میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے وہ احادیث کثیر بھی ہیں اور صحت میں بھی ان سے راجح ہیں، پھر محرم اور مبیح میں تعارض کے وقت محرم کو ترجیح ہوتی ہے، لہٰذا مکہ مکرمہ میں بھی فجر اور عصر کے بعد نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

تم

الجزء السابع من الرفیق الفصیح

لمشکوۃ المصابیح بحمد اللہ تعالیٰ واحسانہ

وتوفیقہ وبمنہ وکرمہ ویلیہ الجزء الثامن اولہ

باب الجماعۃ وفضلہا ان شاء اللہ تعالیٰ ربنا تقبل منا

انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب

الرحیم بحرمۃ حبیبک سید المرسلین وصلی

اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

الی یوم الدین

محمد فاروق غفرلہ